نخبۃ المسائل

تتمہ: کتاب النوازل

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

وسابق نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

اول

کتاب الایمان - کتاب الصلاۃ

ترتیب و مراجعت

مفتی محمد ابوبکر صدیق منصورپوری

مفتی محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال رسول اللّٰه ﷺ:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ.

(صحيح البخاري ١٦/١ رقم: ٧١، صحيح مسلم ٣٣٣/١ رقم: ١٠٣٧)

نخبۃ المسائل

(تتمہ: کتابُ النوازل)

منتخب فتاویٰ:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

وسابق نائب مفتی واُستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(جلدِ اول)

کتابُ الایمان، کتابُ الصلوٰۃ

ترتیب ومراجعت:

(مفتی) محمد ابوبکر صدیق منصورپوری

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری

ناشر

مکتبہ ''التذکیر'' دیوبند

9058602750

○ نام کتاب : نخبۃ المسائل تتمہ کتاب النوازل (جلد اول)
○ منتخب فتاویٰ : مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
○ ترتیب ومراجعت : مفتی محمد ابوبکر صدیق منصور پوری
: مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی
○ کمپیوٹر کتابت : محمد انظار قاسمی ہردوئی، محمد شعیب قاسمی بجنوری
○ سیٹنگ : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری
○ طابع : المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد
09412635154 - 09058602750
○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی
011-23289786 - 23289159
○ اشاعتِ اول : صفر المظفر ۱۴۴۶ھ مطابق اگست ۲۰۲۴ء
○ صفحات : ۵۴۴
○ قیمت : ۵۰۰/روپیے

ملنے کے پتے:

○ مکتبہ ''التذکیر'' نزد چھتہ مسجد دیوبند
○ مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد
○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

○

مسائل کی پوچھ تاچھ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ:

فَسْئَلُوْآ أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لا تَعْلَمُوْنَ ○

[الأنبيآء، جزء آيت: ۷]

ترجمہ : پس پوچھ لو جانکار لوگوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

○

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ.

(سنن أبي داؤد ۴۹/۱ رقم: ۳۳۶، سنن ابن ماجة ۴۳/۱ قم: ۵۷۲)

ترجمہ: عاجز (ناواقف) شخص کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ (معتبر اور جانکار لوگوں سے مسئلہ کے بارے میں) سوال کر لینا ہے۔

○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم اور توفیق، والدین ماجدین کی سحر گاہی دعاؤں اور حضرات اَساتذۂ کرام بالخصوص اُستاذ معظم، مخدوم گرامی حضرت اَقدس فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کی عنایات وتوجہات کی بدولت اس ناکارہ کو تدریس کے ساتھ ساتھ فقہ وفتاویٰ میں اشتغال کا موقع میسر آیا۔ مزید شکر کی بات یہ ہوئی کہ اِس خدمت کے لئے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے ''دارالافتاء'' سے وابستگی نصیب ہوئی، جس کو بفضلہٖ تعالیٰ ملک وبیرونِ ملک میں ایک اہم مرجع کی حیثیت حاصل ہے اور جہاں سے بکثرت علمی اور تحقیقی فتاویٰ جاری کئے جاتے ہیں۔ اِس وقت اِس دارالافتاء کے روحِ رواں فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم وعمت فیوضہم ہیں، جن کی معیت میں احقر کو مسلسل ۳۲؍ سال (۱۴۱۱ھ ۱۴۴۳ھ) خدمت کی سعادت حاصل ہوئی اور موصوف کے علم وتفقہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ اِس دوران مدرسہ کی انتظامیہ (ابتداءً مخدوم مکرم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی نور اللہ مرقدہٗ اور بعد میں برادر مکرم جناب مولانا سید اشہد صاحب رشیدی زید کرمہم) کا بھرپور تعاون اور اعتماد بھی حاصل رہا، فالحمد کلہ للہ۔

اِس عرصہ میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور توفیق سے احقر کے مدرسہ شاہی میں لکھے گئے منتخب فتاویٰ کا مجموعہ ۱۹؍ جلدوں میں ''کتاب النوازل'' کے نام سے ۱۴۳۷ھ میں شائع ہوا؛

لیکن چوں کہ اُس کے بعد بھی فتاویٰ کی تحریر کا سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ جاری تھا۔ اِس لئے احقر نے ۱۴۳۸ھ میں عزیزم مولوی مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری سلمہ (اُستاذ مدرسہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد) کو مکلّف کیا کہ وہ دارالافتاء کے رجسٹروں اور فائلوں سے فتاویٰ کی نقل لے کر اُن فتاویٰ کی کمپیوٹر کتابت اور باب وار عنوانات لگانے اور عبارات کی مراجعت کا کام کریں۔ اِس میں ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ اِس کے ذریعہ سے آں عزیز کی فقہی مناسبت میں بھی اِضافہ ہوگا؛ بہرحال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کام شروع کیا گیا اور مرحلہ وار فتاویٰ کی کتابت ہوتی رہی۔

تاآں کہ ۱۴۴۳ھ میں حضرات اکابر کے حکم اور منشاء کی تعمیل کرتے ہوئے احقر مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت پر مامور ہوگیا، تو طبیعت میں اِس بات کا تقاضا بڑھ گیا کہ مدرسہ شاہی میں تحریر کردہ مابقیہ فتاویٰ کی جمع وترتیب کا کام جلد اَز جلد مکمل ہونا چاہئے۔ اَب سب سے بہتر بات تو یہ ہوتی کہ یہ مابقیہ فتاویٰ ''کتاب النوازل'' کے اصل ابواب کے ساتھ ہی شامل کئے جاتے؛ لیکن اِس کے لئے اَوّلاً تو پوری کتاب کی از سرِنو ترتیب کرنی پڑتی اور دوسرے یہ کہ جو حضرات پہلے ''کتاب النوازل'' خرید چکے ہیں، اُنہیں دوبارہ پورا سیٹ خریدنا پڑتا، اِس لئے یہ صورت نکالی گئی کہ مابقیہ فتاویٰ کو ''کتاب النوازل'' کے تتمہ کے طور پر نئے نام کے ساتھ فقہی ابواب پر مرتب کر کے پیش کیا جائے؛ تاکہ شائقین پر مزید بار نہ پڑے؛ چناں چہ الحمد للہ ''نخبۃ المسائل'' کے نام سے یہ چار جلدیں طباعت کے لئے تیار ہیں، جو دراصل ''کتاب النوازل'' کا تتمہ ہیں۔

اِس مجموعہ میں شامل فتاویٰ کی مراجعت اور آخری ترتیب کا کام زیادہ تر عزیز گرامی مولانا مفتی محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری زید علمہ (مرتب کتاب النوازل) اُستاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم کچہری والی مسجد مرادآباد کے ہاتھوں انجام پایا، آں موصوف نے دن رات محنتِ شاقہ برداشت کر کے اِشاعت کے قابل بنایا۔

اِسی طرح کمپیوٹر کتابت میں اگرچہ متعدد حضرات (مولوی محمد انظار ہردوئی جامعہ قاسمیہ دارالعلوم زکریا مرادآباد اور مولوی محمد شعیب بجنوری دیوبند) نے حصہ لیا؛ لیکن آخری مرحلہ کی

بہترین اور دل کش سیٹنگ میں عزیزم مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی مظفر نگری نے بہت محنت کی اور اپنی مہارتِ فن اور حسن سلیقہ کا ثبوت دیا۔

نیز تصحیح کے مرحلہ میں فاضل گرامی جناب مولانا مفتی سخاوت اللہ انیس قاسمی زید علمہ اُستاذ دارالعلوم مدنی نگر ڈھاکہ (بنگلہ دیش) کا تعاون بھی حاصل رہا، جس پر آں موصوف شکریہ کے مستحق ہیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کاوش کو حسنِ قبول سے نوازیں اور ہمارے مشفق والدین ماجدین اور اَساتذۂ کرام اور جن جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، اُن کے مؤلفین ومرتبین کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم الطلبہ دارالعلوم دیوبند

یکم صفر المظفر ۱۴۴۶ھ

مطابق ۷/اگست ۲۰۲۴ء بروز بدھ

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

عرضِ مرتب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم ہوا کہ سال ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء میں والدمکرم حضرت اَقدس مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت فیوضہم کے ''مدرسہ شاہی مرادآباد'' میں لکھے گئے منتخب فتاویٰ کی ابتدائی دو جلدیں ''کتاب النوازل'' کے نام سے اَولاً ''فرید بک ڈپو دہلی'' سے شائع ہوئیں۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ ۱۴۳۷ھ کے اَوائل میں اُس کی مکمل ۱۹؍جلدیں شائع ہوگئیں، جن میں ۱۴۱۰ھ سے لے کر ۱۴۳۶ھ تک کے فتاویٰ جمع کردئے گئے تھے؛ چوں کہ ان فتاویٰ کی زبان آسان اور عام فہم تھی اور ہر فتویٰ دلائل سے مزین تھا، اِس لئے بحمدہ تعالیٰ اَربابِ فتاویٰ اور حضراتِ اہل علم نے اِس مجموعہ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے طلبہ افتاء اور علماء کی نگاہ میں وہ وقیع اور قابل اعتماد مرجع شمار ہونے لگا۔ اور ملک وبیرونِ ملک کے مختلف کتب خانوں سے اس کی اِشاعت ہونے لگی۔ اور مزید شکر کی بات یہ ہوئی کہ مطبوعہ کتاب کے ساتھ ساتھ ٹیلی گرام، گوگل ایپ، فیس بک وغیرہ پر اس کی PDF فائلیں خوب عام ہوئیں؛ حتیٰ کہ ''مکتبہ جبرئیل'' نے اِس کا یونیکوڈ فاؤنٹ بھی تیار کرکے اپنی مقبول ایپ پر اَپلوڈ کردیا، جس سے اِستفادہ بہت عام اور آسان ہوگیا، فالحمد کلہ للہ۔

۱۴۳۶ھ تک کے فتاویٰ چوں کہ ''کتاب النوازل'' میں آچکے تھے، اِس لئے بعد کے سالوں کے فتاویٰ کی اِشاعت کا مرحلہ درپیش تھا۔ بریں بنا ۱۴۳۸ھ کے اَواخر میں حضرت والد صاحب دامت برکاتہم نے احقر کو یہ ذمہ داری سپرد کی کہ ۱۴۳۶ھ کے بعد کے فتاویٰ رجسٹر اور فائلوں سے جمع کرکے مرتب کرے، ہر مسئلہ پر الگ الگ عنوانات لگائے جائیں اور مکررات کو حذف کیا جائے اور عبارتوں کی مراجعت کی جائے؛ چناں چہ احقر نے حسب الحکم کام شروع کیا اور سال بسال جو بھی فتاویٰ اکٹھا ہوتے رہے، اُن کو مرتب کرکے ٹائپنگ کے لئے بھیجا جاتا رہا۔

اِسی دوران ''کورونا وائرس'' کی وجہ سے ''لاک ڈاؤن'' لگ گیا، جس کی وجہ سے دارالافتاء میں فتاویٰ لکھنے کا سلسلہ کئی مہینوں تک موقوف رہا۔

ابھی لاک ڈاؤن کے بعد حالات پوری طرح سازگار نہیں ہوئے تھے کہ ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء میں مشفق داداجان اَمیرالہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری نوراللہ مرقدہٗ اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا، جس کی وجہ سے ایک عرصہ تک دل ودماغ بہت متأثر رہے اور فتاویٰ کی ترتیب کا کام بھی موقوف ہوکر رہ گیا؛ یہاں تک کہ سالانہ اِمتحان سے فراغت کے بعد دوبارہ کام شروع کیا گیا۔

حسن اِتفاق کہ شعبان ۱۴۴۳ھ میں والد مکرم حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری دامت برکاتہم کا اَزہرِ ہند دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوگیا، جس کے بعد مدرسہ شاہی کے مسند اِفتاء میں حضرت والد محترم کے قلم گہربار سے جاری ہونے والے بیش قیمت فتاویٰ (جن کی وجہ سے کتاب النوازل وجود میں آئی تھی) کا رجسٹر بھی موقوف ہوگیا اور مزید فتاویٰ تحریر نہ کئے جاسکے۔

دیوبند تشریف لے جانے کے بعد حضرت والد صاحب مدظلہ کی طرف سے اصرار ہوا کہ اِس کام کو جلد اَز جلد پورا کیا جائے اور ۱۴۳۷ھ سے شعبان ۱۴۴۳ھ تک کے فتاویٰ کو مرتب کرکے پیش کیا جائے۔

چناں چہ احقر اپنی بساط بھر کام کو آگے بڑھاتا رہا اور کوشش کرتا رہا کہ سب فتاویٰ عناوین اور حوالہ جات کی تحقیق کے بعد جلد از جلد ٹائپ ہوجائیں۔

اللہ تعالیٰ خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائیں ہمارے رفیق مکرم مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب قاسمی مرادپوری اُستاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم کچہری والی مسجد مرادآباد ومرتب ''کتاب النوازل'' کو کہ اُنھوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود ایک ایک فتویٰ کی عبارت اور حوالوں کی اصل کتاب سے مراجعت کرکے اور ترتیب فتاویٰ میں اپنا تجربہ پیش کرکے بے مثال تعاون پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اُن کی توجہ اور شب وروز کی محنت نہ ہوتی تو یہ کام اتنی جلدی مکمل نہ ہوپاتا، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء وبارک اللہ فی علومہ۔

اَب بحمدہٖ تعالیٰ ترتیب ومراجعت اور زوائد کو حذف کرنے کے بعد مختلف فقہی اَبواب سے متعلق فتاویٰ کا یہ مجموعہ ''نخبۃ المسائل'' (تتمہ کتاب النوازل) کے نام سے ۴؍جلدوں میں

حضرات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

کوشش کی گئی ہے کہ یہ تتمہ بھی اصل کتاب کی طرح جدید وقدیم فقہی کتابوں کے حوالجات سے مزین ہو اور کوئی مسئلہ بے سند اور غیر مدلل نہ رہے، حوالجات کے لکھنے میں ''کتاب النوازل'' کی طرح کتاب، باب اور فصل کے ساتھ ہر کتاب کا مطبع بھی لکھا گیا ہے۔

کتاب کی تکمیل سے پہلے حضرت والد صاحب زید مجدہٗ نے اپنے فقہی ذوق اور علمی بصیرت کی روشنی میں ہر مسئلہ پر گہری نظر فرمائی اور حکّ واِضافہ کرکے اُس کی ترتیب وتزئین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور صحت وعافیت کے ساتھ سایہ دراز فرمائیں، آمین۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ اِس جدید طباعتی دور میں کمپیوٹر کتابت اور اُس کی خوب صورت سیٹنگ کا بڑا کردار ہے۔ ہمارے اِس مجموعہ کی اکثر کمپیوٹر کتابت جناب مولوی محمد انظار ہردوئی جامعہ قاسمیہ دارالعلوم زکریا مرادآباد نے کی اور جزوی طور پر مولوی محمد شعیب بجنوری (دیوبند) نے بھی حصہ لیا؛ جب کہ تصحیح وتزئین کے ساتھ شان دار ترتیب میں حضرت والد صاحب مدظلہ کے قدیم علمی رفیق جناب مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی مظفرنگری نے بڑی محنت اور تن دہی کا مظاہرہ کیا، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

اخیر میں قارئین اور اَربابِ افتاء سے متواضعانہ التماس ہے کہ اگر ترتیب میں کوئی غلطی نظر آئے - جس کا عین اِمکان ہے - تو ہم خدام کو مطلع فرماکر ممنون ومشکور فرمائیں، اِن شاء اللہ اُس کی مراجعت کرلی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ اِس حقیر محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازیں اور اُمت کے لئے نافع بناکر ہم سب کے حق میں سعادتِ دارین کا ذریعہ بنائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد ابوبکر صدیق منصور پوری غفرلہ
مدرسہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد
یکم رصفر المظفر ۱۴۴۶ھ
مطابق ۷ر اگست ۲۰۲۴ء بروز بدھ

احقر محمد ابراہیم غفرلہ مرادپوری
(مرتب کتاب النوازل)
خادم مدرسہ قاسم العلوم کچہری والی مسجد مرادآباد

فہرست عناوین

عقائد ونظریات

بدعات ورسومات

کتابُ العلم

متعلقاتِ قرآن

اَحادیث، آثار اور اَقوال کی تحقیق

دعوت وتبلیغ

کتاب الطھارۃ

پاکی اور ناپاکی کے مسائل

وضو اور غسل کے مسائل

تیمّم کے مسائل

حیض ونفاس کے مسائل

کتابُ الصلوٰۃ

اَوقاتِ نماز

اَذان و اِقامت

نماز کے شرائط اور واجبات

قرأت کے مسائل

سجدۂ سہو کے مسائل

مفسداتِ نماز

مکروہاتِ نماز

اِمامت کے مسائل

جماعت کے مسائل

مسبوق اور لاحق کے مسائل

سنن ونوافل

وتر اور قنوت کے مسائل

جمعہ کے مسائل

عیدین کے مسائل

سجدۂ تلاوت

مسافر کی نماز

کلماتِ عالیہ:

جگر گوشۂ شیخ الاسلام، مخدومِ مکرم، اُستاذِ معظم، اَمیر الہند، حضرت اَقدس

مولانا سید اَرشد صاحب مدنی دامت برکاتہم

اُستاذ حدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیو بند وصدر جمعیۃ علماء ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلاة والسلام علی سید المرسلین، وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ أجمعین.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. ﴿یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۶۹]

قال عبد اللّٰہ بن عباس رضي اللّٰہ عنہما: الحکمة: یعني المعرفة بالقرآن، ناسخه ومنسوخه، ومحکمه ومتشابهه، ومقدمه ومؤخره، وحلاله وحرامه، وأمثاله. (تفسیر ابن کثیر / سورۃ البقرۃ ص: ۲۱۳ دار السلام الریاض)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر کے مطابق مذکورہ آیت میں ''حکمة'' کے لفظ میں تمام احکامِ شرعیہ یعنی احکامِ فرائض (بشمول احکامِ وراثت) واجبات وسنن، حقوق العباد اور حقوق اللہ، علم الحلال والحرام، علم الآداب (یعنی **''مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَیْهَا''**) سب داخل ہوگئے، اِسی کو جامعیت کے ساتھ ''علم فقہ'' کہا جاتا ہے۔

یہ اِسلام کی خصوصیت ہے کہ مذہبِ اسلام کے ماننے والے ہر شخص کی اِنفرادی اور اِجتماعی زندگی کا ایک ایک کام وحیٔ الٰہی کے بیان کردہ حلال وحرام، یا بالفاظ دیگر ''علم فقہ'' سے مربوط ہے، یعنی اگر اِنسان کا کیا ہوا عمل اللہ اور اُس کے رسول کے فرمان کے مطابق ہے، تو جائز

اور حلال ہے۔ اور اگر وہ کام شریعت کے موافق نہیں ہے تو اُسے درست نہیں کہا جائے گا۔

اِسی لئے ہمارے مدارس میں دارالافتاء قائم ہیں اور مفتیانِ کرام کی ایک بڑی جماعت اُمت کی دینی رہنمائی کی خدمت انجام دے رہی ہے، جن سے روزانہ ہزاروں مسلمان اپنے معاملات میں حلال وحرام کو جاننے کے لئے رجوع کرتے ہیں اور وہ مفتیانِ کرام شریعت کی روشنی میں استفتاء کا جواب دیتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اِس گئے گذرے دور میں بھی جس طرح مسلمان اپنے ہر کام میں حلال وحرام کا علم حاصل کر کے حرام سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ بات دیگر مذہب والوں میں عموماً نظر نہیں آتی۔ اِسی لئے علم فقہ سے متعلق سیکڑوں کتابیں مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی لائبریریوں میں موجود ہیں، اور ہزاروں کتابیں انٹرنیٹ پر بھی پڑی ہوئی ہیں، جو زندگی کے ہر پہلو سے وابستہ ہر عمل کے حلال اور حرام ہونے کو بتلا رہی ہیں اور ساری دنیا کا مسلمان اس سے استفادہ کر رہا ہے۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ میرے عزیز محترم مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری سلمہ اُستاذ دارالعلوم دیوبند نے دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد میں تحریر کردہ اپنے ہزاروں فتاویٰ کو (جو مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ہیں) ''کتاب النوازل'' اور ''نخبۃ المسائل'' کے ناموں سے کتابی شکل میں الحمدللہ متعدد جلدوں میں دلائل کے ساتھ جمع کیا ہے۔

مجھے توقع ہے کہ عام طور پر مسلمان اُن فتاویٰ سے فائدہ اُٹھائیں گے اور اپنی زندگی کو قرآن وحدیث یعنی وحیٔ الٰہی کا پابند بنا کر اپنی آخرت کو آباد کریں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز محترم کی اِس نہایت قیمتی کوشش کو بارآور فرمائیں اور قبولیت سے نوازیں اور ذخیرۂ آخرت بنائیں، آمین ثم آمین۔

(حضرت مولانا سید) اَرشد مدنی (صاحب مدظلہم)

خادم دارالعلوم دیوبند

۱۴۴۵/۱۱/۲۱ھ مطابق ۲۰۲۴/۵/۳۰ء

کلماتِ بابرکت:

نمونۂ اَسلاف، عارف باللہ، خلیفہ اَجل حضرت فقیہ الامتؒ

حضرت اَقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

’’نخبۃ المسائل‘‘ تتمہ ’’کتاب النوازل‘‘ فاضل گرامی جناب مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری اُستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند کے اُن گراں قدر فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو مفتی صاحب نے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے آخری دورِ قیام میں تحریر فرمائے ہیں۔

جناب مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری نے ۱۴۰۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تین سال کی طویل مدت دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہ کر دارالافتاء کے جلیل القدر اَساتذۂ کرام ومفتیانِ عظام کے زیرِ نگرانی گذاری اور تکمیل اِفتاء اور تدریب اِفتاء کے ذریعہ فتویٰ نویسی میں درک حاصل کیا۔

مفتی صاحب کو اُن کی ذاتی صلاحیت، خاندانی نجابت، علمی انہماک، شرافتِ طبع اور اَکابر واَساتذہ نیز والدین گرامی کی حسنِ تربیت نے اکابر واَساتذہ کا مرکز توجہ بنادیا۔ اور فراغت کے فوراً بعد شوال ۱۴۱۰ھ میں ملک کی نامور قدیم مرکزی درس گاہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں مصروفِ خدمت ہوگئے، جہاں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتذکیر اور خدمتِ خلق کے ساتھ فتویٰ نویسی کی اہم ذمہ داری سے بھی وابستہ ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کرم فرمایا کہ مفتی صاحب کے علمی اِفادات بروقت طبع ہوکر مقبولِ خاص وعام ہوتے رہے، جن میں مدرسہ شاہی سے شائع ہونے والے مقبول مجلّہ ’’ندائے شاہی‘‘ میں شائع ہونے والے اِداریوں، مضامین، مسائل اور فتاویٰ کے علاوہ مستقل طور پر طبع ہونے والی کتابیں بھی شامل ہیں۔

خاص طور پر فقہی مسائل اور فتاویٰ سے متعلق مفتی صاحب کی دو ضخیم کتابیں ''کتاب المسائل'' اور ''کتاب النوازل''، اہل علم کے لئے خاص تحفہ اور مرجع کی حیثیت سے مقبول ہوئیں۔ ''نخبۃ المسائل'' سے پہلے ۱۴۱۱ھ سے ۱۴۳۶ھ تک دارالافتاء مدرسہ شاہی میں مفتی صاحب کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا مجموعہ ۱۹؍جلدوں میں ''کتاب النوازل'' کے نام سے ۱۴۳۷ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

پھر ۱۴۴۳ھ میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے فیصلے کے نتیجے میں جب مفتی صاحب بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند میں آ گئے اور مدرسہ شاہی کے دارالافتاء سے رسمی تعلق ختم ہو گیا، تو ۱۴۳۷ھ سے ۱۴۴۳ھ تک کے فتاویٰ کو مرتب کر کے شائع کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور الحمد للہ آخری دور کے یہ فتاویٰ دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ۴؍ضخیم جلدوں میں شائع ہونے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔

اِن کتابوں میں ''عقائد واِیمانیات'' سے لے کر ''فرائض ومیراث'' تک اُن تمام فقہی اَبواب سے متعلق مسائل آ گئے ہیں، جن سے متعلق اِس دوران دارالافتاء مدرسہ شاہی میں استفتاءات موصول ہوئے۔

اللہ کا شکر ہے کہ جناب مفتی صاحب کو اُن کے باصلاحیت تلامذہ ومعاونین میسر ہیں، جن میں خاص طور پر صاحب زادۂ عزیزم مفتی محمد ابوبکر صدیق منصورپوری اور مفتی محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری قابل ذکر ہیں؛ جنہوں نے جمع وترتیب اور تحشیہ وتحقیق کے ذریعہ فتاویٰ کے استناد ومرجعیت میں چار چاند لگا دیا، اللہ تعالیٰ اِن عزیزان کے علم وعمل میں برکت سے نوازیں۔ اور جناب مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری کو بھی جزائے خیر عطا فرمائیں اور اُن کے علمی وتحقیقی اِفادات کو اُمت کے لئے نافع اور مفتی صاحب کے لئے صدقۂ جاریہ بنائیں، آمین۔

والسلام

(حضرت مولانا مفتی) ابوالقاسم نعمانی (صاحب)

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۴۴۵/۱۰/۱۸ھ مطابق ۲۰۲۴/۴/۲۸ء

تقریظ:

محترم ومکرم

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی زید کرمہم

مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

حضرت اَقدس مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ کا تازہ ترین علمی ذخیرہ ’’نخبۃ المسائل‘‘ کے نام سے چار جلدوں میں ہماری نظروں سے گذرا ہے۔ اور یہ علمی ذخیرہ موصوف مدظلہ العالی کے فتاویٰ کے مجموعہ ’’کتاب النوازل‘‘ سے ہٹ کر الگ سے تیار ہوا ہے، جو درحقیقت ’’کتاب النوازل‘‘ کا تتمہ ہے۔

’’کتاب النوازل‘‘ کے تیار ہوجانے کے بعد ۱۴۳۷ھ سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے دارالافتاء میں بیٹھ کر جو فتاویٰ لکھے گئے ہیں، اُن میں سے ضروری اور اہم فتاویٰ کو منتخب کر کے یہ مجموعہ معرضِ وجود میں لایا گیا ہے۔

اِس مجموعہ کے اندر زیادہ تر اہم اور نئے مسائل کو لیا گیا ہے اور ہر فتویٰ مدلل ہے، قرآن وسنت اور فقہی دلائل کے ساتھ مزین ہے۔ ہر مسئلہ کو سلیس اُردو اور عام فہم زبان میں مختصر انداز سے واضح کردیا گیا ہے اور اُس کے نیچے عربی عبارات سے مدلل کردیا گیا ہے۔ اور اِس مجموعہ کے اندر ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے فقہی اجتماعات میں دقیق ترین مسائل سے متعلق جو مقالے لکھے گئے ہیں، اُن کو بھی نظر ثانی کے ساتھ مدلل کر کے جمع کردیا گیا ہے، اِس سے اہل علم کو بہت زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

۱۴۳۶ھ تک ''کتاب النوازل'' کے فتاویٰ ۱۹؍جلدوں میں تیار ہوکر معرضِ وجود میں آگئے تھے، اوراب مزید چار جلدیں ''نخبۃ المسائل'' کے نام سے الگ سے شائع ہونے جارہی ہیں؛ لہٰذا مفتی صاحب کے کل فتاویٰ کا مجموعہ ۲۳؍جلدوں میں ہوگیا ہے۔ ناظرین کو اندازہ ہوجائے گا کہ کس قدر ضروری مسائل اِس مجموعہ میں جمع ہوگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے کام میں مزید برکتیں عطا فرمائیں اور مفتی صاحب اور مفتی صاحب کے والدین ماجدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں، آمین۔

والسلام

شبیر احمد قاسمی

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۶؍شوال المکرّم ۱۴۴۵ھ مطابق ۶؍مئی ۱۴۲۴ھ

تقریظ:

برادرِ مکرم حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب زید کرمہم

مہتمم واستاذِ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد'' برصغیر ہندو پاک وبنگلہ دیش کے اَطراف واَکناف میں پھیلے ہوئے دینی اِداروں میں سے ایک نہایت بافیض اور مستند اِدارہ ہے، جس کی بناء سے لے کر آج تک اَساطین اُمت اور علماء ربانیین نے آب یاری کی ہے۔

اِس اِدارے کی ایک سو پینتالیس سالہ طویل تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ ہر دور میں علومِ اسلامیہ تفسیر وحدیث اور فقہ واِفتاء میں مکمل دست رس رکھنے والے حضرات علماء کرام ومفتیانِ عظام نے اِس کی مسند تدریس کو رونق بخشی اور علم وعمل کے میدان میں امتیازی شان کے ساتھ قابل قدر خدمات انجام دیں۔

یہ بھی ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ ''دارالعلوم دیوبند'' اور ''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی'' دونوں عالمی اِداروں کی سوچ، فکر اور نظریات میں ابتداء ہی سے ایسی موافقت اور یگانگت رہی ہے جو عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتی ہے۔ یقیناً یہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی فیضان ہے جس نے دونوں اِداروں کو ''**حذو النعل بالنعل**'' کا مصداق بنادیا ہے۔

اعتماد واعتبار اور قربت وتعلق کی یہ فضا اچانک وجود میں نہیں آئی ہے؛ بلکہ اُس کا آغاز تاسیس جامعہ سے ہی ہوگیا تھا، جب حضرت نانوتویؒ نے اپنے صاحب زادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمہ اللہ کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدرسہ شاہی مرادآباد بھیجا، جہاں اُنہوں نے محدث کبیر حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہویؒ سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

پھر ربط واعتماد کا یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا؛ چناں چہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے لے کر حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ تک

متعدد اَصحابِ علم وفضل بوقت ضرورت یہاں سے دارالعلوم دیوبند منتقل ہوتے رہے اور مدرسہ شاہی میں دورانِ قیام حاصل کرنے والے علمی تجربات اور فقہی بصیرت کی کرنیں دارالعلوم کی فضاؤں میں بکھیرتے رہے، فالحمد للہ علی ذلک۔

زیرنظر کتاب ''نخبۃ المسائل'' بھی درحقیقت حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری اُستاذ دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کا وہ مجموعہ ہے، جو موصوف نے مدرسہ شاہی کے زمانۂ قیام میں تحریر کئے تھے، اِس سے قبل ''کتاب النوازل'' کے نام سے ۱۹؍جلدوں میں دارالافتاء مدرسہ شاہی سے جاری ہونے والے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے فتاویٰ شائع ہوچکے ہیں، جو اَصحابِ فتویٰ وطلبہ افتاء دونوں طبقوں میں یکساں مقبول ہیں۔ رجسٹروں میں درج مابقیہ فتاویٰ کو بھی مفتی صاحب مدظلہ نے اپنے ذوقِ علمی کے مطابق نہایت مرتب ومدلل انداز میں آسان زبان میں اِشاعت کے لئے تیار فرمادیا ہے، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

''نخبۃ المسائل'' نامی یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے، جن میں سے پہلی جلد میں ''اِیمان وصلوٰۃ'' سے متعلق مسائل جمع کئے گئے ہیں، دوسری جلد میں ''جنائز تا طلاق'' تیسری جلد میں ''بیوع وغیرہ'' سے متعلق احکام شرعیہ کو درج کیا گیا ہے؛ جب کہ چوتھی اور آخری جلد میں ''وقف تا میراث'' کے مسائل تحریر کئے گئے ہیں۔ ماشاء اللہ کتاب نہایت نافع اور مفید مواد پر مشتمل ہے، روزمرہ پیش آنے والے مسائل کا شرعی حل قرآن وحدیث کی روشنی میں نہایت آسان انداز میں پیش کرنے کا فن حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو خوب آتا ہے۔

اللہ رب العزت موصوف کے علم وعمل میں برکت عطاء فرمائیں، آپ کے فیض کو مزید جاری وساری فرمائیں اور آپ کی اِس علمی کاوش کو بھی صدقہ جاریہ کے طور پر قبول فرمائیں، آمین۔ وصلی اللہ علی النبی الکریم۔

(مولانا) سید اشہد رشیدی (صاحب)
مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۴۴۵/۱۱/۳ھ

عقائد ونظریات

ایمان میں کمی زیادتی کا مطلب

سوال (۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کہا جاتا ہے کہ ایمان گھٹتا بھی اور بڑھتا بھی ہے، یہ کیسے معلوم ہوگا؟ نیز جب ایمان کم ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جاننا چاہئے کہ اِیمان میں کمی زیادتی کا مطلب اِیمانیات میں کمی یا زیادتی نہیں ہے؛ بلکہ اس سے ایمان کی کیفیت میں اضافہ یا کمی مراد ہے، یعنی جب ایمان کی کیفیت میں اِضافہ ہوتا ہے، تو طاعات کی طرف رغبت ہوتی ہے اور ایک خاص قسم کی بشاشت محسوس ہوتی ہے۔ اِس کے برخلاف جب کیفیت میں انحطاط آتا ہے تو دل میں انقباض کی کیفیت ہوتی ہے، اگر ایسی کیفیت ہو تو کثرت سے توبہ اور استغفار کرنا چاہئے اور قرآنِ کریم کی تلاوت اُس کے لئے بے حد مفید ہے؛ کیوں کہ قرآنِ کریم میں خود مذکور ہے کہ تلاوتِ قرآن سے ایمان والوں کے اِیمان میں اِضافہ ہوتا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ [الأنفال: ۲]

المراد في الآيات زيادة ثمراته أي ثمرة الإيمان من رقة القلب وصفائه والقرب إلى الحق سبحانه وإشراق نوره ...... وضيائه في القلب؛ فإنه ما ذكر من الثمرة والنور يزيد بالأعمال أي الصالحة وينقص بالمعاصي. (النبراس شرح

شرح العقائد النسفية / الإقرار باللسان ص: ٥٤٨ مكتبة ياسين إسطنبول تركيا)

التصديق لا يزيد ولا ينقص وأن الإيمان الشرعي يزيد وينقص بزيادة ثمراته التي هي الأعمال ونقصانها. (حاشية صحيح البخاري ٦/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تمام مذاہب کے یکساں ہونے کا نظریہ رکھنا

سوال (۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) عبداللہ طارق ایک تنظیم جس کا نام ''ورلڈ آرگنائزیشن آف ریلیجن اینڈ نالج''، شمس نوید ہال بازار نصر اللہ رام پور اتر پردیش ۲۴۴۹۰۱ سے چلاتے ہیں، یہ تنظیم ۲۵/ اگست ۱۹۸۷ء سے مولانا آچاریہ شمس نوید عثمانی (مرحوم) کی اجازت سے چلائی جارہی ہے، اور اِس کو (Work) کا نام دیا گیا ہے، یہ تنظیم ۲۰۰۴ء میں ایک ٹرسٹ کی طرح رجسٹرڈ کرائی گئی ہے، اور ۲۰۱۶ء میں ساؤتھ کوریا کی تنظیم جس کا نام (Heave enly culture world peace restoration of light) HWPL کے ساتھ اِن کا الحاق (Ccallaboration) کیا ہوا ہے، اس تنظیم کے چیئرمین Man Hee Lee جو ایک عیسائی ہیں، اُنہوں نے لکھنؤ میں ۲۰۱۴ء کے پروگرام میں حصہ لیا اور اس کانفرنس میں تمام مذاہب کے مذہبی پیشوا جس میں بدھ، ہندو، کیتھولک چرچ، اسلام، جین اور بہائی کو اکٹھا کیا گیا، جس میں سب نے اتفاق رائے سے یہ طے کیا کہ سارے مذاہب ایک ہیں۔

جناب عبداللہ بھی اپنی ویڈیو میں اسی طرح کا دعویٰ کرتے ہیں کہ سارے مذاہب ایک ہیں اور قرآن کی آیت سے وہ کہتے ہیں کہ دین قیم اصل میں سناتن دھرم ہے۔

کیا یہ علامہ عبداللہ طارق کا عقیدہ قرآن وحدیث کی روشنی میں درست ہے؟

جواب سے جلد از جلد نوازیں؛ کیوں کہ اُن کے کارکن امن وشانتی کے نام پر لوگوں کو

اپنے اس عقیدہ کی طرف مائل کر رہے ہیں، اور قرآن کریم اور احادیث کے تراجم کو اپنی رائے سے لوگوں کو سمجھا رہے ہیں، بات کرنے سے اندازہ ہوا کہ وہ احادیث میں کمیاں ڈھونڈتے ہیں اور اُن کا انکار کرتے ہیں، علماء حضرات کا بھی کم وبیش انکار کرتے ہیں، اُن کے عقیدے زیادہ تر بہائی فرقوں کے عقیدوں سے ملتے ہیں، جو کہ ایران کا ایک نیا مذہب اور باطل فرقہ ہے، جو بہت تیزی سے عرب ممالک میں پھیل رہا ہے۔

آپ کی رہنمائی کی انتہائی اشد ضرورت ہے، عین نوازش ہوگی؛ کیوں کہ یہ معاملہ انتہائی اہم اور سنگین ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:- دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جس پیغمبر علیہ السلام کو جو دین عطا کیا گیا وہی اُن کے دور میں قابل عمل اور ذریعۂ نجات تھا؛ لیکن جب خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ کے توسط سے قیامت تک آنے والے انسانوں اور جنات کی ہدایت کے لئے قرآن مقدس اور شریعتِ محمدیہ یعنی زندگی گذارنے کا طریقہ عطا کیا گیا، وہی دین اسلام، مذہب برحق اور دین قیم کا مصداق ہے، اور اب صرف وہی ذریعۂ نجات ہے، اس دین محمدی کے علاوہ کوئی اور دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں ہے؛ جیسا کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اِس کا صاف اعلان فرمایا دیا کہ: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [آل عمران: ۸۵] (یعنی جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ میں رہے گا) قرآنِ کریم میں جابجا اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع داری کی تاکید کی گئی ہے، اور اسی پر آخرت میں فوز وفلاح کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس مضمون کی دسیوں آیتیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں، اور احادیثِ صحیحہ مشہورہ میں بھی یہی بات کھول کھول کر بیان کی گئی ہے۔

ان سب حقائق کے باوجود کسی شخص کا یہ دعویٰ کرنا کہ سارے مذاہب ایک ہی ہیں، یا نعوذ باللہ ''دینِ قیّم'' سے مراد ''سناتن دھرم'' ہے یہ سراسر جہالت یا شرارت ہے، اس نظریہ کا اسلام سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے، اور جو لوگ بھی ایسا فاسد عقیدہ رکھتے ہیں، ان کا بھی اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

علاوہ ازیں قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ کی من مانی تفسیر وتشریح بھی کسی کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے، عام مسلمانوں کو ایسے فتنہ پرور لوگوں سے دور رہنا اور اُن کی حرکتوں پر نکیر کرنا لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُبِيْنٍ﴾ [آل عمران: ١٦٤]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآئَنَا اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ [المائدة: ١٠٤]

وقال تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ [النساء: ٥٩]

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ٧]

وقال تعالیٰ: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾ [آل عمران: ٣١]

وقال تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ [النساء: ١٣]

وقال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب: ٣٦]

وقال تعالیٰ: ﴿قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ٦٤]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: والذي نفس محمد بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني، ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب وجوب الإيمان برسالة نبينا الخ ٨٦/١ رقم: ١٥٣ المكتبة الأشرفية ديوبند، المسند للإمام أحمد ٥٢٢/١٣ رقم: ٨٢٠٣ مؤسسة الرسالة، السنن الكبرىٰ للنسائي ١٢٧/١٠ رقم: ١١١٧٧)

عن ابن سلام رحمه اللّٰه تعالیٰ في من يقول: لا أعلم أن اليهود والنصارىٰ إذا بعثوا هل يعذبون بالنار، أفتى جميع مشائخنا ومشائخ بلخ بأنه يكفر، كذا في العتابية. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب السير / مطلب في موجبات الكفر أنواع الخ ٢٧٤/٢ زكريا قديم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۴/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخلہ کیسے ہوگا؟

سوال (۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا کہ اُس کے دل میں آخرت کی فکر ڈال دی جس کی وجہ سے زید کافی پریشان ہے، پرانے کرتوت ایک ایک کر کے یاد آرہے ہیں، جس کا حق معلوم

ہے، اُسے اَدا کررہا ہے اور معافی بھی طلب کرتا ہے، جن تک رسائی نہیں اُن کی طرف سے صدقہ خیرات کررہا ہے، بہت سے ایسے ہوں گے جن کو زبان یا عمل سے ایذا پہنچتی ہو، اِس کے علاوہ اور کوئی صورت ہو تو بیان کریں؛ تاکہ آخرت میں نجات مل جائے، کوئی ایسا نسخہ ہے کہ بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخلہ ہوجائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ہدایت کے بعد دل میں فکرِ آخرت کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے، آپ کو چاہئے کہ اپنے اوپر جتنے بھی اللہ اور بندوں کے حقوق ہیں، انہیں حتی الامکان اَدا کرنے کی کوشش فرمائیں اور جن کے بارے میں متعین طور پر علم نہ ہوسکے، اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا کرتے رہیں کہ اُنہیں اللہ تعالیٰ اپنی شانِ عالی کے مطابق جزاء عطا فرماکر آپ کو اُن کے حقوق کے بوجھ سے آزاد فرمادیں، پس اگر آپ صحیح عقائد کے ساتھ زندگی بھر اچھے اعمال کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھیں گے، تو اُس کی رحمت سے قوی اُمید ہے کہ بلا حساب وکتاب جنت میں داخلہ کی سعادت حاصل ہوجائے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حدثنا ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم – في حديث طويل –: ويدخل الجنة من هؤلاء سبعون ألفا بغير حساب ثم دخل ولم يبين لهم فأفاض القوم وقالوا نحن الذين آمنا باللّٰه واتبعنا رسوله فنحن هم أو أولادنا الذين ولدوا في الإسلام فإنا ولدنا في الجاهلية فبلغ النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فخرج، فقال هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون ولا يكتوون وعلى ربهم يتوكلون، فقال عكاشة بن محصن: أمنهم أنا يا رسول اللّٰه! قال: نعم! فقام أخر فقال أمنهم أنا، قال: سبقك بها عكاشة. (صحيح البخاري، كتاب الطب / باب من اكتوى أو كوى غيره الخ ۸۵۰/۲ رقم: ۵۷۰۵ مكتبه البدر ديوبند)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: إن اللّٰه تعالىٰ يقول: أنا عند ظن عبدي بي وأنا معه إذا دعاني. (سنن الترمذي، أبواب الزهد / باب ما جاء في حسن الظن باللّٰه تعالىٰ ٦٤/٢ رقم: ٢٣٨٨ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ساری زندگی عقل سے معذور رہنے والے کا حشر کیسا ہوگا؟

سوال (۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی کی پیدائش ہندو گھرانے میں ہوئی، مگر وہ پیدائشی طور پر عقل سے معذور اور پاگل تھا، کبھی اُس کو ہوش وحواس میں نہیں دیکھا گیا۔ ۴۰؍ سال کی عمر میں اُس کا انتقال ہوا، تو ایسے شخص کا آخرت میں کیا حشر ہوگا؟ اِس بارے میں قرآن وسنت میں کوئی صراحت ہو تو اُس سے آگاہ کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ معذور شخص کے انجام کے بارے میں اصل علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے؛ تاہم اُس کے عقل وخرد سے محروم ہونے کی بناء پر رحمت خداوندی سے اُمید یہی ہے کہ اسے عذاب نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ اسی بناء پر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے ایک فتویٰ میں ایسے شخص کو جنتی قرار دیا ہے۔ (دیکھئے: کفایت المفتی ۲۸/۱ قدیم)

اور بعض روایات میں یہ صراحت ملتی ہے کہ ایسے لوگوں کا آخرت میں ایک امتحان ہوگا جو اُس میں کامیاب ہوجائے گا اُسے جنت نصیب ہوگی۔ والعلم عند اللہ۔

عن أبي سعيد رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أحسبه قال يؤتىٰ بالهالک في الفترة والمعتوه والمولود، فيقول الهالک في الفترة: لم

یـأتـنـي كتـاب ولا رسـولٌ ويقول المعتوه: أي رب! لم تجعل لي عقلا أعقل به خيـرًا ولا شـرًا، ويقول المولود: لم أدرك العمل، قال: فترفع لهم نار، فيقال لهم: ردوها، أو قال: ادخلوها، فيدخلها من كان في علم اللّٰه سعيدًا أو أدرك الـعـمل، قال: ويمسك عنها من كان في علم اللّٰه شقيًا أي لو أدرك العمل، فيـقـول تبـارك وتعالىٰ: إياي عصيتم، فكيف برسلي بالغيب. ...... السادس: أنهـم فـي الـجـنة، قال النووي: هو المذهب الصحيح المختار الذي صار إليه الـمـحـقـقـون لقوله تعالىٰ: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ وإذا كان لا يـعذب العاقل لكونه لم تبلغه الدعوة؛ فلأن لا يعذب غير العاقل من باب الأولى.

(عمدة الـقـاري، كتـاب الـجـنـائز / باب ما قيل في أولاد المشركين ٢١٣/٨ تحت رقم: ٤٨٣٠ دار إحيـاء التـراث العربي بيروت، شرح النووي على مسلم، كتاب القدر / باب معنى كل مولود يولد على الفطرة ٢٠٨/١٦ تحت رقم: ٢٦٥٩ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۵/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا برزخ میں مرحومین کی ملاقات اور بات چیت ہوتی ہے؟

سوال (۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خاندان کے کئی لوگ اس دنیا سے کوچ کر کے برزخ میں پہنچ گئے ہوں تو برزخ میں ملاقات اور گفت وشنید ہوئی ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوئی ہوگی تو ایک دوسرے کو کیسے پہچانتے ہوں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برزخ کا حقیقی حال تو اِن شاء اللہ برزخ میں جا کر ہی معلوم ہوگا؛ تاہم بعض ضعیف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عالم برزخ میں ایک دوسرے کی پہچان بھی ہوتی ہے، اور گفتگو بھی ہوتی ہے، چند روایات درج ذیل ہیں:

عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن نفس المؤمن إذا قبضت تلقاها من أهل الرحمة من عباد الله كما تلقون البشير في الدنيا، فيقولون: انظروا صاحبكم يستريح، فإنه قد كان في كرب شديد ثم يسألونه: ماذا فعل فلان؟ وما فعلت فلانة؟ هل تزوجت؟ فإذا سألوه عن الرجل قد مات قبله فيقول: أيهات، قد مات ذاك قبلي فيقولون إنا لله وإنا إليه راجعون، ذهبت به إلى أمه الهاوية فبئست الأم، وبئست المربية، وإن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم من أهل الآخرة، فإن كان خيرًا فرحوا واستبشروا، وقالوا: اللّهم هذا فضلك ورحمتك فأتمم نعمتك عليه، وأمته عليها ويعرض عليهم عمل المسيء فيقولون: اللّهم ألهمه عملا صالحًا ترضى به عنه وتقربه إليك. (المعجم الكبير للطبراني ١٢٩/٤ رقم: ٣٨٨٧ دار إحياء التراث العربي بيروت، قال الهيثمي في مجمع الزوائد ٣٢٧/٢ رقم: ٣٩٣١ مكتبة القدسي، رواه الطبراني في الكبير والأوسط، وفيه: مسلمة بن علي وهو ضعيف)

وأخرج ابن أبي الدنيا عن سعيد بن جبير رحمه الله قال: إذا مات الميت استقبله ولده كما يستقبل الغائب.

وأخرج عن ثابت البناني قال: بلغنا أن الميت إذا مات احتوشه أهله وأقاربه الذين قد تقدموه من الموتى، فَلَهُوَ أفرح بهم ولهم أفرح به من المسافر إذا قدم إلى أهله.

وأخرج ابن ماجة عن محمد بن المنكدر قال: دخلت على جابر بن عبد الله وهو يموت فقلت: اقرأ على رسول الله صلى الله عليه وسلم مني السلام.

وأخرج أحمد والحكيم الترمذي في نوادر الأصول عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن روحي

الـمؤمنين ليلتقيان على مسيرة يوم، وما رأى أحدهما صاحبه قط. (شرح الصدور بشـرح حـال الـموتى والقبور / باب ملاقاة الأرواح إذا خرجت روحه واجتماعهم به وسؤالهم له ص: ۹۰-۹۱ دار المدني للطباعة والنشر، ص: ۹۷ دار المعرفة بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردے قبر میں سنتے ہیں یا نہیں؟

سوال (۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردے قبر میں سنتے ہیں یا نہیں؟ اگر سنتے ہیں تو اس کی حد کیا ہے؟ یعنی صرف قبر پر یا دور سے بھی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- موت کے بعد کوئی آدمی مردے کو اپنی مرضی سے کوئی بات سنا نہیں سکتا، قرآنِ کریم میں صراحۃً اِس کی نفی کی گئی ہے؛ البتہ مردے کا اللہ تعالیٰ کی مرضی سے زندوں کی باتیں سن لینا متعدد احادیث سے ثابت ہے اور ظاہر یہی ہے کہ مردہ صرف قبر کے قریب کی باتوں کو سنتا ہے، دور کی باتوں کو نہیں۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ﴾ [النمل: ۸۰]

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَمَا يَسۡتَوِى الۡاَحۡيَآءُ وَلَا الۡاَمۡوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسۡمِعُ مَنۡ يَّشَآءُ وَمَا اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ﴾ [الفاطر: ۲۲]

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: إذا مر الرجل بقبر يعرفه، فسلم عليه رد عليه السلام وعرفه، وإذا مر بقبر لا يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام.

(شعب الإيمان للبيهقي، باب في الصلاة على من مات من أهل القبلة / فصل في زيارة القبور ۱۷/۷ رقم: ۹۲۹۶ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أنس رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: العبد إذا وضع في قبره وتولى وذهب أصحابه حتى أنه ليسمع قرع نعالهم الخ. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز / الميت يسمع خفق النعال رقم: ١٣٣٨)

لأن الميت لا يسمع بنفسه. (شرح الفقه الأكبر / مسئلة: في أن الدعاء للميت ينفع خلافًا للمعتزلة ص: ٢٢٥ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۷/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردے قبر میں دیکھتے ہیں یا نہیں؟

سوال (۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردے قبر میں دیکھتے ہیں یا نہیں؟ اگر دیکھتے تو صرف اِردگرد کے لوگوں کو یا پھر گھر کے اَفراد کو بھی دیکھتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - قبر میں میت کے دیکھنے سے متعلق کوئی بات ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۷/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِسلامی حکومت میں گستاخِ رسول کی سزا

سوال (۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِسلامی حکومت میں اگر کوئی غیر مسلم شخص پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کرے تو وہ واجب القتل ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اِسلامی حکومت میں رہنے والا غیر مسلم شہری اگر

نعوذ باللہ بارگاہِ نبوت میں گستاخی کا ارتکاب کرے تو حاکم اُس کو سخت سے سخت سزا دے گا؛ حتیٰ کہ اسے قتل کا بھی حکم دے سکتا ہے؛ تاہم فقہ حنفی کی صراحت کے مطابق ایسے غیر مسلم شخص کا قتل لازم نہیں؛ بلکہ حاکم کی صواب دید پر موقوف ہے؛ البتہ اگر کوئی مسلمان شخص گستاخی کا ارتکاب کرے تو وہ مرتد ہونے کی وجہ سے حسبِ ضابطہ واجب القتل ہوگا۔

وحكي عن أبي حنيفة رحمه الله قال: لا يقتل الذمّي بشتم النبي صلى الله عليه وسلم لأن ما هم عليه في الشرك أعظم. قال القاضي عياض: أما الذمّي إذا صرّح بسب أو عرض أو استخف بقدره أو وصفه بغير الوجه الذي كفر به فلا خلاف عندنا في قتله إن لم يسلم؛ لأنا لم نعطه الذمّة والعهد على هذا وهو قول عامة العلماء، إلا أبا حنيفة والثوري وأتباعهما من أهل الكوفة؛ فإنهم قالوا: لا يقتل؛ لأن ما هو عليه من الشرك أعظم ولكن يؤدّب ويعزر.

(رسائل ابن عابدين / تنبيه الولاة والحكام على أحكام شاتم خير الأنام ۳۵۲/۱ سهيل اکیڈمی لاهور)

بأن حكمه حكم المرتدين ويفعل به ما يفعل بهم، وحينئذ فيجري فيه ما ذكره أصحاب المتون. قال في الكنز: يعرض الإسلام على المرتد وتكشف شبهته ويحبس ثلاثة أيام فإن أسلم وإلا قتل. (رسائل ابن عابدين / تنبيه الولاة والحكام على أحكام شاتم خير الأنام ۳۲۲/۱ سهيل اکیڈمی لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

حضورؐ کے علم غیب سے متعلق اکابر کی بعض عبارات کا مطلب

سوال (۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

(۱) پس ثابت ہوا کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے کیوں نہ ہو "وهو على كل شيء قدير"۔

دوسرا شخص یہ لکھتا ہے کہ:

(۲) شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔

تیسرا شخص یہ لکھتا ہے کہ:

(۳) یقین مانو ہر شخص خواہ وہ بڑے سے بڑا انسان ہو یا مقرب ترین فرشتہ اس کی حیثیت شانِ الوہیت کے مقابلہ ایک چمار کی حیثیت سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

ایک مقام پر اور یہی شخص لکھتا ہے:

(۴) یعنی اللہ پاک بندوں سے دنیا میں یا قبر میں یا آخرت میں جو معاملہ کرے گا اس کا حال کسی کو بھی نہیں معلوم، نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال معلوم نہ دوسروں کا حال معلوم۔

ایک اور مقام پر اپنی دوسری کتاب میں لکھا ہے:

(۵) نماز میں شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں؛ اپنی ہمت کو لگا دینا، اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے برا ہے۔

اَب سوال یہ ہے کہ اِن حضرات کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں، اگر اِن لوگوں نے صحیح لکھا ہے تو قرآن وحدیث سے ثابت کریں اور اگر غلط لکھا ہے تو شریعت کا حکم بیان فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- آپ نے سوال نامے میں جو اقتباسات تحریر فرمائے ہیں، یہ اکابر علماء اہل سنت والجماعت کی کتابوں سے ماخوذ ہیں؛ لیکن انہیں سیاق وسباق سے الگ کر کے لکھا گیا ہے، جس کی بنا پر ایک ناواقف شخص انہیں پڑھ کر غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ اِن اقتباسات کو آگے پیچھے کے مضمون کو ملا کر پڑھا جائے اور صاحب مضمون جو کہنا چاہتے ہیں اُن کی مراد کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے اصل مراد سمجھے

بغیر کسی سے بدگمانی قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

اِس بارے میں مزید تفصیل حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی مرتبہ کتاب ''عباراتِ اکابر'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، یہ کتاب دیوبند کے کتب خانوں میں دستیاب ہے، وہاں سے حاصل کرلی جائے، اِس کے علاوہ بھی متعدد کتابیں اور رسائل اس موضوع پر لکھے گئے ہیں اُن کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۲/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

علماءِ دیوبند پر حضرات اہل بیت سے عقیدت ومحبت نہ رکھنے کا الزام

سوال (۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا علماء دیوبند واقعۃً حضرات اہل بیت سے عقیدت ومحبت نہیں رکھتے؟ اس بارے میں صحیح موقف ونظریہ کیا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو جو شخص اُن پر یہ الزام عائد کرے، اُس الزام لگانے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ وہ مسلمان ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اہل بیت سے محبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دلیل ہے اور تمام ہی اہل بیت خانوادۂ نبوت سے انتساب کی شرافت کی بنیاد پر قابل اکرام واحترام ہیں، پھر اُن میں جو شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے اُن کا درجہ مزید بڑھا ہوا ہے، کسی بھی اہل بیت کی تحقیر وتنقیص یا اُن کی بے توقیری ہرگز درست نہیں۔ حضرات علماء دیوبند کا موقف یہی ہے کہ اہل بیت سے سچی محبت کی جائے اور اِس کے ساتھ ساتھ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعظیم کی جائے اور کسی کی بھی تنقیص روا نہ رکھی جائے۔ اَب اگر کوئی شخص اِن علماء پر حضرات اہل بیت سے محبت نہ رکھنے کا الزام عائد کرے تو وہ بلاشبہ اُن پر بہتان تراشی کرنے والا ہے اور مؤمنین پر تہمت لگانے کی وجہ سے ایسا شخص سخت گنہگار اور فاسق ہے۔

عـن ابـن عبـاس رضـي اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تـعالیٰ علیه وسلم: أحبوا اللّٰه لما يغذوكم من نعمه وأحبوني بحب اللّٰه وأحبوا أهل بيتي بحبي. (سـنـن التـرمـذي، أبواب المناقب عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم / مناقب أهل البيت ۲۱۹/۲ رقم: ۳۷۹٦)

عن أسامة بن زيد رضي اللّٰه عنه قال: طَرقتُ النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ذات لیـلة بـعـض الـحاجة فخرج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ...... فقال: هذان ابـنـاي وابـنـا ابنتي اللّٰهم إني أحبهما فأحبهما وأَحبَّ من يحبهما. هذا حديث حسن غريب. (سـنـن التـرمـذي، أبواب المناقب / باب مناقب أبي محمد الحسن والحسين الخ ۲۱۷/۲ رقم: ۳۷۷٦)

عـن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: كان بين خالد بن الوليد وبين عبد الرحمن بن عوف شيء، فسبه خالد، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تسبـوا أحـدًا مـن أصـحابي فإن أحدكم لو أنفق مثل أحدٍ ذهبًا ما أدرك مد أحـدهم ولا نصيفه. (صـحيـح مسـلـم، كتـاب فـضـائـل الصحابة / باب تحريم سب الصحابة ۳۱۰/۲ رقم: ۲٥٤۱)

عـن أبي ذر رضي اللّٰه عنه أنه سمع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: لا يرمي رجل رجلا بالفسوق ولا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك. (صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب ما ينهى من السباب واللعن ۸۹۳/۲ رقم: ٦۰٤٥)

ويـكف عـن ذكر الصحابة رضي اللّٰه عنهم إلا بخير لما ورد من الأحاديث الـصـحيـحة في مناقبهم ووجب الكف عن الطعن فيهم لقوله عليه السلام: لا تسبوا أصـحـابـي الـخ، ولـقـولـه عـليه السلام: أكرموا أصحابي فإنهم خياركم الخ، ولـقوله عليه السلام: اللّٰه اللّٰه في أصحابي لا تتخذوهم غرضًا من بعدي. (شرح

العقائد النسفية ص: ١٦١ مكتبة بلال ديوبند، النبراس شرح شرح العقائد النسفية / المسائل المتفرقة: الكف عن ذكر الصحابة إلا بخير ص: ٧٠٢-٧٠٤ مكتبة ياسين إسطنبول تركيا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شیعہ اور اُن کے عقائد

سوال (۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) شیعہ اور سنی مسلک میں کن باتوں پر اختلاف پایا جاتا ہے؟

(۲) اور اسلام میں شیعہ مسلک کی حیثیت واضح فرمائیں؟

(۳) کیا شیعہ حضرات اسلام کے دائرے میں آتے ہیں؟

(۴) کیا شیعہ اور سنی حضرات آپس میں شادی کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو اس کی وجہ اور جائز ہے تو کیوں؟

(۵) سنی حضرات کن فرقوں میں نکاح کر سکتے ہیں اور کن قوموں کے ساتھ مسلمانوں کا نکاح جائز ہے؟

(۶) شیعہ اور سنیوں کے درمیان اگر نکاح ہو یا کوئی ایسی تقریب ہو تو اس میں شرکت جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:- ''شیعہ'' سنیوں سے الگ ایک مستقل فرقہ ہے، جس کے عقائد واعمال میں سنیوں سے کافی فرق پایا جاتا ہے، اس موضوع پر بہت سی کتابیں شائع شدہ ہیں، تفصیلات جاننے کے لئے ان کا مطالعہ کرنا چاہئے، پھر شیعوں میں بھی بہت سے فرقے ہیں اور بعض فرقوں کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں؛ چناں چہ فقہاء نے لکھا ہے کہ شیعوں میں سے جو لوگ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کریں یا خلیفہ اول

سیدنا صدیق ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے منکر ہوں وہ اسلام سے خارج ہیں؛ بریں بنا جو فرقۂ شیعہ ایسے کفریہ عقائد رکھتا ہو اس کے ساتھ رشتہ ناطہ اور مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا درست نہ ہوگا، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی رشتہ داری صحیح العقیدہ لوگوں کے ساتھ ہی کیا کریں۔

لا شک في تکفیر من قذف السیدة عائشة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنها أو أنکر صحبة الصدیق الخ. (رد المحتار، کتاب الجهاد / باب المرتد ۳۷۸/۶ زکریا)

لا یجوز نکاح المجوسیات ولا الوثنیات ...... ویدخل في عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التي استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنیة والإباحیة وکل مذهب یکفر به معتقده کذا في فتح القدیر. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح / القسم السابع المحرمات بالشرك ۲۸۱/۱ زکریا قدیم)

شیعہ اور سنی فرق کے لئے دیکھئے: ''تحفۂ اثنا عشریہ'' مؤلفہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ''اختلاف اُمت اور صراطِ مستقیم'' مؤلفہ: حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ وغیرہ۔ (فتاویٰ قاسمیہ ۲۹۸/۲-۲۹۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۴/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پنج تن کا عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال (۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پنج تن کا عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ایسا عقیدہ نہ رکھے تو اُس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- روافض (شیعہ اثنا عشریہ) پنج تن پاک سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی ذات مراد لیتے ہیں اور اِن مقدس حضرات کے بارے میں گمراہ کن عقائد رکھتے ہیں، مثلاً یہ کہ مشکل اور پریشانی کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر اہل بیت کا نام لے کر مدد کے لئے پکارنا اور اُن کو مشکل کشا سمجھنا وغیرہ، اور محبتِ اہل بیت کی آڑ میں دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بے تعلقی ظاہر کرنا وغیرہ۔ تو اِن وجوہات کی وجہ سے پنج تن پاک کا عقیدہ سراسر گمراہ کن اور کھلی ہوئی ضلالت ہے اور روافض کا اہم شعار ہے، کسی مؤمن کے لئے ایسا عقیدہ رکھنے کی ہرگز اجازت نہیں۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: كان بين خالد بن الوليد وبين عبد الرحمن بن عوف شيء، فسبه خالد، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم: لا تسبوا أحدًا من أصحابي فإن أحدكم لو أنفق مثل أحدٍ ذهبًا ما أدرك مد أحدهم ولا نصيفه. (صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة / باب تحريم سب الصحابة ۲/۳۱۰ رقم: ۲۵۴۱)

ويكف عن ذكر الصحابة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنهم إلا بخير لما ورد من الأحاديث الصحيحة في مناقبهم ووجب الكف عن الطعن فيهم لقوله عليه السلام: لا تسبوا أصحابي الخ، ولقوله عليه السلام: أكرموا أصحابي فإنهم خياركم الخ، ولقوله عليه السلام: اللّٰہ اللّٰہ في أصحابي لا تتخذوهم غرضًا من بعدي. (شرح العقائد النسفية ص: ۱۶۱ مكتبة بلال ديوبند، النبراس شرح شرح العقائد النسفية / المسائل المتفرقة: الكف عن ذكر الصحابة إلا بخير ص: ۷۰۲-۷۰۴ مكتبة ياسين إسطنبول تركيا)

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم: من سب أصحابي لعنه اللّٰہ والملائكة والناس أجمعون. روه الطبراني، وفيه عبد اللّٰہ بن خراش وهو ضعيف، قلت: وقد تقدم في فضل الصحابة بعض هذا في خمس أحاديث. (مجمع الزوائد، كتاب المناقب / باب ما جاء في حق الصحابة والزجر عن سبهم ۱۰/۲۱ دار الكتاب العربي بيروت)

وعن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: كنت مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وعنده علي فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: يا علي سيكون في أمتي قوم ينتحلون حب أهل البيت لهم نبز يسمون الرافضة قاتلوهم فإنهم مشركون.

رواه الطبراني وإسناده حسن. (مجمع الزوائد، كتاب المناقب / باب ما جاء في أويس ۱۰/۲۲ رقم: ۱٦٤۳٤ دار الكتاب العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مقلدین مسلمان ہیں یا کافر؟

سوال (۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اہل حدیث یعنی غیر مقلد مسلمان ہیں یا کافر ہیں؟

(۲) کیا اہل حدیث یعنی غیر مقلد اللہ کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام ائمہ مجتہدین کو مانتے ہیں یا نہیں؟

(۳) کیا اہل حدیث یعنی غیر مقلد راہ اعتدال پر ہیں یا راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں؟

(۴) اہل حدیث یعنی غیر مقلد کو مسجد عیدگاہ میں نماز پڑھنے سے قبرستان میں مردوں کو دفن کرنے اور گاؤں سے بائیکاٹ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اِن تمام سوالوں کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل مع حوالہ کے واضح فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- غیر مقلد حضرات کافر نہیں ہیں وہ قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں؛ البتہ کسی متعین اِمام کی تقلید نہیں کرتے ہیں، اِسی لئے اُنہیں غیر مقلد کہا جاتا ہے، اور بہت سے مسائل میں بے جا تشدد سے کام لیتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ صحابہ کرام اور ائمہ عظام کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ اسی

بنا پر وہ اُمت کی معتدل راہ سے الگ ہیں اور گمراہی کے راستہ پر چلنے والے ہیں؛ تاہم انہیں مساجد اور عیدگاہوں میں نماز پڑھنے اور قبرستان میں مدفون ہونے سے نہیں روکا جائے گا؛ کیوں کہ وہ بہرحال مسلمان ہیں، انہیں حسنِ تدبیر، حکمتِ عملی اور خیر خواہی کے ساتھ جمہورِ اُمت کے موقف سے قریب کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا وأکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذي له ذمة اللّٰہ وذمة رسوله، فلا تخفروا اللّٰہ في ذمته. (صحیح البخاري، کتاب الصلاة / باب فضل استقبال القبلة رقم: ۳۹۱)

اعلم أن في الأخذ لهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظیمة وفي الإعراض عنها مفسدة کبیرة. (عقد الجید ص: ۱۳ المکتبة السلفیة القاهرة)

وفي شرح جمع الجوامع للمحلي: والأصح أنه یجب علی العامي وغیره الذي لم یبلغ رتبة الاجتهاد التزام مذهب معین من مذاهب المجتهدین. (خلاصة التحقیق في بیان حکم التقلید والتلفیق ص: ۷ مکتبة الحقیقة إستنبول) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱۲/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

غیر مقلدیت سے متأثر لوگوں سے کیسے بچا جائے؟

سوال (۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں کے دو باشندوں نے اَز اول تا آخر ہمارے درسِ نظامی سے تعلیم حاصل کی ہے؛ لیکن فراغت کے بعد یہ دونوں حضرات فرقہ اہل حدیث غیر مقلدیت سے منسلک ہوگئے، تو گاؤں کے علماء کرام ودیگر شرفاء قریہ نے اُن کو حتی الامکان سمجھانے کی کوشش کی مگر کسی بھی

صورت میں وہ غیر مقلدین اپنے افعال، اقوال اور عقائد ونظریات کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں؛ بلکہ گاؤں اور قرب وجوار کے ناخواندہ لوگوں کے درمیان اپنے عقائد ونظریات کی تبلیغ کر رہے ہیں؛ لہٰذا امر مسئولہ یہ ہے کہ یہ فرقہ اہل حدیث غیر مقلدیت راہ اعتدال پر ہے یا راہِ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے؟ نیز کیا گاؤں کے لوگ اِن غیر مقلدین سے بچنے کے لئے اِن کا بائیکاٹ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ اگر بائیکاٹ نہیں کیا گیا تو اِس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ ناخواندہ لوگ اِس فتنہ سے متأثر ہوکر راہ راست سے ہٹ جائیں گے۔ علاوہ اَزیں اگر ان سے بچنے کے لئے اور بھی صورتیں ہوں وہ بھی تحریر کر دیجئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شریعت پر بسہولت عمل کرنے کے لئے اَئمہ اَربعہ میں سے کسی متعین اِمام کی تقلید انتظامی طور پر واجب ہے، جس پر جمہور کا اتفاق ہے، اِس کی وجہ سے گمراہی، کج روی اور ہوائے نفس کی اتباع سے بہت حفاظت رہتی ہے۔ اِس کے برخلاف ترکِ تقلید ہر قسم کی گمراہی کا پہلا دروازہ ہے، جس میں داخل ہوکر اکثر آدمی راہِ حق سے بھٹک جاتا ہے، اور یا تو ائمہ اَربعہ کے بجائے اُن سے کم درجہ کے کسی عالم کی تقلید کرنے لگتا ہے؛ جیسا کہ آج کل کے اکثر غیر مقلدین کا حال ہے (کہ وہ حقیقت میں غیر مقلدین نہیں ہیں؛ بلکہ اپنے علماء ہی کے سختی سے مقلد ہیں) اور یا پھر غیر مقلد بن کر کم علم شخص براہ راست نصوص سے ناقص اجتہاد کر کے شریعت پر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے، جب کہ اُس کے سامنے مسئلہ کے تمام پہلو نہیں ہوتے، اِس طرح وہ ہوائے نفس کا شکار ہو جاتا ہے، بہر صورت ترک تقلید کا راستہ گمراہی کے خطرات سے بھرا ہوا ہے۔ عوام کے لئے عافیت اِسی میں ہے کہ وہ ائمہ اَربعہ میں سے کسی متعین اِمام سے وابستہ رہ کر شریعت پر عمل کریں، اور جو لوگ اِس کے خلاف ذہن سازی کرتے ہیں اُن سے خود بھی دور رہیں اور دوسروں کو بھی حکمت وتدبیر کے ساتھ اُن سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

تاہم اس بنیاد پر باقاعدہ بائیکاٹ کرنے کی مہم چلانا مفید معلوم نہیں ہوتا، اس کے بجائے سنجیدہ انداز میں مخلصانہ طور پر اِس فتنہ کے علمی وعملی دفعیہ کی ضرورت ہے، مقامی اور علاقائی علماء کو

اِس جانب توجہ دینی چاہئے۔ (غیر مقلدین کے ٥٦/اعتراضات کے جوابات ص: ۲۸، فتاویٰ محمودیہ ۲/۶۰۷ ڈابھیل، احسن الفتاویٰ/کتاب العلم والعلماء ۱/۴۱۳)

إن هذه المذاهب الأربعة المدوّنة المحررة قد اجتمعت الأمّة أو من يعتدّ به منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا، وفي ذلك من المصالح ما لا يخفى، لا سيّما في هذه الأيام التي قصرت فيها الهمم جدًّا، وأشربت النفوس الهوى، وأعجب كل ذي رأي برأيه. (حجة الله البالغة ١/٥٠٦ دار الجيل بيروت لبنان)

فقد صرح في التحرير أن الإجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للأربعة. (الأشباه والنظائر ص: ٩٣ دار الكتب العلمية بيروت)

وفي شرح جمع الجوامع للمحلي: والأصح أنه يجب على العامي وغيره ممن لم يبلغ رتبة الاجتهاد، التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين. (خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق ص: ٧٠ مكتبة الحقيقة إستنبول)

إن الواجب على من أراد أن يعمل لنفسه أو يفتي غيره أن يتبع القول الذي رجّحه علماء مذهبه ...... وقد نقلوا الإجماع على ذلك. (شرح عقود رسم المفتي ص: ٨ مكتبة البشرىٰ كراتشي)

فعليكم معاشر المؤمنين باتباع الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة، فإن نصرة الله وحفظه وتوفيقه في موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقته في مخالفتهم، وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في مذاهب أربعة، وهم الحنفيون والمالكيّون والشافعيّون والحنبليّون رحمهم الله ومن كان خارجًا عن هذه الأربعة في هذا الزمان، فهو من أهل البدعة والنار. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار / كتاب الذبائح ١٠/٥٨٩ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

رات میں جھاڑو لگانے، ناخن کاٹنے اور بال کٹوانے کو برا سمجھنا

سوال (۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رات میں جھاڑو لگانا، ناخن کاٹنا، بال کٹوانا وغیرہ کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رات کو یہ کام نہیں کرنے چاہئیں تو کیا شریعت اسلامیہ میں اس بارے میں کوئی حکم وارد ہوا ہے یا یہ لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں؟ برائے مہربانی جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- دن یا رات کسی بھی وقت میں حسبِ ضرورت مذکورہ کام کئے جاسکتے ہیں، شریعت میں اِس بارے میں کسی وقت کے لئے کوئی ممانعت وارد نہیں ہے۔

حكي أن هارون الرشيد سأل أبا يوسف رحمه الله تعالىٰ عن قص الأظافير في الليل فقال: ينبغي فقال: ما الدليل على ذلك، فقال: قوله عليه السلام "الخير لايؤخر". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب التاسع عشر في الختان ٣٥٨/٥ زكريا قديم، ٤١٣/٥ اتحاد ديوبند)

وفي المواهب اللدنية قال الحافظ ابن حجر – رحمه الله تعالىٰ –: إنه يستحب كيف ما احتاج إليه ولم يثبت في كيفيته شيء و لا في تعيين يوم له عن النبي صلى الله عليه وسلم وما يعزي من النظم في ذلك للإمام علي ثم لابن حجر قال شيخنا إنه باطل. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٥٨٢/٩ زكريا، ٤٠٦/٦ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دیوالی کی رات میں گوشت دھو کر پانی چھڑکنا یا ہڈیاں ڈالنا

سوال (۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

ہیں کہ: ہمارے علاقے میں بعض مسلم گھرانوں میں لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دیوالی کی رات میں اپنے گھروں کی چھت پر گوشت دھوکر پانی چھڑک دیا جائے یا کھانے کے بعد کی ہڈیاں ڈال دی جائیں یا مچھلی پکا کر کھا کر کانٹے ڈال دئے جائیں، تو ان گھروں میں جادو، ٹونہ، آسیب وغیرہ کے اثرات نہیں ہوتے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح عقیدہ رکھ کر مذکورہ اعمال کرنا شرعاً کیسا ہے؟ کیا یہ اعمال شرکیہ تو نہیں ہیں؟ کیا یہ اعمال کرتے رہیں یا ان سے بچنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں ذکر کردہ اعمال کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے، بظاہر یہ برادرانِ وطن کے فاسد عقائد وتوہمات میں شامل ہیں، اِس لئے مسلمانوں کو ایسی مشکوک باتوں سے احتراز کرنا چاہئے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا عدوىٰ ولا طيرة ولا هامة ولا صفر الخ. (صحيح البخاري ٢/٨٥٠ رقم: ٥٤٨٨)

قال عبد الله بن أبي بكر حسبت أنه صلى الله عليه وسلم قال: والناس في مبيتهم لا تبقين في رقبة بعير قلادة من وتر ولا قلادة إلا قطعت، قال مالك أرىٰ أن ذلك من أجل العين. (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد / باب في تقليد الخيل بالأوتار ١/٣٤٦ رقم: ٢٥٥٢)

وفي هامشه: وقيل إنما نهاهم عنها أنهم كانوا يعتقدون أن تقليدها بالأوتار يدفع ضررا و يدفع عنها العين والأذىٰ، فتكون كالعوذة لها، فنهاهم و أعلمهم أنها لا تدفع ضررًا ولا تصرف قدرًا. (حاشية سنن أبي داؤد ١/٣٤٦ المكتبة الأشرفية ديوبند، بذل المجهود ٩/١٢٩ دار البشائر الإسلامية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۳/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا پیر کی روح مرید پر حاضر ہوکر مزار بنانے کا مطالبہ کرسکتی ہے؟

سوال (۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ پیر یا ولی وفات کے بعد اپنے چاہنے والوں پر حاضری دیتے ہیں، پیر یا ولی کا چاہنے والا بے ہوش ہوجاتا ہے، اور پیر کی روح اپنے مرید پر آکر اپنے چاہنے والوں کو حکم دیتی ہے، میرے لئے یہ کرو کہ وہاں مزار بنواؤ، عرس کرو وغیرہ، کیا شریعت میں یہ باتیں جائز ہیں؟ قرآن وحدیث میں اس طرح پیر یا ولی کی روحیں آنے کا ثبوت ہے اور یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- پیر کی وفات کے بعد اُن کی روحوں کا کسی شخص پر آنے کا عقیدہ قطعاً غلط اور باطل ہے، جو شخص ایسا عقیدہ رکھے وہ نادان اور جاہل ہے۔

وفي البزازية: قال علماؤنا: من قال أرواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر. (البحر الرائق، كتاب السير / باب أحكام المرتدين ۱۲٤/٥ كراچی، مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد / ثم إن ألفاظ الكفر أنواع ٥٠٥/٢ مكتبة فقيه الأمة ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

محکمۂ موسمیات کا سورج گرہن کی خبر دینا کیا علم غیب کی خبر کے مرادف ہے؟

سوال (۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صلوٰۃِ کسوف کب مسنون ہے؟ بذاتِ خود سورج کو گرہن لگتا ہوا دیکھنے کے وقت یا

ماہرین موسمیات کے محض اطلاع دینے سے سورج گرہن کی نماز پڑھنا مسنون ہے؟ دونوں کا حکم یکساں ہے یا الگ؟ نیز ماہرین موسمیات کا سورج گرہن کی اطلاع دینا علم غیب کی خبر دینے کے مرادف تو نہیں؟ اور کیا ایک دن پہلے صلوٰۃِ کسوف کے لئے وقت مقرر کرنے کی گنجائش ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جب یقینی طور پر سورج گرہن کے کلی یا جزوی وقوع کا علم ہوجائے، تو نمازِ کسوف حسبِ شرائط پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے، اور یہ یقین خود آنکھوں سے دیکھ کر بھی ممکن ہے، اور علم ہیئت کے اعتبار سے ماہرین فلکیات کے خبر دینے پر بھی حاصل ہوسکتا ہے؛ اِس لئے کہ اُن کا پیشگی سورج گرہن کی خبر دینا اُمورِ غیبیہ سے تعلق نہیں رکھتا؛ بلکہ اِس کا تعلق علم ہیئت کے قطعی اور یقینی قواعد اور ظاہری علامات سے ہے جسے ماہرین جانتے ہیں، اور اِس بارے میں اُن کی خبریں صحیح واقع ہوتی رہی ہیں؛ لہٰذا جس طرح پنجوقتہ نمازوں کے اَوقات کے سلسلے میں ماہرین کی بنائی ہوئی جنتریوں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح سورج گرہن کے متعلق بھی اُن کی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے پہلے سے نماز کسوف کا اعلان واہتمام کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه قال: كَسَفَت الشمس على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يوم مات إبراهيم، فقال الناس: كسفت الشمس لموت إبراهيم، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن الشمس والقمر لا ينكسفان لموت أحدٍ ولا لحياته، فإذا رأيتم فصلّوا وادعوا اللّٰه.

(صحيح البخاري، كتاب الكسوف / باب الصلاة في كسوف الشمس ١٤٢/١ رقم: ١٠٣٢)

والتحقيق أن الغيب ما غاب عن الحواس والعلم الضروري والعلم الاستدلالي، وبهذا التحقيق اندفع الإشكال في الأمور التي يزعم أنها من الغيب وليست منه؛ لكونها مدركة بالسمع أو البصر أو الضرورة أو الدليل.

فأحدها: إخبار الأنبياء الخ، ثانيها: خبر الولي الخ، ثالثها: إخبار المحاسب بالكسوف والخسوف؛ لأنه بدلائل هندسية قطعية. (النبراس ص: ٣٤٣ المكتبة التهانوية ديوبند)

كما يدرك أحدهم وقت انكساف الشمس أو القمر بالقواعد الحسابية العارية مثلاً ويخبر به قبل وقوعه مع تعين مقداره في البلاد الشاسعة، وبهذا لا يعد أمثاله من علم الغيب عند العلماء؛ فإنه قد حصل كما نصب عليه من الأدلة. (فتح الملهم ١٧٢/١ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

بیٹوں کی دل آزاری پر باپ کا اپنے آپ کو خدا کہنا

سوال (۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: والد صاحب کی کاروباری سلسلہ میں بیٹوں سے گفتگو ہو رہی تھی، والد نے بیٹوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ: ''میں نے اِس کاروبار میں کتنی محنت اور کوشش کی اور کتنی پریشانیاں برداشت کیں، کیسے کیسے اسے ترقی دی؟ تب جاکر یہ کاروبار ترقی پر پہنچا'' اس طرح کی گفتگو سن کر بیٹوں نے کہہ دیا کہ ''تم تو خدائی کا دعویٰ کر رہے ہو''، اِس کے جواب میں والد نے کہا: ''ہاں ہاں میں خدا ہوں'' اِس طرح کا جملہ باپ کی زبان سے نکل گیا، اب احساس ہے کہ کیا یہ جملہ غلط تو نہیں ہوگیا؟ کیا اِیمان سے خارج تو نہیں ہوگیا؟ شرعی حکم جو بھی ہو تحریر فرماکر ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں بیٹوں کا والد سے گفتگو کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ''تم تو خدائی کا دعوی کر رہے ہو''، انتہائی گستاخانہ جملہ ہے، اُنہیں فوراً اپنے والد

سے معافی مانگنی چاہئے اور اللہ سے توبہ کرنی چاہئے؛ کیوں کہ والد کے دل کو دکھانا اور اُن کو ناراض کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے؛ تاہم بیٹوں کی گفتگو کے جواب میں والد کا یہ کہنا کہ ''ہاں ہاں میں خدا ہوں'' یہ جملہ بھی نہایت خطرناک ہے جس سے کفر کا اندیشہ ہے، ان پر سچی توبہ واستغفار لازم ہے، اور آئندہ کبھی بھی اِس طرح کا جملہ استعمال نہ کریں۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنہما عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: رضا الرب في رضا الوالد وسخط الرب في سخط الوالد. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء من الفضل في رضا الوالدين ۱۲/۲ رقم: ۱۹۰۰ النسخة الهندية)

وقد سئل في الخيرية عمن قال له الحاكم ارض بالشرع فقال لا أقبل، فأفتى مفت بأنه كفر وبانت زوجته فهل يثبت كفره بذلک؟ فأجاب: بأنه لا ينبغي للعالم أن يبادر بتكفير أهل الإسلام. (رد المحتار، كتاب الجهاد / باب المرتد، مطلب في حكم من شتم دين مسلم ۳٦٧/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/٦/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

طاعون زدہ اور وبائی علاقوں میں جانے سے کیوں منع کیا جاتا ہے؟

سوال (۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کورونا وائرس جیسے وبائی اَمراض کے بارے میں شرعی اُصول اور احکام کیا ہیں؟ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اِسلام میں چھوا چھات کا کوئی تصور نہیں ہے، دوسری طرف احادیثِ شریفہ میں طاعون زدہ علاقوں میں جانے آنے سے منع بھی ثابت ہے۔

نیز بعض روایات میں بیمار شخص کو صحت مند لوگوں سے ملنے سے بھی منع کیا گیا ہے، اِن تمام باتوں کو سامنے رکھ کر مسئلہ کو واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی بھی بیماری متعدی نہیں ہے، اور یہ تصور سراسر جاہلانہ ہے کہ بیماریاں خود اپنی ذاتی تاثیر سے دوسروں کو لگتی ہیں، اِسی جاہلانہ نظریہ کی تردید "**لا عدوی ولا طیرة**" جیسی اَحادیث سے کی گئی ہے؛ لیکن دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بعض اسباب میں تعدیہ کی تاثیر پیدا کردیتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مثلاً ٹھنڈک کی وجہ سے نزلہ زکام ہونا یا غذائی بے احتیاطی کی وجہ سے پیٹ وغیرہ کا خراب ہونا کہ یہاں پر اصلاً مرض کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے؛ لیکن اس کا ظاہری سبب موسم یا غذا نظر آتی ہے، اِسی طرح متعدی امراض کا بھی حال ہے کہ جس کو بھی وہ مرض لاحق ہوگا وہ بلاشبہ اللہ ہی کے حکم سے ہوگا اَز خود نہیں ہوسکتا؛ لیکن چوں کہ اِس کا سبب ظاہری بحکم خداوندی مذکورہ مریض سے میل جول ہوسکتا ہے، اِس لئے عقیدہ کے تحفظ کی خاطر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ جہاں وبائی امراض پھیلیں وہاں سے لوگ اِدھر اُدھر نہ جائیں، اسی طرح کوئی ایسا بیمار جو وبائی بیماری میں مبتلا ہو کسی تندرست شخص کے ساتھ نہ اٹھے بیٹھے، اور تندرست لوگ بھی ایسے بیماروں سے بالقصد دور رہیں۔

الغرض یہ سب ہدایات بطور احتیاط عقیدہ کی خرابی سے تحفظ اور ظاہری اعتبار سے مرض سے بچنے کے لئے ہی ہیں، اِن کا لحاظ رکھنا عین شریعت ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر. (صحيح البخاري، كتاب الطب / باب لا هامة ٧٤٧/٢ رقم: ٥٧٥٧ دار الفكر بيروت)

وعن أبي سلمة سمع أبا هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يوردن ممرض على مصح. (صحيح البخاري، كتاب الطب / باب لا هامة ٨٥٩/٢ رقم: ٥٧٧١ دار الفكر بيروت)

قال عفان حدثنا سليم بن حيان حدثني سعيد بن ميناء قال: سمعت أبا هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا عدوى ولا طيرة ولا هامّة ولا صفر وفرّ من المجذوم كما تفر من الأسد. (صحيح البخاري، كتاب الطب / باب الجذام ٨٥٠/٢ رقم: ٥٧٧١ دار الفكر بيروت)

قال أخبرني حبيب بن أبي ثابت قال: سمعت إبراهيم بن سعد قال: سمعت أسامة بن زيد يحدث سعدًا عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: إذا سمعتم بالطاعون بأرض فلا تدخلوها، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا منها. (صحيح البخاري، كتاب الطب / باب ما يذكر في الطاعون ٨٥٣/٢ رقم: ٥٧٢٨ دار الفكر بيروت)

وفي مرقاة المفاتيح: وقد اختلف العلماء في التاويل فمنهم من يقول: المراد منه نفي ذلک وإبطاله على ما يدل عليه ظاهر الحديث والقرائن المنسوقة على العدوى وهم الأكثرون، ومنهم من يرى أنه لم يرد إبطالها فقد قال صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: فر من المجذوم فرارک من الأسد، وقال: لا يوردن ذو عاهة على مصح، وإنما أراد بذلک نفي ما كان ليعتقده أصحاب الطبيعة فإنهم كانوا يرون العلل المعدية مؤثرة لامحالة. قال الشيخ التوربشتي: وأرى القول الثاني أولى التاويلين لما فيه من التوفيق بين الأحاديث الواردة فيه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى / باب الفأل والطيرة ٣٩٣/٨ رقم: ٤٥٧٧ دار الكتب العلمية بيروت)

العدوى مجاوزة العلة من صاحبها إلى غيره بالمجاورة والقرب وبظاهره يخالف ما يأتي عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ”لا يوردن ممرض على مصح“ وأيضًا في البخاري وغيره: ”فر من المجذوم فرارک من الأسد“ نفي العدوى هو الأصل، وأما الحديثان الآخران فهما

محمولان على سد الذرائع لا على أثبات العدوى، وقال بعضهم: إن الأصل فيه هذان الحديثان أي بأن اللّٰه سبحانه على جري عادته يعدي المرض من حيوان إلى آخر بسبب المخالطة ونفي العدوى محمول على أنه لا عدوى بالذات بل هو يجري عادة اللّٰه سبحانه وتعالى. (بذل المجهود / كتاب الطب ١١/ ٦٤٠-٦٤١ تحت رقم: ٣٩١١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲؍۷؍۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

❑❖❑

بدعات ورُسومات

کیا درگاہوں پر شرکیہ اُمور کرنے والے مشرک ہیں؟

سوال (۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: درگاہوں پر جو کام ہوتے ہیں (سجدہ کرنا، چادریں چڑھانا، عرس کرنا، اُس میں شامل ہونا) کیا ایسے کام کرنے والے کو مشرک کہنا یا سمجھنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں ذکر کردہ کاموں میں شریک ہونا جائز نہیں ہے، اور ایسے کام کرنے والے کو شرکیہ اَعمال کرنے والا کہا جاتا ہے۔

من سجد للسلطان على وجه التحية أو قبل الأرض بين يديه لا يكفر؛ ولكن يأثم لارتكابه الكبيرة هو المختار، قال الفقيه أبو جعفر: وإن سجد للسلطان بنية العبادة أو لم تحضره النية فقد كفر ...... الانحناء للسلطان أو لغيره مكروه؛ لأنه يشبه فعل المجوس. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك الخ ٣٦٨/٥-٣٦٩ زكريا)

لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد عليها ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونه عرسًا. (تفسير المظهري ٦٨/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت)

كره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء، قال في فتاوى الحجة: وتكره الستور على القبور. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / فصل في اللبس ۹/۵۲۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۶/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بت پرستی اور قبر پرستی میں کیا فرق ہے؟

سوال (۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بت پرستی اور قبر پرستی میں کیا فرق ہے؟ قبر پرست کلمہ گو ہوتے ہیں، نمازی بھی ہوتے ہیں، حاجی بھی ہوتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - بت پرستی اور قبر پرستی میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ بت پرستی کرنے والا اِسلام کا دعویٰ نہیں کرتا جب کہ قبر پرست اس عمل کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے؛ حالاں کہ بہت سے فقہاء نے غیر اللہ کو سجدہ کرنے کو مطلقاً موجب کفر کہا ہے؛ اِس لئے ہر مسلمان کو بہر حال قبر پرستی جیسے حرام فعل سے بچنا لازم اور ضروری ہے اور اُس سے سچی توبہ کرنا واجب ہے۔

وتقبيل الأرض بين يدي العلماء والزهاد فعل الجهال والفاعل والراضي آثمان. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك والتواضع لهم ۵/۳۶۹ زكريا)

وما يفعلون من تقبيل الأرض بين يدي العلماء فحرام، والفاعل والراضي به آثمان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن وذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود؛ لأنه يريد به التحية. وقال شمس الأئمة السرخسي رحمه اللّٰه

تعالیٰ: السجود لغیر اللّٰہ تعالیٰ علی وجہ التعظیم کفر. (تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة / قبیل: فصل في البیع ٦/٧ ٥ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے بعد مائک پر اجتماعی ذکر بالجہر کرنا

سوال (۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں محلّہ کی مسجد میں اِمام صاحب نمازِ فجر کے بعد متصلاً ہفتہ کے دن مصلیٰ پر بیٹھ کر مائک میں اجتماعی طور پر زور زور سے ذکر کراتے ہیں، اور وہ لوگ کہ جن کی نماز جماعت سے چھوٹ جاتی ہے، اُن کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ اور جو تلاوت کرتے ہیں اُن کی تلاوت میں بھی خلل پڑتا ہے اور ذکر کرنے کے فوراً بعد مسجد میں دسترخوان بچھا کر حلوہ اور چائے کا انتظام کیا جاتا ہے، ذکر چوں کہ مائک میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے آواز مسجد کے باہر دور تک جاتی ہے۔ نیز ذکر سے ایک دن پہلے یعنی جمعہ کے دن عشاء کی نماز کے بعد امام صاحب مائک میں اعلان کرتے ہیں کہ صبح فجر کی نماز کے بعد ذکر اللہ کی مجلس ہوگی۔ اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ ذکر شریعت میں جائز ہے کہ نہیں؟

نوٹ:- اگر ذکر کی مذکورہ صورت بغیر مائک کے ہو تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر ذکر جہری اِس طرح کیا جائے کہ اُس سے کسی دوسرے عبادت گذار کی عبادت میں خلل نہ پڑے تو شرعاً اِس کی گنجائش ہے؛ لیکن سوال میں جس انداز کی مجلس ذکر کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اُس میں باقاعدہ مائک کے ذریعہ ذکر کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے مسبوقین کی نماز میں خلل پڑتا ہے وغیرہ، تو اِس طرح کی مجلس ایک نیا کام ہے، جس کا ثبوت اکابر ومشائخ اہل سنت والجماعت اور علماء حق سے نہیں ہے؛ لہٰذا یہ طریقہ قابل ترک ہے۔

عن ابن مسعود رضي اللّٰہ عنه أنه أخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم جهرًا وقال لهم: ما أراكم إلا مبتدعين الخ: هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل: نعم. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ۹/ ۵۷۰ زكريا)

ونص الشعراني في "ذكر الذاكر للمذكور والشاكر للمشكور" ما لفظه: وأجمع العلماء سلفًا وخلفًا على استحباب ذكر اللّٰہ تعالىٰ جماعة في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصلٍ أو قارئ قرآن كما هو مقرر في كتب الفقه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في صفة الأذكار ص: ۳۱۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۲/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نماز کے بعد اجتماعی صلوٰۃ وسلام پڑھنا

سوال (۲۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مساجد میں جمعہ کے دن نماز جمعہ سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد اِمام صاحب اور مقتدی سب مسجد میں ایک ساتھ بیٹھ کر بلند آواز کے ساتھ آواز سے آواز ملا کر درود شریف اور میلا د شریف پڑھتے ہیں، اِس طریقہ سے پڑھنا شریعت کے نظر میں کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں ذکر کردہ اجتماعی صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ سلفِ صالحین سے ثابت نہیں؛ بلکہ اہل بدعت کا طریقہ ہے، اِس لئے اِس طریقہ سے اجتناب کرنا چاہئے اور بلا کسی تخصیص کے درود شریف کثرت سے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۲۸)

ھل یکرہ رفع الصوت بالذکر والدعاء؟ قیل نعم. (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحۃ / باب الاستبراء وغیرہ ۵۷۰/۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۷/۱۱/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

تراویح کے بعد اجتماعی طور پر آواز میں آواز ملاکر دُرود وسلام وغیرہ پڑھنا

سوال (۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ (آسام) میں یہ طریقہ رائج ہے کہ لوگ نماز تراویح اور وتر سے فراغت کے بعد مسجد میں بیٹھ کر اِجتماعی طور پر آواز میں آواز ملاکر درود وسلام اور دعا واستغفار کرتے ہیں، اور یہ طریقہ بہت پہلے سے رائج ہے، کسی عالم نے بھی اِس پر نکیر نہیں فرمائی، لوگ اِس عمل کو شریعت میں مشروع سمجھ کر کرتے ہیں، اور اب کچھ لوگ اِس عمل پر اعتراض کرتے ہوئے بدعت قرار دیتے ہیں، اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اِس عمل کا ثبوت قرآن وحدیث اور قرونِ ثلاثہ مشہود لہا میں کہیں نہیں ملتا، تو اُن بعض لوگوں کا اِس عمل کو بدعت قرار دینا کہاں تک درست ہے؟ اگر واقعۃً بدعت ہے تو اِس کو روکنے کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- تراویح سے فراغت کے بعد اِجتماعی طور پر آواز میں آواز ملاکر دُرود وسلام وغیرہ پڑھنا بے اصل اور قابلِ ترک ہے، سلفِ صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اور جو شخص اِس پر اِصرار واِلتزام کرے تو اُس کے عمل کو بدعت کہا جائے گا۔ علماء اہل حق کو چاہئے وہ حسنِ تدبیر اور حکمتِ عملی سے ایسی رسومات کو روکنے کی کوشش کریں اور عوام کو تاکید کریں کہ اُنہیں جو کچھ بھی پڑھنا ہو انفرادی طور پر آہستہ آواز میں پڑھا کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ

محمودیہ ۷/۳۵۵ ڈابھیل، فتاویٰ قاسمیہ ۸/۹۰ اشرفیہ دیوبند)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡھُمۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ﴾ [النحل، جزء آیت: ۱۲۵]

وقد صح عن ابن مسعود – رضي اللّٰه عنه – أنه سمع قومًا اجتمعوا في مسجد يهللون ويصلون عليه – عليه الصلاة والسلام – جهرًا فراح إليهم فقال: ما عهدنا ذلك على عهده – عليه السلام – وما أراكم إلا مبتدعين، فما زال يذكر ذلك حتى أخرجهم عن المسجد. (بزازيه على هامش الهندية / كتاب الاستحسان ٣٧٨/٦ دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال الطيبي: وفيه من أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب الدعاء في التشهد ٣٥٣/٢ المكتبة الأشرفية ديوبند، ٧٥٥/٢ تحت رقم: ٩٤٦ دار الفكر بيروت)

البدعة: هي الأمر المحدث الذي لم يكن عليه الصحابة والتابعون ولم يكن مما اقتضاه الدليل. (قواعد الفقه ص: ١٢٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

تکبیر سے پہلے زور سے بسم اللہ اور درود شریف پڑھنا

سوال (۲۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید تکبیر پڑھنے سے پہلے بسم اللہ اور درود شریف زور سے پڑھتے ہیں پھر تکبیر پڑھتے ہیں، زید کے اِس طریقہ پر عمرو خالد کو اعتراض ہے، اور اعتراض کرتے کرتے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی شان میں گستاخی بھی کرتے ہیں، شریعت کی رو سے اِن کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- تکبیر سے پہلے بلند آواز سے بسم اللہ اور درود شریف پڑھنا ثابت نہیں؛ لہٰذا زید کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، اور زید پر اعتراض کرتے ہوئے عمرو خالد کا پیغمبر علیہ السلام کی شانِ عالی میں گستاخی کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، نہایت بدبختی کی بات ہے، کوئی بھی مسلمان اِس کو گوارا نہیں کرسکتا، اُن پر صدقِ دل سے توبہ واستغفار لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/ ۳۰۱ میرٹھ)

فكم من مباحٍ يصير بالالتزام من غير لزومٍ، والتخصيص من غير مخصصٍ مكروهًا. (سباحة الفكر مع مجموعة الرسائل الست ٧٢، فتح الباري ٢/ ٦٠٩ بيروت، مرقاة المفاتيح ٢/ ١٤)

أفضل الأنبياء محمد عليه السلام. (شرح العقائد ص: ١٧١ دار إحياء التراث العربي بيروت، ص: ١٠ المكتبة النعيمية ديوبند)

إن الأنبياء معصومون مكرمون بالوحي مأمورون بتبليغ الأحكام وإرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء العظام. (شرح العقائد ص: ١٦٥ المكتبة النعيمية ديوبند)

وفي شرح العقائد: أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام معصومون عن الكذب خصوصًا فيما يتعلق بأمر الشرع وتبليغ الأحكام وإرشاد الأمة، أما عمدًا فبالإجماع، وأما سهوًا فعند الأكثرين. (شرح فقه الأكبر ص: ١٠٤ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/ ۱۱/ ۱۴۳۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

پندرہ شعبان کو اجتماعی طور پر درود پڑھنا

سوال (۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آسام میں لوگ شعبان کے شروع پندرہ دن میں لوگوں کو بلا کر اجتماعی طور پر درود پڑھتے ہیں اور ایصال ثواب کے لئے دعا کراتے ہیں، اور اس کے بعد لوگوں کو کھراوٹی اور چاول کھلاتے ہیں اور ایسا کرنا ضروری سمجھتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- شریعت میں دنوں کی تعیین کے ساتھ مذکورہ اجتماعی اَعمال ثابت نہیں ہیں، اُن سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اِسی طرح ایصالِ ثواب کے عوض کے طور پر کھانا کھلانا بھی درست نہیں۔

وضع الحدود والتزام الكيفيات والهيئات المعينة في أوقات معينة لم يوجد ذلک التعيين في الشريعة. (الاعتصام ۳۹/۱)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز ۱۴۸/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۲/۱۴۳۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ختم قرآن یا ختم بخاری کے بعد کھانا کھلانا

سوال (۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ختم قرآن شریف یا ختم بخاری شریف کرواتے ہیں، بعدہ مدرسہ میں طلبہ واساتذہ کو کھانا کھلاتے ہیں، کیا ایسا کھانا اساتذۂ کرام کے لئے جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- محض ختم قرآن پاک یا بخاری شریف کے عوض

میں کھانا کھلانا کسی کے لئے بھی درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ محض عبادات کا عوض ہے۔ اور اگر صدقہ کے بطور مدرسہ میں کھانا بھیجا جائے تو صرف نادار طلبہ کے لئے کھانا جائز ہوگا، اَساتذہ کے لئے بلاعوض وہ کھانا درست نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسَاكِيۡنِ﴾ [التوبۃ: ٦٠]

ویمنع القاري للدنیا والآخذ والمعطي آثمان الخ. (رد المحتار، کتاب الإجارۃ / باب الإجارۃ الفاسدۃ ۹/۷۷ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/۷/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بلا اور مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا

سوال (۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقے میں لوگوں کے درمیان ایک خاص عمل رائج ہے کہ کسی بلا ومصیبت کی وجہ سے یا خاص کسی مقصد سے علماء کرام کو جمع کر کے بخاری شریف پڑھوا کر دعا کرائی جاتی ہے، مسئلہ یہ پیش آیا کہ بعض لوگ اس کو بدعت کہہ کر لوگوں کو اُس سے باز رہنے کا مشورہ دے رہے ہیں، اِس لئے اِس بارے میں آپ سے درج ذیل سوالوں کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) کیا علماء کرام کو جمع کر کے بخاری شریف پڑھوا کر دعا کرانے میں کوئی حرج ہے؟

(۲) کیا اَحادیث شریفہ پڑھ کر اِس طرح دعا کرنے کا ثبوت قرآن وحدیث میں ملتا ہے؟

(۳) جو حضرات بخاری شریف پڑھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں اُن کو اس پر اُجرت دینا اور اُن کا اُجرت لینا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - **الف:** بخاری شریف احادیث صحیحہ کا مقبول ترین مجموعہ ہے اور حدیث کا پڑھنا بذاتِ خود عبادت ہے اور عبادت کے بعد دعاؤں کی قبولیت

شریعت سے ثابت ہے۔ بریں بنا ختم بخاری شریف کے بعد دعا کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اِسے بدعت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ ص:۱۶۶ مطبع تھانوی دیوبند)

وقال الشيخ عبد الحق الدهلوي في أشعة اللمعات: قرأ كثير من المشائخ والعلماء والثقات صحيح البخاري لحصول المرادات وكفاية المهمات وقضاء الحاجات ودفع البليات وكشف الكربات وصحة الأمراض وشفاء المرضىٰ عند المضائق والشدائد فحصل مرادهم وفازوا بمقاصدهم ووجدوه كالترياق مجربًا وقد بلغ هذا المعنى عند علماء الحديث مرتبة الشهرة والاستفاضة. (مقدمة لامع الدراري ۲۳/۱ کراچی)

ج:- محض بخاری شریف پر اجرت کا لین دین درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ محض عبادت ہے اور رہ گئی دعاؤں کی بات تو دعاؤں کی قبولیت ختم بخاری شریف پر موقوف نہیں ہے۔

قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري ...... فالحاصل: أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان؛ بل جعلوا القرآن العظيم مكسبًا ووسيلة إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا إليه راجعون.

(رد المحتار، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة ۹/ ۷۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۹/۵/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال (۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھا کرتے تھے، فاتحہ لگا کر خود ہی کھالیں یا کسی غریب کو تقسیم کردیں؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کا دورِ نبوت اور دورِ صحابہ سے کوئی ثبوت نہیں ہے اور اِس بارے میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں وہ سب من گھڑت ہیں۔ اگر ایصالِ ثواب ہی مقصود ہے تو بغیر کسی اہتمام اور فاتحہ کے فقراء کو صدقہ کردیا جائے اور اُس میں کھانا کھلانا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ حسبِ ضرورت روپیہ پیسہ یا دیگر چیزیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ/ باب البدعات والرسوم ۳/۶۰ ڈابھیل)

ایں طور مخصوص نہ در زماں آں حضور بود نہ زماں خلفاء؛ بلکہ وجود آں را در قرونِ ثلاثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نہ شدہ، وایں ضروری داشتن مذموم است۔ (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ ۱/۱۹۵ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

واصطناع أهل البيت له لأجل اجتماع الناس عليه بدعة مكروهة؛ بل صح عن جرير رضي الله عنه قال: كنا نعده من النياحة وهو ظاهر في التحريم. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز / باب البكاء على الميت ١٢٤١/٣ تحت رقم: ١٧٣٩ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

انتقال کے بعد رشتہ داروں کی دعوت

سوال (۳۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض جگہوں پر کچھ لوگ کسی کے انتقال ہوجانے پر کفن ودفن کے بعد وہ اپنے رشتے

داروں کو اور پڑوسیوں کو اور تمام جاننے والوں کو کھانا کھلاتے ہیں، دعوت کے طور پر اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں، ان جگہوں میں اس کے رو واج کی وجہ سے، کیوں کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو ان علاقوں میں پھیلے اس رواج کی وجہ سے لوگوں کی لعن طعن کا شکار ہوں گے، جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ درست ہے، اس کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- انتقال کے بعد رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی باقاعدہ دعوت کرنا اور اسے ضروری سمجھنا بے اصل اور ممنوع ہے، اس طرح کی رسومات کی تردید لازم ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہر شخص اس رواج کو ختم کرنے پر محنت کرے اور کسی کے لعن طعن کی کوئی پرواہ نہ کرے، برادری کی خوشنودی کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنا زیادہ ضروری ہے۔

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور – إلیٰ قوله – ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول والثالث. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في کراهة الضیافة من أهل المیت ۱۴۸/۳ زکریا، ۲۴۰/۲ کراچی)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أسخط اللّٰه في رضا الناس سخط اللّٰه علیه، وأسخط علی من أرضاه في سخطه، ومن أرضی اللّٰه في سخط الناس رضي اللّٰه عنه، وأرضی عنه من أسخط في رضاه حتی یزینه ویزین قوله وعمله في عینیه، رواه الطبراني ورجاله رجال الصحیح غیر یحییٰ بن سلیمان الجفري وقد وثقه الذهبي. (مجمع الزوائد، کتاب الزهد / باب فیمن یرضي الناس بسخط اللّٰه ۲۲۵/۱۰ رقم: ۱۷۶۷۴ مکتبة القدسي القاهرة)

عن الحسن رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (المصنف لعبد الرزاق ٥٤٥/٦ رقم الحديث: ٣٣٧١٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۶/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چالیسویں کی محفل میں شامل ہونا

سوال (۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ہم چالیسویں کی محفل میں شرکت کریں پر کوئی بدعت میں شامل نہ ہوں، بس دنیوی غرض ہو تو بھی کیا گناہ ہوگا؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- چالیسواں وغیرہ منانا شرعاً بدعت اور ناجائز ہے، اُس میں کسی بھی غرض سے شریک ہوکر اُس کی تائید کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ اس پر نکیر ضروری ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلاَ تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ اِنَّكُمْ اِذًا مِثْلُهُمْ﴾ [النساء: ١٤٠]

وقال تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [المائدة: ٢]

عن إبراهيم بن ميسرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من وقّر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام. رواه البيهقي في شعب الإيمان مرسلاً. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة ٣١/١ رقم: ١٨٩)

قال ابن حجر: كأن قام وصدره في مجلس أو خدمه من غير عذر يلجئه إلى ذلك. (مرقاة المفاتيح ٢٧١/١ تحت رقم: ١٨٩ دار الكتب العلمية بيروت)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ١٤٨/٣ زكريا)

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ١٤٨/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۶/۱۴۳۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دسویں و چالیسویں میں طلبہ مدارس کی دعوت

سوال (۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں کسی شخص کے انتقال کے بعد دسویں، بائیسویں یا چالیسویں دن کھانا تیار کیا جاتا ہے اور پھر رشتہ دار، اعزاء اور اقرباء نیز مدرسہ کے طلبہ کی دعوت کی جاتی ہے، بعض مدرسہ کے ذمہ داران طلباء کو بھیج دیتے ہیں اور بعض نہیں بھیجتے ہیں۔

اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اہل میت کا یہ فعل درست ہے؟ اور مدرسہ کے طلبہ کو ایسی دعوت میں بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اعزاء واقرباء کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - میت کے دسویں یا چالیسویں وغیرہ کے موقع پر دعوت کا اہتمام بے اصل اور بدعت ہے؛ کیوں کہ دعوت تو خوشی کے مواقع پر پسندیدہ ہے، نہ کہ غم کے موقع پر؛ لہٰذا ایسی بدعت والی مجالس وتقریبات میں اعزاء واقرباء؛ بلکہ کسی بھی مسلمان کا شریک ہونا درست نہیں ہے اور خاص طور پر مدارس کے طلبہ کو ایسی جگہ بھیجنا بالکل جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس سے نہ صرف یہ کہ بدعت کی تائید ہوتی ہے؛ بلکہ طلبہ کی تعلیم وتربیت پر بھی بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال: صلى بنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم ثم أقبل علينا ...... فقال: وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (سنن أبي داؤد، كتاب السنة / باب لزوم السنة ٦٣٥/٢، المسند للإمام أحمد بن حنبل ١٢٦/٦، سنن الترمذي، أبواب العلم / باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة ٩٦/٢، سنن ابن ماجة ٦/١)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من تشبه بقومٍ فهو منهم. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس / باب في لبس الشهرة ٥٥٩/٢ رقم: ٤٠٣١، مشكاة المصابيح، كتاب اللباس / الفصل الثاني ٣٧٥)

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعةٌ مستقبحةٌ. وهٰذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون وجه اللّٰه تعالىٰ – إلىٰ قولهٖ – ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائبٌ مع قطع النظر عما يحصل عند ذٰلک غالبًا من المنكرات الكثيرة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت ١٤٨/٣-١٤٩ زكريا، ٢٤١/٢ كراچی) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام صاحب کا تیجہ دسواں چالیسواں وغیرہ میں شرکت کرنے کا حکم

سوال (۳۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام صاحب کو تیجہ، دسواں اور چالیسواں وغیرہ میں گھروں میں دعاء وفاتحہ کے لئے جانا چاہئے یا نہیں؟ اگر نہ جانے سے مقتدی ناراض ہوں تو وہ کیا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- تیجہ، دسواں اور چالیسواں وغیرہ کا اہتمام ناجائز

اور بدعت ہے، اِمام صاحب کو ایسی بدعات والی رسوم میں شرکت نہیں کرنی چاہئے، اور حکمتِ عملی اور حسنِ تدبیر کے ساتھ مقتدیوں کو شریعت کا حکم بتا کر اُن کو بدعات سے دور رہنے پر آمادہ کرنا چاہئے۔

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعةٌ مستقبحةٌ ...... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه اللّٰه تعالىٰ ...... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائبٌ مع قطع النظر عما يحصل عند ذلک غالبًا من المنكرات الكثيرة، كإيقاد الشموع والقناديل التي لا توجد في الأفراح، وكدق الطبول والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن وغير ذلک مما هو مشاهد في هذه الأزمان وما كان كذلک فلا شک في حرمته. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت ۳/۱٤۸–۱٤۹ زكريا، ۲/۲٤۰ كراچی، البزازية علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الخامس والعشرون في الجنائز، نوع آخر ذهب إلى المصلى قبل الجنازة ٤/۸۱ قديم زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ٥/۳٤٤ قديم زكريا، البحر الرائق، كتاب الجنائز / فصل السلطان أحق بصلاته، تحت قوله: فمشىٰ قدامه ۲/۱۹۲، فتح القدير ۲/۱٤۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دعوت کھانے کے بعد اجتماعی جہری دعا کو لازم سمجھنا

سوال (۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ دعوت کھانے کے بعد اجتماعی طور پر جہراً ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے ہیں، اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اُس پر اشکال کیا جاتا ہے اور ایسے شخص پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور جو اس طرح کی دعا کرنے کے کو منع کرتے ہیں تو اس سے جھگڑنے لگتے ہیں۔ اور عوام تو یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ ایسی دعا کرنا جائز نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ دعوت کھانے کے بعد اِس طرح کی دعا کرنا باپ داداؤں سے چلی آرہی ہے اور آج تک کسی نے منع نہیں کیا اور نہ ناجائز کہا اور آج کل تم لوگ ایسے ایسے پڑھ کے آتے ہو پھر منع کرتے ہو، کیا اُن کا اِس طرح کہنا صحیح ہے؟

اِس طرح کی دعا کرنے کے بارے میں بہت سے علماء کے درمیان اختلاف ہے اور جو لوگ جائز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اِس طرح دعا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اور بعض لوگوں کا خیال تو اِس حد تک پہنچ چکا ہے کہ جو دعوت کھلانے والے ہیں وہ تو خود کھانے کے بعد کہتے ہیں کہ مل کر ایک دعا کی جائے اور اس طرح کی دعا کو ضروری سمجھتے ہیں، کیا اُن کا اِس طرح کہنا اور ضروری سمجھنا صحیح ہے؟

اور دعوت کھلانے والے یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہم دعوت اِس لئے کرتے ہیں؛ تا کہ ہمارے لئے کوئی دعا کی جائے، کیا اُن کا ایسا خیال رکھنا صحیح ہے؟ اور ایسی دعوت کھانا کیسا ہے؟

اور مذکورہ دعوت میں علماء کرام کا شامل ہونا کیسا ہے؟ تشفی بخش وضاحت کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- تفصیلی سوال نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے علاقہ میں بہت سے عوام اور بعض خواص دعا کے بارے میں ہاتھ اُٹھانے کے اَدب کو اِس درجہ واجب اور ضروری خیال کرنے لگے ہیں کہ اِس رواج پر عمل نہ کرنے والوں پر اعتراض اور طعن و تشنیع کا ارتکاب کرتے ہیں اور کسی غیر ضروری چیز کو واجب کا درجہ دینا بھی بدعت میں شامل ہے؛ اِس لئے مذکورہ علاقہ میں دعوت کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا نہ صرف یہ کہ جائز نہیں؛ بلکہ واجب الترک ہے، علماء کو اِس پر حکمت عملی کے ساتھ نکیر کرنی چاہئے۔ اور عوام کو بھی چاہئے کہ

وہ ضد پر نہ رہیں؛ بلکہ علماء راسخین کی رہنمائی کو قبول کریں اور کسی بات کا باپ داداؤں کے زمانہ سے جاری رہنا اُس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اور رہ گئی دعوت کھلانے کے بعد داعی کے لئے دعا کرنا تو یہ دعا کرنا سنت سے ثابت ہے۔ اور اس بارے میں متعدد احادیث اور دعائیہ کلمات وارد ہیں؛ لیکن اِس کے لئے نہ تو ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا شرط ہے اور نہ اِس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً ہاتھ اُٹھانا ثابت ہے۔

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها. (مجموعة رسالة اللكهنوي ٣/٣٤، بحواله: فتاویٰ قاسميه ١٩٣/٣)

عن أنس رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم جاء إلى سعد بن عبادة فجاء بخبز وزيت فأكل ثم قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة. (سنن أبي داؤد ٥٣٨/٢ رقم: ٣٨٥٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۷/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تدفین کے بعد قبرستان میں مہمانوں کے کھانے کا اعلان کرنا

سوال (۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں میت کو دفنانے کے بعد ایک شخص یہ اعلان کرتا ہے کہ تمام مہمان کھا کر جانا، کیا کھانے کا اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟ اِس کھانے کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کھانے کو خاندان والے کھا سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- میت کے گھر والوں اور باہر سے آنے والے متعلقین واعزاء کے لئے کھانے کے اہتمام میں حرج نہیں؛ لیکن پاس پڑوس اور سبھی برادری کے

لوگوں اور جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی باقاعدہ دعوت کرنا اس موقع پر ثابت نہیں ہے، یہ رسم قابل ترک ہے؛ بلکہ پڑوسیوں اور قریبی رشتہ داروں کی طرف سے میت کے گھر والوں کے لئے کھانا پہنچانے کا حکم حدیث میں دیا گیا ہے۔

ویستحب لجیران أهل المیت والأقرباء الأباعد تهیئة طعام لهم الخ، ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة. (رد المحتار / مطلب في کراهة الضیافة من أهل المیت ۱۴۸/۳ زکریا)

ویسرع في جهازه لما رواه أبو داؤد عنه صلی اللّٰه علیه وسلم لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال: ما أری طلحة إلا قد حدث فیه الموت فإذا مات فآذنوني حتی أصلي علیه وعجلوا به فإنه لا ینبغي بجیفة مسلم أن تحبس بین ظهراني أهله. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ۸۳/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۳/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

بوقتِ تعزیت ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا

سوال (۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب کسی کا انتقال ہوجائے تو تعزیت کرتے وقت میت کے لئے اِسی طرح پسماندگان کے لئے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - تعزیت کے موقع پر ہاتھ اُٹھا کر دعا کا التزام ثابت نہیں ہے؛ تاہم بلا کسی التزام کے اگر کوئی شخص اہل خانہ سے تسلی کے کلمات کہے اور پھر اجتماعی طور پر دعاء مغفرت کرادے تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ مگر اِسے ضروری نہ سمجھا جائے۔

عن سلمان رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن ربكم تبارك وتعالىٰ حي كريم يستحيي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفرًا. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب الدعاء رقم: ١٤٨٨)

ورد في الحديث الطويل: فدعا بماء فتوضأ ثم رفع يديه فقال: اللّٰهم اغفر لعبيد أبي عامر ورأيت بياض إبطيه، ثم قال: اللّٰهم اجعله يوم القيامة فوق كثير من خلقك ومن الناس الخ. (صحيح البخاري، كتاب المغازي / باب غزوة أوطاس ٦١٩/٢ رقم: ٤٣٢٤)

ويستحب أن يقال لصاحب التعزية: غفر اللّٰه لميتك، وتجاوز عنه وتغمده برحمته ورزقك الصبر على مصيبة وآجرك على موته. (الفتاوىٰ الهندية، أواخر أبواب الجنائز / الفصل السادس ٢٢٨/١ مكتبة الاتحاد ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پیر صاحب کا عورتوں کو لے کر عرس کرنا

سوال (۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں ایک پیر صاحب اپنے آپ کو سنی کہتے ہیں، اور ہر سال اپنے مریدوں کو لے کر عرس کرتے ہیں، جس میں عورتیں بھی شریک ہوتی ہیں، اور سب مل کر حلقہ بندی ذکر کرتے ہیں اور قوالیاں گاتے ہیں۔ نیز مریدین حضرات پیر صاحب کے پیر پر سجدہ کرتے ہیں اور چومتے ہیں اور ہدیہ تحفہ پیش کرتے ہیں، اور کھڑے ہوکر ذکر قیام ومیلاد بھی کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، تو پھر اِس میں کیا خرابی ہے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ۶۰ ہزار کلام باطنی ہیں، جو علماء کرام نہیں جانتے۔ دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ اُن حضرات کا یہ عمل قرآن وحدیث کی روشنی میں کیسا ہے؟ کیا یہ سب درست ہے؟ اور اُن لوگوں کا یہ کہنا کہ اس میں کیا خرابی ہے، صحیح ہے یا غلط؟ وضاحت کے ساتھ مدلل جواب عنایت فرمائیں، آپ کی مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال نامہ میں جس طرح کے پیر صاحب اوراُن کے اَعمال کا ذکر کیا گیا ہے، یہ سب باتیں شریعت کے خلاف ہیں، مردوں عورتوں کا اختلاط اور قوالیوں کا گانا بجانا اور پیر صاحب کو سجدہ کرنا وغیرہ اسلام میں جائز نہیں ہے، اور اِسلام کی سب باتیں قرآن وحدیث آثار صحابہ اور فقہی جزئیات میں موجود ہیں، جن سے ہر آدمی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ پس مذکورہ پیر صاحب کا یہ کہنا کہ ۶۰ ؍ ہزار کلام باطنی ہیں جسے علماء نہیں جانتے، یہ محض جہالت اور نادانی ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر منکرات کے ساتھ کرنا اللہ کے نام کی توہین ہے، جسے ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا۔

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضي اللّٰہ عنہ قال: الغناء ینبت النفاق في القلب، کما ینبت الماء الزرع. (السنن الکبری للبیهقي، کتاب الشهادات / باب الرجل یغنّي فیتخذ الغناء صناعة الخ ۱۰/۳۷۷ رقم: ۲۱۰۰۷ دار الکتب العلمیة بیروت)

السماع والقول والرقص الذي یفعله المتصوفة في زماننا حرام، لا یجوز القصد إلیه والجلوس علیه وهو والغناء والمزامیر سواء. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة / الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي الخ ۵/۴۰۶ مکتبة الاتحاد دیوبند)

والولي هو العارف باللّٰہ تعالیٰ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن السیئات المعرض عن الانهماک في اللذات والشهوات والغفلات واللهوات. (شرح الفقه الأکبر ۷۹)

عن عقبة بن عامر رضي اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إیاکم والدخول علی النساء. (صحیح البخاري، کتاب النکاح / باب لا یخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم والدخول علی المغیبات ۲/۷۸۷ رقم: ۵۲۳۲)

عن أبي هریرة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ

علیہ وسلم: یکون في أخر الزمان دجّالون کذابون یأتونکم من الآحادیث لم تسمعوا أنتم ولا آبائکم فإیاکم وإیاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم. (مشکاة المصابیح، کتاب السنة / باب الاعتصام ۲۸/۱)

عن أبي ھریرة رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یکون في آخر الزمان دجالون کذابون، یأتونکم من الأحادیث بما لم تسمعوا أنتم ولا آبائکم الخ. قال القاري: أي یتحدثون بالأحادیث الکاذبة ویبتدعون أحکامًا باطلة واعتقادات فاسدة. (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان / باب الاعتصام بالکتاب والسنة ۲۳۹/۱ رقم: ۱۵٤ دار الفکر بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۶/۴ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

غلط مسئلہ بتا کر اُس پر اَڑ جانا

سوال (۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی عالم صاحب یا مفتی صاحب خلافِ شرع مسئلہ بتلائیں، اور نہ ہی تحقیق کریں اور نہ ہی رجوع کریں؛ بلکہ جو کہہ دیا اس پر جمے رہیں، اور بڑوں سے کوئی تحقیق نہ کریں تو ایسے شخص کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھنا چاہئے؟ اور ایسے عالم صاحب یا مفتی صاحب کی اِمامت کا کیا حکم ہے؟ جو بلا تحقیق مسائل بتلاتے ہوں اور بے فکر رہتے ہوں، یعنی تحقیق نہ کرتے ہوں اور جو کہہ دیا اُسی پر جم جاتے ہوں، کیا اُن کی اِمامت صحیح ہے؟ جب کہ کمیٹی کو وسعت اور اختیار ہے کہ مضبوط علم والے اور جید علماء اور مفتی صاحب کو لاکر رکھ سکتے ہیں؟ اِس سلسلے میں کمیٹی کے ذمہ دار حضرات کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ واضح فرمائیں مہربانی ہوگی۔

میرے سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین، دنیا وآخرت میں حق بات کہنے کا اَجر اور صلہ مرحمت فرمائے، آمین ثم آمین۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں کسی بھی شخص کو غلط مسئلہ قصداً نہیں بتانا چاہئے اور اگر غلطی معلوم ہوجائے تو رجوع کرلینا چاہئے، بلاوجہ غلطی پر جمنا اہل حق کا شعار نہیں ہے۔

عن أبي عثمان جليس أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: من أُفتِيَ بغير علم كان إثم ذلك علىٰ من أفتاه.

(المسند للإمام أحمد ٣٦٥/٢ قديم، ٣٨٤/١٤ رقم: ٨٧٧٦ مؤسسة الرسالة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۲/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتابُ العلم

متعلقاتِ قرآن

’’الی المرافق‘‘ اور’’الی اللیل‘‘ میں غایت کے حکم میں فرق کیوں؟

سوال (۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پوچھنا یہ ہے کہ ﴿فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ﴾ یہاں ’’إلی‘‘ کے ہوتے ہوئے بھی ’’مرفق‘‘ غسل ید میں داخل ہے؛ جب کہ آیت: ﴿فَاَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيۡلِ﴾ میں ’’إلی‘‘ نے ’’صیام‘‘ کو ’’لیل‘‘ میں داخل ہونے سے روک دیا ہے، میری ناقص رائے میں نحوی اعتبار سے ’’إلی‘‘ کا عمل دونوں جگہ ایک جیسا ہونا چاہئے؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- **الف**:- عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب ’’إلی‘‘ کے ذریعہ کسی لفظ کی تحدید کی جائے اور وہ حد پہلے سے اُس لفظ کے عموم میں شامل ہو تو ’’إلی‘‘ کے بعد ذکر کردہ حد؛ محدود میں داخل ہوتی ہے، مثلاً: ’’ید‘‘ یعنی ہاتھ کا اطلاق انگلیوں سے بغل تک ہوتا ہے، تو جب اس کی تحدید ’’مرافق‘‘ یعنی کہنیوں سے کی گئی تو کہنیاں وضو کے حکم میں شامل ہوں گی۔ نیز پیغمبر علیہ السلام سے وضو میں بالاہتمام کہنیوں کا دھونا ثابت ہے اور آپ کا یہ عمل قرآنی آیت کی تفسیر وتشریح کے لئے کافی ہے اور کہنیوں کے اعضائے وضو میں داخل ہونے پر اجماع ہونے کی بات بھی فقہاء سے منقول ہے۔

ب:- نیز یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب ’’إلی‘‘ کے ذریعہ ایسی حد بیان کی جائے جو پہلے سے لفظ میں شامل نہ ہو تو وہ حد؛ محدود میں داخل نہ ہوگی جیسے روزے میں ’’الصیام‘‘ کی تحدید ’’اللیل‘‘ سے کی گئی ہے؛ جب کہ ’’الصیام‘‘ کا اطلاق لغتاً صرف تھوڑی دیر کے امساک پر ہوتا

ہے، رات کا کوئی جزو ''الـصـیـام'' میں داخل نہیں ہے؛ لٰہذا مذکورہ قاعدے کی رو سے ''رات'' روزے کی حد میں داخل نہیں ہوگی۔

علاوہ ازیں چوں کہ قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے، اِس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں ایک طرف ﴿اَتِـمُّوْا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾ فرمایا گیا، وہیں ﴿كُـلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ بھی فرمایا گیا، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روزے کا حکم رات میں نہیں ہے۔

بہر حال درج بالا تفصیل سے مذکورہ دونوں آیتوں کے حکم میں فرق سمجھا جا سکتا ہے۔

ولـنـا أن هـذه الـغاية لإسقاط ما ورائها يعني أن الغاية على نوعين: نوع يـكون لمد الحكم إليها، ونوع يكون لإسقاط ما ورائها، والفاصل بينهما حال صـدر الكلام، فإن كان متناولا لما ورائها كانت للثاني، وإلا فللأول، وما نحن فيـه مـن الثـاني لأن ذكر اليد يتناول الآباط بدليل أن الصحابة رضي اللّٰه عنهم وهـم أهـل اللسان فهموا ذلک من آية التيمم، فتبقى المرفق داخلةً، بخلاف ذكـر الـصـوم؛ فـإنـه يتناول الإمساک ساعة فكانت لمد الحكم إليها، فيبقى الليل خارجًا. (العناية شرح الهداية مع فتح القدير / كتاب الطهارات ۱۶/۱-۱۷ دار الفكر بيروت)

قـولـه تـعـالـىٰ: ﴿وَاَيْـدِيَـكُـمْ اِلَـى الْمَرَافِقِ﴾ واختلف الناس في دخول المرافق في التحديد، فقال قوم نعم؛ لأن ما بعد ''إلى'' إذا كان من نوع ما قبلها دخل فيه، قاله سيبويه وغيره، وقيل: لا يدخل المرفقان في الغسل، والروايتان مـرويتـان عـن مـالک، الثـانية لأشهـب، والأولـىٰ عـليهـا أكثـر العلماء، وهو الـصحيح؛ لما روا الدار قطني عن جابر رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسـلـم كـان إذا تـوضـأ أدار الماء علىٰ مرفقيه الخ؛ ولأن اليد عند العرب تقع عـلى أطراف الأصابع إلى الكتف الخ، فلما قال: ''إلى'' اقتطع من حد المرافق

عن الغسل، وبقيت المرافق مغسولة إلى الظفر، وهذا كلام صحيح يجري على الأصول لغة ومعنىً. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ٦/١٥ دار الفكر بيروت)

قوله تعالىٰ: ﴿ثُمَّ اَتِمُّوْا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾ أمر يقتضي الوجوب من غير خلاف و"إلى" غاية، فإذا كان ما بعدها من جنس ما قبلها فهو داخل في حكمه، كقولك: اشتريت الفدان إلى حاشيته، أو اشتريت منک من هذه الشجرة إلى هذه الشجرة، والمبيع شجر، فإن الشجرة داخلة في المبيع، بخلاف قولک: اشتريت الفدان إلى الدار، فإن الدار لا تدخل في المحدود، إذ ليست من جنسه، فشرط تعالى تمام الصوم حتى يتبين الليل، كما جوز الأكل حتى يتبين النهار. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ٢/٣٠٥ دار الفكر بيروت)

قال العلامة ظفر أحمد العثماني في إعلاء السنن: ولنا إجماع الأمة على دخولها، كما قال في البحر الرائق: والحق أن شيئًا مما ذكروه لا يدل على الافتراض، فالأولىٰ الاستدلال بالإجماع على فرضيتها، قال الإمام الشافعي – رحمه الله تعالىٰ – في الأم: لا نعلم مخالفًا في إيجاب دخول المرفقين في الوضوء، وهذا منه حكاية الإجماع، قال في فتح الباري بعد ما نقله عنه: فعلىٰ هذا فزفر رحمه الله تعالىٰ محجوج بالإجماع قبله الخ. (إعلاء السنن، كتاب الطهارة / باب صفة الوضوء وفضله ١/١١-١٢ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۱/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن میں ترمیم و تنسیخ کا عقیدہ رکھنا

سوال (۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو اللہ کی کتاب قرآنِ مجید کے بارے میں شک کرے یا اُس کے کامل نہ ہونے کا عقیدہ

رکھے، یا اُس کے بعض حصہ کا انکار کرے یا اُس میں ترمیم وتنسیخ کو جائز ٹھہرائے، تو اُس کے بارے میں حکم شرع مدلل تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی سچی اور آخری کتاب ہے، اُس کے کسی جزء کے بارے میں بھی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، پس جو شخص اس میں شک کرے یا اُس کے کسی حصہ کا انکار کرے وہ بلاشبہ زندیق ہے، اُس کا دین اِسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

إذا أنکر الرجل آیة من القرآن أو تسخر بآیة من القرآن (وفي الخزانة) أو عاب کفر. (الفتاویٰ الهندیة / مطلب في موجبات الکفر ۲۶۶/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۱/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآنِ کریم کو عربی تلفظ کے ساتھ ہندی یا انگریزی میں لکھنے کا حکم

سوال (۴۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے انگلش، ہندی پڑھنے والے طلبا کے لئے آسان دینیات کے نام سے کتاب لکھی ہے اس میں اوپر قرآن پاک کی سورتوں کو لکھا، پھر ان آیات اور سورتوں کے نیچے انگلش یا ہندی میں ان آیات اور سورتوں کو لکھا تاکہ ان طلبہ کو اس ہندی یا انگلش کی مدد سے قرآن پاک کا پڑھنا آسان ہو جائے، اس طرز تحریر پر بعض علماء کو اشکال ہے کہ آیاتِ قرآنیہ اور سورتوں کو کسی بھی حال میں ہندی یا انگلش میں نہیں لکھ سکتے، جب کہ مؤلف کتاب نے ان کو سمجھایا کہ ہمارا مقصد قرآنی آیات وسورتوں کو ہندی یا انگلش میں لکھنا نہیں ہے، ہم نے تو باقاعدہ ہر صفحہ پر پہلے قرآن کی آیات اور سورتیں مع اعراب لکھی ہیں، پھر نیچے انگلش میں لکھا ہے، علماء نے کتاب النوازل (۲۵۱/۲) کا حوالہ دے کر مؤلف کی کتاب کے اس طرز تحریر کو غلط ثابت کر دیا، آں محترم سے اس

سلسلے میں وضاحت مطلوب ہے کہ یہ طرزِ تحریر طلباء کو جو کالج واسکول میں پڑھتے ہیں، قرآن پڑھنے سے مناسبت پیدا ہوجائے، درست ہے؟ اور اس پر کتاب النوازل کا حوالہ کہاں تک درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں جب قرآنی آیات کا ہندی یا انگریزی میں تلفظ لکھا جائے گا تو یقیناً قرآنی حروف صحیح مخرج سے ادا نہیں ہو پائیں گے؛ لہٰذا اگرچہ اُوپر اصل قرآنی آیات لکھی ہوں، پھر بھی مذکورہ زبانوں میں آیات کا تلفظ لکھنا جائز نہ ہوگا؛ جیسا کہ ’’کتاب النوازل‘‘ کے مذکورہ حوالہ میں تحریر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اِس میں ایک اور خرابی یہ بھی ہے کہ جب چھوٹے بچوں کو ہندی یا انگریزی تلفظ کے ذریعہ آیات پڑھا دی جائیں گی تو وہ سہولت پسندی کی وجہ سے اصل قرآنی حروف شناسی سے محروم رہیں گے، جو بجائے خود ایک نقصان کی بات ہے؛ لہٰذا الگ زبان میں تلفظ لکھنے کے بجائے ہر مسلمان بچے اور بچی کو نورانی قاعدہ وغیرہ پڑھا کر براہِ راست قرآن پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، یہی بہتر اور صحیح طریقہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/۵۰۷ ڈابھیل، کفایت المفتی قدیم ۲/۱۰۶، فتاویٰ قاسمیہ ۴/۳۱-۳۵ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

وسئل هل تحرم كتابة القرآن الكريم بالعجمية كقراء ته؟ فأجاب بقوله: قضية ما في المجموع عن ا لأصحاب التحريم وأيضا ففي كتابته بالعجمية تصرف في اللفظ المعجز الذي حصل التحدي به بما لم يرد، بل بما يوهم عدم الإعجاز بل الركاكة – إلىٰ قولهٖ – وزعم أن كتابته بالعجمية فيها سهولة للتعليم كذب مخالف للواقع والمشاهدة، فلا يلتفت لذلک، على أنه لو سلم صدقة لم يكن مبيحًا لإخراج ألفاظ القرآن عما كتبت عليه وأجمع عليها السلف والخلف. (الفتاویٰ الفقهية الكبریٰ لابن حجر الهيثمي، كتاب الطهارة / باب النجاسة ۱/۳۸-۳۷ المكتبة الإسلامية) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

قرآنِ کریم کی چند سورتوں کا صرف ہندی ترجمہ شائع کرانا

سوال (۴۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب خیر موجودہ حالات کے پیش نظر عوام کو قرآن کے قریب کرنے کی نیت سے قرآنِ کریم کی چند سورتوں کا آیات کے حوالہ کے ساتھ صرف ترجمہ ہندی میں بغیر عربی عبارت کے چھپوا کر تقسیم کرانا چاہتے ہیں۔ کیا اِس کی اِجازت ہے یا نہیں؟ درج ذیل سورتیں طبع کروانا چاہتا ہے، سورۂ توبہ، سورۂ یٰس، سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ، سورۂ نبا، سورۂ تکویر، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ اور آخر کی دس سورتیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- قرآنِ کریم سورتوں کا عربی آیات کے بغیر محض ترجمہ چھاپنا شرعاً جائز نہیں ہے، اِس میں بہت سے مفاسد پائے جاتے ہیں، جن میں سب سے بڑا مفسدہ یہ ہے کہ جاہل عوام اس ترجمہ کو اصل قرآن سمجھنے لگیں گے؛ حالاں کہ یہ ترجمہ اصل قرآن نہیں ہے؛ لہٰذا اِس طرح ترجمہ ہرگز نہ چھاپا جائے اور نہ تقسیم کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۱۹/۷-۲۲۰ میرٹھ)

إن اعتاد القرآن بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفًا بها يمنع. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، مطلب في بيان المتواتر والشاذ ۱۸۷/۲ زكريا، ۴۸۶/۱ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مصحفِ عثمانی کے موافق بریل رسم الخط میں قرآن کی طباعت؟

سوال (۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: (۱) نابینا لوگوں کے لئے بریل رسم میں قرآن کریم تیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(رسم عثمانی):

(۲) بریل قرآن مجید میں مکمل ''رسم عثمانی'' کی اتباع لازم وضروری ہے یا تخفیف کی بھی گنجائش ہوسکتی ہے؟ جب کہ بریل قرآن میں مکمل رسم عثمانی کی اتباع بآسانی ہوسکتی ہے، مکمل ''رسم عثمانی'' کی اتباع میں زیادہ سے زیادہ کچھ ہی صفحات کا اِضافہ ہوسکتا ہے؟

مختلف بریل مصاحف میں موجودہ حذف وتبدیل کی مثالیں یہ ہیں:

(۱) تبدیل کی شکل: (الُ لـٰہ) لفظ اللہ کے لام پر تشدید حذف کرنے اور تقسیم لفظ کی وجہ سے اصل شکل میں تبدیلی ہوئی ہے۔

(۲) حذف حرف اصلی: (بِ ٓیاتِنا) اس کے شروع میں الف قطعی محذوف ہے۔

(۳) ابدال: (صلاۃ) نابینا کو تلاوت میں مغالطے اور اشتباہ سے بچنے کے لئے اصلی حرف واؤ کو الف سے بدل دیا گیا ہے۔

(۴) حذف: (ماکٰن) اِس میں الف اصلی کو حذف کرکے کھڑا زبر لکھا گیا ہے۔

(۵) نقل حرکت: (حـنیـفًا) اس میں دوزبر بجائے فاء کے الف پر لایا گیا ہے؛ جس کی وجہ سے ''الف'' ہمزہ سے بدل جاتا ہے۔

(۶) دوحرف کے قائم مقام ایک حرف کو بنانا: (مبتدی نابینا طلبہ کی سہولت کے لئے اختصار کے پیش نظر دوحرفوں کے قائم مقام بریل رسم میں کوئی ایک ایسا نمبر متعین کیا گیا ہے جو ان دونوں کی ترجمانی کرتا ہے؛ جب کہ ان دونوں حرفوں کے لئے الگ الگ نمبرات موجود ہیں، مثلاً ''لا'' دوحرفوں (لام، الف) سے مرکب ہے، بریل میں لام کا نمبر الگ اور الف کا نمبر الگ ہے۔ ''لا'' (مرکب) کے لئے ایک خاص نمبر متعین کردیا گیا ہے)

دوکلمہ کی مثال: (ولا الضالین) لا کے الف کو حذف کئے بغیر پڑھا جائے گا؛ حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

ایک کلمہ کی مثال: (مــلائه) لا کے الف کو حذف کئے بغیر پڑھا جائے گا؛ حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- (۱-۲) اولاً یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ''بریل رسم الخط'' رسم عثمانی کا بدل نہیں ہے؛ بلکہ یہ درحقیقت اَلفاظ وحروف پر دلالت کا ایک طریقہ ہے، پس جس طرح پہلے زمانے میں نابینا شخص کو آواز سنا کر ''قوتِ سامعہ'' کے ذریعہ پڑھایا جاتا تھا اور وہ سن کر صحیح پڑھتا تھا اور یاد بھی کرتا تھا، اسی طرح موجودہ زمانے میں ''بریل رسم الخط'' میں ابھرے ہوئے نقطوں کے ذریعہ ''قوتِ لامسہ'' کی مدد سے نابینا شخص کو تعلیم دی جاتی ہے، اب اس ''بریل رسم الخط'' میں جو ابھرے ہوئے نقطے ہوتے ہیں وہ حقیقت رسم الخط نہیں؛ بلکہ وہ حروف کو پہچاننے کی علامات ہیں؛ لیکن حسبِ تحریر سوال چوں کہ اس کو مصحف عثمانی کے موافق کرنے میں بھی کوئی خاص دشواری نہیں ہے؛ اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ رسم عثمانی کی رعایت رکھ کر ہی بریل رسم الخط کی ترتیب دی جائے۔

قال الحليمي رحمه الله: ولأن النقطة ليست مقروءة فيتوهم لأجلها ما ليس بقرآن قرآنًا، وإنما هي دلالات على هيئة المقروء فلا يضر إثباتها لمن يحتاج إليها، والله أعلم. (شعب الإيمان للبيهقي، تعظيم القرآن / فصل في إفراد المصحف للقرآن ۲۱۹/۲ مكتبة الرشد رياض)

الأولىٰ أن يقرأ على ترتيب المصحف قال في شرح المهذب؛ لأن ترتيبه لحكمة فلا يتركها إلا فيما ورد فيه الشرع. (الإتقان / النوع الخامس والثلاثون في آداب تلاوته ۳۰۶/۱ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۲/۸/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بریل رسم الخط کے مصحف میں اعراب کے اندر تخفیف؟

سوال (۴۵):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اعرابِ قرآنی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کے حذف وتخفیف یا کسی قاعدہ بریل کی وجہ سے ترمیم کی کس حد تک گنجائش ہے؟

(۱) (مَنْ رَّبُّکَ) اس میں راء پر تشدید متروک ہے۔

(۲) (عَلَی اللّٰہ) اس میں کھڑا زبر بجائے لام کے یاء پر ہے۔

(۳) حذفِ حرکت: (اولئک) واو سے پہلے پیش حذف کیا گیا ہے، بریل قاعدہ کی مطابق اس کو ''واو مدہ'' سے پڑھا جائے گا۔

(۴) حروف مدہ والے کلمات کے اعراب کو ختم کر کے صرف حروف باقی رکھے گئے ہیں۔

مثالیں:

صحیح	غلط
مَا كَانَ=مَ ا کَ ا نَ	ما کٰن= م ا کٰ ن
حَنِيُفاً= ح َن ِی ُف ا ً	حَنِيُفاً= ح َن ی ف ا ً
آمنوا = ا ٰم َن ُو ُا	آمَنوا = ٓ م َن و ا
الصِّلٰوۃ = ال ّص َل ٰو ۃ	الصِّلاۃ= ال ص ّٓلا ۃ
اللّٰہ = اَل ّل ل ٰہ	اَ لُ للہ ا َل ُل ٰہ (پاکستان) اللّٰہ= ال ّل ہ (عرب)
بِاٰیاتنا = ب ِا ٰی َا ت ِن َا	بِ ٓیاتنا= ب ِی ا ت ِن ا
لاَ = ل َا	لا= لا 1236

مَلَائِہٖ= م َل َا ء ِہ ٖ	مَلا ئِہٖ= م َلا ء ِہ ٖ
خٰشِعُوْنَ= خ ٰش ِع ُو ْن َ	خاشِعون= خ ا ش ِع و ن َ
مِنْ رَّبُّکَ= م ِن ْ، ّر ّب ِک َ	مِ ن رَبِّکَ= م ِن
عَلٰی= ع َل ٰی	عَلٰی= ع َل ی ٰ
قَالَ= ق َا ل َ	قالَ = ق ا ل َ
قَالُوْا = ق َا ل ُو ْا	قالوا= ق ا ل و ا
فِيْ= ف ِي ْ	في= ف ی

بحمد للہ تعالیٰ المدرسۃ الامدادیۃ للمکفوفین میل وشارم تملناڈو نے ۲۰۱۴ء سے ۲۰۱۹ء تک کی پوری محنت اور کوشش سے بریل قرآن مجید کو مکمل رسم عثمانی کے عین مطابق تیار کر کے پرنٹ کر چکا ہے، جس سے پورے ہندوستان کے نابینا طلبہ پڑھتے اور مستفید ہوتے آرہے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- قرآنِ کریم کی تلاوت میں اعرابِ قرآنی کی رعایت لازم ہے، اِسی طرح جب اسے عربی تحریر میں لایا جائے گا، تو بھی صحیح اعراب کی رعایت لازم ہوگی؛ لیکن ’’بریل رسم الخط‘‘ چوں کہ حقیقۃً رسم الخط نہیں ہے؛ بلکہ حروف کی دلیل کی حیثیت رکھتا ہے، اِس لئے اس میں صرف اتنی رعایت کافی ہوگی کہ نابینا شخص جب اس پر انگلی پھیر کر پڑھے تو اس کی قرأت میں غلطی نہ ہو۔

المستفاد: وتعشيره ونقطه أي إظهار إعرابه، به يحصل الرفق جدًا خصوصًا للعجم فيستحسن. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ٩/٥٥٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲؍۲؍۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عربی کتب کو بریل رسم الخط میں شائع کرنا

سوال (۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآنِ مجید کے علاوہ دیگر عربی کتابوں کا (درسی وغیر درسی) بریل رسم میں رسم عثمانی ہی کے مطابق طباعت ضروری اور لازم ہے یا سہولت کے خاطر آسان رموز کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- قرآنِ کریم کے علاوہ دیگر عربی کتابوں کو حسبِ ضرورت بریل رسم الخط میں لکھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، اوراس میں رسم عثمانی کی پابندی لازم نہیں ہے۔

المستفاد: الأصل في الأشياء الإباحة، حتى يدل الدليل على عدم الإباحة. (الأشباه والنظائر / القاعدة الثالثة ص: ۱۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۸/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کی فحش فلموں والی میموری میں قرآن ڈاؤن لوڈ کرنا

سوال (۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ملٹی میڈیا موبائل میں اگر فحش مواد میموری میں محفوظ ہو تو اُسی موبائل میں قرآن کریم ڈاؤن لوڈ کرنا یا دیگر دینی کتابیں محفوظ کر کے اُن سے فائدہ اُٹھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِس مسئلہ میں اصل حکم شرعی تو یہی ہے کہ ایسے موبائل میں قرآنِ کریم یا دینی کتابیں رکھنا ممنوع نہیں ہے؛ اگر چہ اس کی میموری میں فواحش ومحرمات بھی موجود ہوں؛ اِس لئے کہ موبائل کے اندرونی نظام کے اعتبار سے میموری میں محفوظ

مواد خلط ملط نہیں ہوتا۔ بریں بنا یہ نہیں کہا جائے گا کہ قرآنِ کریم کے ساتھ حقیقۃً فحش چیزیں خلط ملط ہوگئی ہیں؛ البتہ عرفاً یہ بات یقیناً اَدب کے خلاف اور قرآنِ کریم کی حرمت وعظمت کے منافی ہے کہ جس آلہ سے قرآن پڑھا اور سنا جائے اسی آلہ کو محرمات میں استعمال کیا جائے؛ اس لئے اس سے احتراز کرنا اور موبائل کو ہر طرح کے محرمات سے خالی کردینا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔

قال اللّٰہ عزوجل: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾

[الأنعام، جزء آیت: ۱۵۲]

المستفاد: أما الصورة التي ليس لها ثبات واستقرار وليست منقوشة على شيء بصفةٍ دائمةٍ فإنها بالظل أشبه منها بالصورة. (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة / باب تحريم تصوير صورة الحيوان: التلفزيون ۹۸/٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرآن میں بنی اسرائیل کا تذکرہ سب سے زیادہ کیوں ہے؟

سوال (۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عرض یہ کرنا ہے کہ قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور اُن کی نبوت ورسالت کے تذکرے دیگر تمام اَنبیاء کے مقابلے میں بکثرت وارد ہوئے ہیں، اِس کی کیا وجہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اُمتِ محمدیہ کے اَحوال بنی اسرائیل کے حالات کے بہت مشابہ ہیں۔ نیز بنی اسرائیل نے جس طرح سرکشیاں کیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف انداز سے اُن پر مؤاخذہ ہوا، اِس طرح کے سبھی واقعات میں اُمتِ محمدیہ کے لئے بہت زیادہ عبرت وموعظت اور تنبیہات کا پہلو پایا جاتا ہے، اِسی بنا پر قرآن کریم میں بکثرت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کا تذکرہ وارد ہے۔

عن سهل بن سعد الأنصاري رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده لتركبن سنن من كان قبلكم مثلاً بمثلٍ. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ٥١٦/٣٧ رقم: ٢٢٨٧٨ الرسالة العالمية)

عن أبي واقد الليثي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما خرج إلى حنين، مر بشجرةٍ للمشركين يقال لها: ذات أنواط يُعلّقون عليها أسلحتهم، فقالوا: يا رسول الله! اجعل لنا ذات أنواط كما لهم ذاتُ أنواطٍ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم سبحان الله! هذا كما قال قوم موسىٰ: ﴿اِجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمۡ آلِهَةٌ﴾ والذي نفسي بيده لتركبن سنة من كان قبلكم. (سنن الترمذي، أبواب الفتن / باب ما جاء لتركبن سنن من كان قبلكم ٤١/٢ رقم: ٢١٨٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اَصحابِ کہف کے نام اور اُن کی فضیلت

سوال (۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اصحابِ کہف کے نام مع وضاحت اور فضیلت مطلوب ہیں، ساتھ ساتھ اِس بات کو بھی واضح کردیا جائے کہ جائز مقدمات میں ان ناموں کا استعمال اور ورد کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اُن کی فضیلت اور اُن کے ناموں کے ورد سے نجات مل سکتی ہے؟ علاوہ ازیں اِس ذیل میں کوئی دوسری شکل ہوتو اُس کو بھی واضح کردیا جائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ''المعجم الاوسط للطبرانی'' میں سیدنا حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر منقول ہے جس میں اصحابِ کہف کے درج ذیل اسماء ذکر کیے گئے ہیں: (۱) مکسلمینا (۲) تملیخا (۳) مرطونس (۴) بینونس (۵) ذرتونس (۶) کفاشطیطوس

(۷) منطنو اسیسوس، اور اصحاب کہف کے کتے کا نام ''قطمیر'' لکھا گیا ہے اور اس اثر کے آخر میں ابوشبیل کے حوالہ سے یہ بات مذکور ہے کہ جو شخص ان ناموں کو کسی چیز پر لکھ کر آگ میں ڈال دے تو وہ آگ بجھ جائے گی۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ۷؍۱۷۵ رقم:۶۱۱۳ ریاض) ان اسماء کو لکھ کر یا پڑھ کر فائدہ اُٹھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما في قول اللّٰه عزوجل: ﴿مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ قال ابن عباس: أن من أولئک القليل مكسلمينا، وتمليخا – وهو المبعوث بالورق إلى المدينة –، ومرطولس، ويثبونس، وذرتونس، وكفاشطيطوس، ومنطنواسيسوس – وهو الراعي –، والكلب اسمه قطمير، دون الكردي، وفوق القبطي، لا أظن فوق القبطي. قال أبو شبيل: قال أبي: بلغني أنه من كتب هذه الأسماء في شيء وطرحه في حريق سكن الحريق.

(المعجم الأوسط للطبراني ۱۷۵/۷ رقم: ٦١١٣ رياض)

وأنا أعد هذا من خواص أسمائهم فإنه صحيح مجرب. (روح المعاني ۳٥٦/۹ جز ١٥ زكريا)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بہشتی زیور'' میں قطب عالم حضرت گنگوہیؒ کے حوالہ سے ایک تعویذ بھی درج فرمایا ہے جس سے جواز کی تائید ہوتی ہے۔ (بہشتی زیور ۹؍۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴؍۱۱؍۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا اَصحابِ کہف کا کتا بھی جنت میں جائے گا؟

سوال (۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے تقریر میں بیان کیا کہ اصحاف کہف کا کتا ان کے ساتھ جنت میں داخل

ہوگا، تواس بارے میں فقہ وحدیث میں کوئی صراحت ہوتو اسے پیش کریں، اور یہ بھی بتائیں کہ کیا جنت میں کسی جانور کے داخلہ کا ثبوت ملتا ہے؟ اگر ثبوت ملتا ہے تو پھر اس حدیث کا کیا جواب ہو گا جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جانوروں کو حساب کے بعد مٹی بنادیا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اَصحابِ کہف کے کتے اور بعض جانوروں کے جنت میں داخل ہونے کے بارے میں بعض تفسیری روایات میں ذکر ملتا ہے، جن کی تصدیق یا تردید نہیں کی جاسکتی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/۷۰۰ ڈابھیل)

تاہم اگر ان روایات کو صحیح مان لیا جائے تو جانوروں کو قیامت میں مٹی بنائے جانے والی نصوص کا حکم عمومی اعتبار سے ہے اور جنت میں داخلے کی اجازت خصوصی استثناءات میں سے ہے جو فضل خداوندی سے مستبعد نہیں ہے۔

قیل لیس في الجنة دواب سویٰ کلب أصحاب الکهف وحمار بلعام.

(تفسیر الخازن / سورة الکهف ۳/۲۰۵ حافظ کتب خانه)

عشرة من الحیوانات تدخل الجنة: ناقة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم وناقة صالح علیه السلام: — إلیٰ قولهٖ — وکلب أهل الکهف، کلهم یحشرون، کذا في مشکاة الأنوار. (شرح الأشباه والنظائر للحموي ۳/۲۳۹، إدارة القرآن کراچی) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

تختِ بلقیس لانے والا کون تھا؟

سوال (۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں تختِ بلقیس کو لانے والا کون تھا، جن تھا یا فرشتہ؟ اور ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ﴾ میں ”علم من الکتاب“ سے کون سا علم مراد ہے اور کس کتاب کا علم مراد ہے؟ بعض علماء کی تقریر میں سنا کہ وہ ”علم من الکتاب“ سے اِیمان

مراد لے رہے تھے؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اکثر مفسرین لکھتے ہیں کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک وزیر کا نام آصف بن برخیا تھا، جن کو اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم معلوم تھا، جس کے ذریعہ دعائیں قبول ہوتی ہیں؛ چناں چہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر اعتماد فرماتے ہوئے عرض کیا کہ بحکم ربی ملکہ بلقیس کا تخت پلک جھپکتے ہی سامنے لایا جاسکتا ہے، پھر انہوں نے باوضو ہوکر اسم اعظم پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو بطور کرامت وہ تخت فوراً سامنے آگیا جو دراصل ''امر خداوندی'' کی تعمیل تھی اور اللہ تعالیٰ اپنے امر کی تنفیذ میں کسی واسطے اور سبب کے محتاج نہیں ہیں اس لئے یہی کہا جائے گا کہ خرق عادت کے طور پر جنات یا انسان وغیرہ کے واسطے کے بغیر تخت کی منتقلی ہوئی ہے اور ''علم من الکتاب'' سے آسمانی کتابوں اور اسم اعظم کا علم مراد لیا گیا ہے، جس کے ضمن میں ایمانیات بھی داخل ہیں۔

﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ قال ابن عباس: وهو آصف كاتب سليمان، وكذا روى محمد بن اسحاق عن يزيد بن رومان أنه أصف بن برخيا وكان صديقًا يعلم الاسم الأعظم، وقال قتادة: كان مؤمنًا من الإنس الخ، ثم قام فتوضأ ودعا اللّٰه تعالىٰ. قال مجاهد: قال يا ذا الجلال والإكرام. وقال الزهري: قال يا الٰهنا وإله كل شيء إلهًا واحدًا لا إلٰه إلا أنت ائتني بعرشها، قال: فمثل له بين يديه الخ. (تفسير بن كثير / سورة النمل ١٧٤/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

والمراد بالكتاب الجنس المنتظم لجميع الكتب المنزلة الخ، قيل كان ذلك العلم باسم اللّٰه تعالىٰ الأعظم الذي إذا سئل به أجاب وقد دعا ذلك العالم به فحصل غرضه. (روح المعاني ٣٠٤/١١، جزء: ١٩ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

قرآنِ کریم کی وجہ سے شیاطین کے اثر سے حفاظت

سوال (۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کوئی اِس طرح کی حدیث ہے کہ جس جگہ قرآن پڑھا جاتا ہے اس جگہ شیاطین کا تسلط نہیں ہوتا۔ اور جس جگہ قرآن نہیں پڑھا جاتا ہے اس جگہ شیاطین کا تسلط اور قبضہ ہو جاتا ہے؟ برائے مہربانی جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حدیث سے یہ بات صراحۃً ثابت ہے کہ جس جگہ سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطانی اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آیت الکرسی کے بارے میں بھی وارد ہے کہ جس گھر میں اسے پڑھا جائے گا تو شیطان اس کے قریب نہیں آئے گا۔ اِس طرح کی روایات سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کی برکت سے شیاطین سے حفاظت رہتی ہے اور جہاں قرآنِ کریم اور ذکر واذکار کا اہتمام نہ ہو وہاں شیطانی اثرات غالب آجاتے ہیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تجعلوا بيوتكم مقابر، إن الشيطان ينفر من البيت التي تقرأ فيه سورة البقرة.

(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين / باب استحباب صلاة النافلة في بيته وجوازها في المسجد ۷۸۰)

عن شداد بن أوس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من مسلم يأوي إلى فراشه فيقرأ سورة من كتاب اللّٰه تعالىٰ حين يأخذ مضجعه إلا وكل اللّٰه عزوجل به ملكًا لا يدع شيئًا يقربه يؤذيه يهب متى هب.

(الأذكار للنووي / باب ما يقول إذا أراد النوم واضطجع على فراشه ۹۳/۱ رقم: ۲۷۵ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

تلاوت کے وقت کسی حرف کو بار بار پڑھنا

سوال (۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآن پڑھتے وقت ایک ایک حرف کو کئی کئی بار پڑھنے کی عادت ہے، ایسا لگتا ہے کہ ''ح'' حلق سے نہیں اَدا ہو رہا ہے یا ''خ'' حلق سے نہیں اَدا ہو رہا ہے، تو ایسے میں کیا کرنا چاہئے؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - محض شک کی وجہ سے کسی حرف کو بار بار ادا کرنے کی عادت ڈالنا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر کوئی حرف صحیح طور پر اَدا نہ ہو رہا ہو تو اُس کی پہلے سے ہی مشق کر لی جائے اور پھر روانی کے ساتھ تلاوت کی جائے؛ تاہم دورانِ نماز اگر کسی حرف کو کئی بار پڑھ لیا گیا تو اُس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ [المزمل: ٤]

والترتيل ...... التأني في القراءة والتمهل وتبيين الحروف والحركات تشبيها بالثغر المرتل ...... وهو المطلوب في قراءة القرآن. (الموسوعة الفقهية ٢٥١/١٣ الكويت، تفسير القرطبي، المدخل / باب تحذير أهل القرآن والعلم من الرياء وغيره ١٧/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن أبي الحوراء العدوي قال قلت لحسن بن علي ما حفظت من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم؟ قال: حفظت من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم دع ما يريبك إلى ما لا يريبك. (سنن الترمذي / أبواب صفة القيامة والرقائق والورع ٧٨/٢ رقم: ٢٥١٨)

والمسلمون ...... متعبدون كذلك بتصحيح ألفاظه وإقامة حروفه على الصفة المتلقاة من أئمة القراءة المتصلة بالنبي صلى اللّٰه عليه وسلم. (الموسوعة الفقهية ٢٥١/١٣ الكويت)

ومنها تكرار الحرف أو الكلمة إن كرر حرفًا واحدًا، فإن كان ذلك إظهار تضعيف لم تفسد صلاته نحو أن يقرأ ومن يرتدد، وإن كان زيادة نحو أن يقرأ الحمد لله بثلاث لا مات تفسد صلاته. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري ۱/ ۸۰ زكريا قديم) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر عالم اور غیر حافظ کا تفسیر قرآنِ کریم کرنا

سوال (۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص غیر عالم غیر حافظ ہے بلکہ باشرع بھی نہیں ہے، ہماری مسجد میں ہر ہفتہ بروز اتوار کو تفسیر قرآن کریم کے لئے آتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے تفسیری حلقہ میں بیٹھتے بھی ہیں، اب آیا اس شخص کا تفسیر کرنا شریعت اسلامیہ کی رو سے اس کا کیا حکم ہے؟ ہم ان کو اپنی مسجد میں تفسیر کے لئے موقع دے سکتے ہیں یا نہیں؟ ہم ان کی تفسیری حلقہ میں بیٹھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - غیر عالم اور بے شرع شخص کے لئے تفسیر قرآن کریم جیسی عظیم ذمہ داری انجام دینا درست نہیں ہے، قرآنِ کریم ایسی معمولی کتاب نہیں ہے کہ جو شخص چاہے ضروری علم کے بغیر اس کے بارے میں رائے زنی کرے؛ بلکہ اس کے لئے مستند علم اور گہری بصیرت لازم ہے، اسی طرح جو شخص وضع قطع کے اعتبار سے شریعت پر عامل نہ ہو اس کو کسی دینی منصب پر فائز کرنا دین کی بے حرمتی ہے، بریں بنا کسی بھی غیر عالم اور بے شرع شخص کو مسجدوں میں تفسیر کا موقع دینا اور ان کے تفسیری حلقوں میں بیٹھنا جائز نہیں ہے، حکمت عملی کے ساتھ ایسے حضرات سے معذرت کر لینی چاہئے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

مـن قال في القرآن من غير علم فليتبوأ مقعده من النار. (سنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن / باب ما جاء في الذي يفسر القرآن برأيه ۲/۱۲۳ رقم: ۲۹۵۰)

عـن مـحـمـد بـن سيرين قال: إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم. (مقدمة مسلم / باب في أن الإسناد من الدين ۱/۱۱)

يـجـوز تـفسيـره لـمـن كا جامعاً للعلوم التي يحتاج إليها المفسر وهي خـمسة عشـر عـلـمـا ...... فـمـن فسر بدونها كان مفسرا بالرأى المنهى عنه.

(الاتـقـان فـي عـلـوم القرآن / النوع الثامن والسبعون في معرفة شروط المفسر وآدابه ٤/٢١٦– ٢١٤ الهيئة المصرية العامة للكتاب) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۶/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَحادیث، آثار اور اَقوال کی تحقیق

صحاحِ ستہ کے علاوہ اَحادیثِ صحیحہ والی کتابیں

سوال (۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) کہ ''صحاحِ ستہ'' کون کون سی کتابیں ہیں؟ اور حدیث کی ۹ر کتابیں کیا ہیں؟

(۲) کیا ''صحاحِ ستہ'' کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جن میں صحیح اَحادیث جمع کی گئی ہیں، کچھ کتابوں کے نام تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) اَحادیثِ شریفہ میں صحاحِ ستہ (۶ر صحیح کتابیں) کا اطلاق درج ذیل کتابوں پر ہوتا ہے:

(۱) بخاری شریف (۲) مسلم شریف (۳) نسائی شریف (۴) ابوداؤد شریف (۵) ترمذی شریف (۶) ابن ماجہ شریف۔ (معارف السنن ۱ر۷، فتاویٰ محمودیہ ۴ر۱۳۰ ڈابھیل)

اور بعض حضرات نے مذکورہ ۶ر کتابوں کے ساتھ مزید ۳ر کتابیں شامل کر کے ایک ''ایپ'' تیار کی ہے جو ''جامع الکتب التسعۃ'' کے نام سے مقبول ہے، وہ کتابیں یہ ہیں: موطا امام مالک، مسند الدارمی، مسند الامام احمد بن حنبل؛ تاہم قدیم کتابوں میں ''کتب تسعہ'' کی اصطلاح نظر سے نہیں گذری۔

(۲) صحاحِ ستہ کے علاوہ حدیث شریف کی بے شمار کتابیں موجود ہیں، جن میں جا بجا صحیح اَحادیثِ شریفہ ملتی ہیں، اور باتفاق محدثین تمام صحیح حدیثوں کا انحصار صرف صحاحِ ستہ پر نہیں ہے؛ بلکہ دیگر کتابوں میں بھی صحیح اَحادیث پائی جاتی ہیں، مثلاً: معانی الآثار للامام الطحاوی،

السنن الکبریٰ للامام البیہقی ، السنن الکبریٰ للامام النسائی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق، صحیح ابن حبان اور المعجم الکبیر للامام الطبرانی وغیرہم ۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴/۱۳۱-۱۳۲ ڈابھیل وغیرہ)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۶/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَحادیثِ شریفہ میں ’’ساعۃ‘‘ سے کتنی مقدار مراد ہے؟

سوال (۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مستدرک حاکم کی روایت حضرت سہیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ’’**مقام أحدکم في سبیل اللّٰہ ساعۃ الخ**‘‘ (**منتخب احادیث: ۶۵۹**) اس میں ایک گھڑی سے کتنا وقفہ مراد ہے، منٹ گھنٹے وغیرہ کے اعتبار سے۔

ایسے ہی جب آدمی گناہ کرتا ہے تو بائیں کاندھے والا فرشتہ ایک گھڑی رکا رہتا ہے، ممکن ہے توبہ کرلے، تو یہاں گھڑی سے کتنا وقت مراد ہے؟

ایسے ہی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل خانہ کو تدفین کے بعد اتنے وقت ٹھہرنے کی قبر پر وصیت فرمائی تھی جتنی دیر میں اونٹ والے اونٹ ذبح کرکے گوشت تقسیم کرنے میں لگاتے ہیں، اِس سے کتنا وقت مراد ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- عربی زبان میں لفظ ’’ساعۃ‘‘ کا اطلاق زمانہ کے ایک غیر متعین حصہ پر ہوتا ہے؛ لہٰذا سیاق وسباق دیکھ کر اِس کی تحدید کی جائے گی۔ بریں بنا حدیث ’’**مقام أحدکم في سبیل اللّٰہ ساعۃ**‘‘ میں اتنا وقت مراد لیا جائے گا جس میں کوئی معمولی سا معمولی امر انجام دیا جاسکتا ہو، اور گناہ کے اِرادے کے وقت فرشتے کا ایک گھڑی رکے رہنا اِس سے مراد گناہ کے عمل سے پہلے پہلے کا وقت ہے، جو کم یا زیادہ ہوسکتا ہے، اور اونٹ ذبح کرکے

گوشت تقسیم کرنے کی مدت یہ عمل کرنے والے کی مہارت کے اعتبار سے کم وبیش ہوسکتی ہے، پھر بھی اندازاً ایک ڈیڑھ گھنٹے کا تخمینہ لگایا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: القاموس الوحید ۸۲۳، مصباح اللغات ۴۰۷)

عن رافع بن خديج رضي اللّٰه عنه قال: كنا نصلي مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم العصر فننحر جزورًا فتُقسم عشر قسم الخ. (صحيح البخاري، كتاب الشركة / باب الشركة في الطعام والنهد ۲۴۸۵/۱ رقم: ۲۴۸۵)

قال النووي: منها: استحباب المكث عند القبر بعد الدفن لحظة. (حاشية صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب قول الإسلام يهدم ما كان قبله ۷۶/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِس حدیث میں ''ایمان باللہ'' اور ''ایمان بالآخرۃ'' کی قید؟

سوال (۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من كان يؤمن باللّٰه واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ومن كان يؤمن باللّٰه واليوم الآخر فليكرم ضيفه، ومن كان يؤمن باللّٰه واليوم الآخر فليقل خيرًا أو ليصمت. (صحيح البخاري رقم: ۶۰۱۸)

اِس حدیث شریف میں مذکورہ تینوں نصیحتوں کے ساتھ ایمان باللہ اور اِیمان بالآخرۃ کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - مذکورہ صفاتِ حسنہ کی ترغیب دیتے ہوئے خاص طور پر اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کو ذکر کیا گیا ہے؛ تاکہ اِیمانِ کامل سے متصف حضرات محض

دنیوی مفاد نہیں؛ بلکہ آخرت کے اجر وثواب کی اُمید رکھتے ہوئے مذکورہ اَعمال انجام دیا کریں، اور بلاشبہ یہ تعبیر اہل ایمان کے لئے اَعمالِ خیر بجالانے پر زیادہ آمادہ کرنے والی اور موٴثر ہے۔

قوله: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر: المراد بقوله يؤمن الإيمان الكامل وخصه بالله واليوم الآخر إشارة إلى المبدأ والمعاد أي من آمن بالله الذي خلقه وآمن بأنه سيجازيه بعمله فليفعل الخصال المذكورات. (فتح الباري شرح صحيح البخاري للحافظ ابن حجر العسقلاني، كتاب الأدب / باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره ۵۱۳/۱۰ رقم: ۶۰۱۸ دار البيان العربي القاهرة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۶/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قیامت میں نفخہ اُولیٰ اور ثانیہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا؟

سوال (۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قیامت میں نفخۂ اُولیٰ اور ثانیہ کے درمیان کتنے سال کا فاصلہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- حدیث میں ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان ۴۰ر کا فاصلہ ہوگا؛ لیکن اِس ۴۰ر سے دن مراد ہیں یا سال؟ اس کی تعیین نہیں کی جاسکتی، یہ اللہ ہی کو معلوم ہے، اور ایسی بحثوں میں پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما بين النفختين أربعون، قالوا: يا أبا هريرة؟ أربعون يومًا؟ قال: أبيت، قال: أربعون سنة؟ قال: أبيت، قال: أربعون شهرًا؟ قال: أبيت. (صحيح البخاري، كتاب التفسير / سورة الزمر رقم: ۴۸۱۴، صحيح مسلم، كتاب الفتن / باب ما بين النفختين رقم: ۲۹۵۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربِ قیامت میں اِیمان کے مدینہ منورہ میں سمٹ جانے کا مطلب

سوال (۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بخاری شریف حدیث: ۱۸۷۶ میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان مدینہ میں اس طرح سمٹ آئے گا، جیسے سانپ سمٹ کر اپنے بل میں آجاتا ہے، تو اس حدیث کے بارے میں مجھے یہ سوال کرنا ہے کہ یہ واقعہ سارا دین مدینہ منورہ کی طرف سمٹ آئے گا، یہ حضرت امام مہدی کے زمانے میں ہوگیا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ہوگا، ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ قیامت کے قریب ایک ہوا چلے گی جس سے دنیا میں جہاں جہاں اہل ایمان ہوں گے وہ سب وفات پاجائیں گے، اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کے علاوہ بھی کچھ نہ کچھ اہل ایمان موجود ہوں گے وغیرہ، خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کا صحیح مفہوم پیش فرمائیں تو نوازش ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِس حدیث کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ قیامت تک مدینہ منورہ اِیمان کا مرکز رہے گا اور مسلمانوں کے دلوں میں اُس کی محبت اور احترام برقرار رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ نیز بعض دیگر روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دنیا میں سب سے اخیر میں اہل ایمان کا آخری مستقر مدینہ منورہ ہی ہوگا، اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ دجال کے خروج کے وقت مدینہ منور سے تمام کفار ومنافقین نکل جائیں گے اور صرف مخلص مؤمنین وہاں رہ جائیں گے، اس کے برخلاف دنیا کے دیگر علاقوں میں اہل ایمان کے ساتھ منافقین وکفار بھی ہوں گے، بالآخر قیامت کے بالکل قریب شام یا یمن سے ایک ہوا چلے گی جو تمام اہل ایمان کی روح قبض کرلے گی، تو ظاہر ہے کہ اولاً شام ویمن کے رہنے والے مؤمنین کی روح قبض ہوگی، اس کے بعد یہ ہوا مدینہ منورہ پہنچے گی جہاں تمام اہل ایمان کی روح قبض کرلی جائے گی، بعد اَزاں مدینہ منورہ غیر آباد ہوجائے گا اور دنیا کے دیگر خطوں میں کفار اور بدکار لوگ باقی رہ جائیں گے، جن پر قیامت قائم ہوگی۔ اِس موضوع سے متعلق تمام روایات سے یہی خلاصہ نکل کر آتا ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن الإيمان ليأرز إلى المدينة كما تأرز الحية إلى جحرها. (صحيح البخاري، كتاب فضائل المدينة / باب الإيمان يأرز إلى المدينة رقم: ١٨٧٦)

قوله: كما تأرز الحية إلى جحرها: أي إنها كما تنتشر من جحرها في طلب ما تعيش به، فإذا راعها شيء رجعت إلى جحرها، كذلك الإيمان انتشر في المدينة، وكل مؤمن له من نفسه سائق إلى المدينة لمحبته في النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فيشمل ذلك جميع الأزمنة؛ لأنه في زمن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم للتعلم منه، وفي زمن الصحابة والتابعين وتابعيهم للاقتداء بهديهم ومن بعد ذلك لزيارة قبره صلى اللّٰه عليه وسلم والصلاة في مسجده، والتبرك بمشاهدة آثاره وآثار أصحابه الخ. (فتح الباري، كتاب فضائل المدينة / قوله باب الإيمان يأرز ١١٦/٤ دار الكتب العلمية بيروت، ٩٤/٤ دار المعرفة بيروت)

قال الشيخ محمد زكريا رحمه الله في لامع الدراري في شرح هذا الحديث: ثم يأتي زمان لايبقىٰ مؤمن إلا وهو في المدينة، وذلك لما علم أن المدينة آخر البلاد خرابا، وليس ذلك إلا لبقاء الإيمان فيها. (لامع الدراري مع الكنز المتواري ١٥٨/٩ مؤسسة الخليل الإسلامية فيصل آباد)

وقال صاحب "الإشاعة في أشراط الساعة" العلامة الرزنجي الحسيني: ومن الأشراط القريبة خراب المدينة قبل يوم القيامة بأربعين سنة، وخروج أهلها منها ...... تنبيه: روى المرجاني في أخبار المدينة عن جابر رضي الله عنه مرفوعا: ليعودن هذا الأمر أي الدين إلى المدينة كما بدأ منها حتى لا يكون إيمان إلا بها، الحديث.

وروى النسائي عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه "آخر قرية من قرى

الإسلام خرابا المدينة“ ورواه ابن حبان بلفظ: ”آخر قرية في الإسلام خرابًا المدينة“ وصح ”إن الدين ليأرز إلى المدينة كما تأرز الحية إلى جحرها“، وهذه الروايات بحسب الظاهر تنافى الروايات السابقة، وطريق الجمع بينها أن الفتن تعم الدنيا كلها كما مر في خروج المهدي، ويبقى أهل المدينة مع المهدي فيأرز الدين إلى المدينة حينئذ؛ لأنهم المؤمنون الكاملون التابعون للخليفة الحق ......، فهذا محط ”إن الدين ليأرز إلى المدينة“.

ثم إنها تنفي خبثها في زمن الدجال، وتخرج منافقيها، ويبقى فيها الإيمان الخالص بخلاف بيت المقدس وغيرها من البلدان فإنه يبقى فيهم أهل الذمة والمنافقون؛ لأنهم إنما يؤمنون بعد نزول عيسىٰ عليه السلام، وهذا محط حديث جابر رضي اللّٰه عنه حتى لا يكون إيمان إلا بها، أي إيمان خالص لايشوبه نفاق.

ثم إنه تجيئ الريح الباردة فتقبض كل مؤمن و مؤمنة وإنها تأتي من الشام أو من اليمن أو من كليهما كما جمع به بين الروايتين، ولاشك أن التي تأتي من الشام تبدأ بأهل الشام، والتي تأتي من اليمن تبدأ بأهل اليمن، فلا تنتهيان إلى المدينة إلا بعد هلاك أهل الإقليمين من المؤمنين، فيكون آخر من يقبض من المؤمنين أهل المدينة، وهذا محط حديث أبي هريرة رضي الله عنه الذي عند النسائي والترمذي وابن حبان المار.

ثم إنها حينئذ لا يكون بها غير المؤمنين؛ لأنها تخلصت في زمن الدجال، فمجرد موتهم تخرب وتبقى بقية الدنيا عامرة بشرار الناس وعليهم تقوم الساعة، انتهى مختصرًا. (الإشاعة لأشراط الساعة ٢٩٣-٢٩٤، دار المنهاج، الكنز المتواري مع لامع الدراري ١٥٨/٩-١٥٩ مؤسسة الخليل الإسلامية فيصل آباد) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا چند پیسے کے عوض قیامت میں ۷؍سو باجماعت نمازیں دی جائیں گی؟

سوال (٦٠):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ جوشخص کسی کے تین پیسے بھی دبائے گا، تو قیامت کے دن اُن ۳؍پیسوں کے عوض ۷؍سو باجماعت نمازیں قرض خواہ کو دینی پڑے گی، کیا یہ صحیح ہے؟ معلوم نہ ہونے کی صورت میں اگر کسی کا حق ہو تو معافی کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- چند پیسے کے عوض قیامت میں قرض خواہ کو ۷؍سو نماز باجماعت دئے جانے کے متعلق کوئی روایت حدیث کی کتاب میں دستیاب نہیں ہوئی؛ البتہ بعض فقہی کتابوں میں بعض کتب کے حوالے سے اسے نقل کیا گیا ہے، بہرحال حقوق العباد کی اَدائیگی کی فکر لازم ہے؛ تاکہ آخرت میں کسی کو مؤاخذہ کا اندیشہ نہ رہے، اور اگر صاحبِ حق نامعلوم ہو تو اُس کی طرف سے اُس کے حق کے بقدر رقم صدقہ کردینا مناسب ہے۔

جاء أنه يؤخذ لدانق ثواب سبع مائة صلاة بالجماعة (الدر المختار)

قوله جاء: أي بعض الكتب أشباه عن البزازية، ولعل المراد بها الكتب السماوية أو يكون ذلك حديثًا نقله بعض العلماء في كتبهم. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ١٢٣/٢ زكريا)

وما يتصدق به الملتقط بعد التعريف وغلبة ظنه أنه لا يوجد صاحبه لا يجب إيصائه. (رد المحتار / كتاب اللقطة ٤٣٨/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ٦/١٢/١٤٤٢ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بوقتِ ولادت انتقال کرنے والی عورت کا اُخروی درجہ

سوال (۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر بچے کی پیدائش کے وقت کسی عورت کا انتقال ہوجائے تو کیا اُس عورت کے گناہ معاف ہوکر سیدھی جنت میں جاتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو عورت بچہ کی وجہ سے انتقال کرجائے وہ اُخروی اعتبار سے شہید کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تکلیف کی وجہ سے اُس کی مغفرت ہوگی اور وہ جنت کی مستحق ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

عن جابر بن عتيک – في حديث طويل – قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله الخ ...... والمرأة تموت بجُمع شهيدة. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب فضل من مات بالطاعون رقم: ۳۱۱۱)

قال الخطابي: هو أن تموت وفي بطنها ولد. (بذل المجهود شرح سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب في فضل من مات بالطاعون ۳۷۲/۱۰ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

"خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ" حدیث کی تحقیق

سوال (۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے لوگوں کے زبانی بیانات میں حدیث کے طور پر یہ جملہ سنا گیا ہے "خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ" تو سوال یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے یا نہیں؟ اگر حدیث ہے تو اس کا حوالہ مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ذخیرہ حدیث میں: **"خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ"** یا **"خير الناس أنفعهم للناس"** یا **"أحب الناس إلى اللّٰه أنفعهم للناس"** جیسے الفاظ ملتے ہیں؛ لیکن اِس طرح کے الفاظ والی کوئی بھی روایت سند کے اعتبار سے اعتراض سے خالی نہیں ہے، اِن سب روایات کی سندوں میں ضعیف ومجہول اور منکر راوی پائے جاتے ہیں؛ اگر چہ معنوی اعتبار سے ان میں کوئی اشکال نہیں ہے، ان کے معانی کی دیگر نصوص صحیحہ سے تائید ہوتی ہے؛ تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ اس جملہ کو ضعف کی صراحت کے بغیر حدیث کے بطور نقل نہ کیا جائے۔

عن خالد بن الوليد رضي اللّٰه عنه قال: جاء رجل إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وذكر حديثًا طويلا فيه قال: أحب أن أكون خير الناس فقال: خير الناس من ينفع الناس. (كنز العمال / كتاب المواعظ ١٢٨/١٦ رقم: ٤٤١٥٤ مؤسسة الرسالة بيروت)

وفي حديث: خير الناس أنفعهم للناس كما في القضاعي عن جابر. (كنز العمال / كتاب المواعظ والحكم من قسم الأموال ٧٧٧/١٥ رقم: ٤٣٠٦٥ مؤسسة الرسالة بيروت، ٣٢٩/١٥ رقم: ٤٣٠٥٨)

وفي المعجم الأوسط للطبراني حدثنا محمد بن عبد اللّٰه الحضرمي قال ثنا علي بن بهرام قال: ثنا عبد الملك بن أبي كريمة عن ابن جريج عن عطاء عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: المومن يألف ويؤلف ...... وخير الناس أنفعهم للناس، لم يرو هذا الحديث عن ابن جريج إلا عبد الملك بن أبي كريمة تفرد به على بن بهرام (المعجم الأوسط) وفي هامشه: إسناده فيه على بن بهرام بن يزيد ترجمه الخطيب في تاريخه ولم يذكر فيه جرحًا ولا تعديلا، وقال الهيثمي في المجمع (٩٠/٨ رواه الطبراني في الأوسط من طريق علي بن بهرام، عن عبد الملك بن أبي

كـريـمة ولـم أعـرفهـما وبقية رجاله رجال الصحيح ...... الخ. (المعجم الأوسط للطبراني وهامشه ٢٢٢/٤ رقم: ٥٧٨٧ دار الفكر عمان)

وعـن ابـن عمر رضي الله عنهما أن رجلا جاء إلى رسول الله صلى الله عـليـه وسلم فقال: يا رسول الله! أي الناس أحب إلى الله؟ وأي الأعمال أحب إلـى الله عزوجل؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحب الناس إلى الله أنفعهم للناس، الحديث.

وفـي هامشه: إسـنـاده ضـعيف جـدًا، فيه عبد الرحمن بن قيس الضبي متـروك، واتهـم بالكذب والوضع، التهذيب والميزان ٥٨٣/٢ وفيه سكين ابـن سـراج اتهمه ابن حبان في اللسان ٥٦/٣، والمجروحين ٣٦٠/١، ورواه فـيمـجـمـع الـزوائد، وقال رواه الطبراني في الثلاثة، وفيه مسكين ابن سراج وهو ضعيف. (مـجـمـع الـزوائـد / باب فضل قضاء الحوائج ١٩١/٨، المعجم الأوسط للطبراني وهامشه ٢٩٣/٤ رقم: ٦٠٢٦)

قـال الهيثـمـي: رواه الـطبـراني في الثلاثة وفيه مسكين بن سراج، قال الـمـحشـي: قلت صوابه سُكين بن أبي سراج كما في ميزان الاعتدال وأما ما فـي مـجـمـع البـحـرين فهو خطأ كما في مجمع الزوائد، وهو ضعيف. (مـجمع الزوائد، كتاب البر والصلة / باب فضل قضاء الحواج ١٩١/٨ تحت رقم: ١٣٧٠٨)

وعـن ابن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الـخـلق كلهم عيال الله فأحب الخلق إلى الله أنفعهم لعياله، رواه الطبراني في الـكبيـر والأوسط، وفيه عمير وهو أبو هارون القرشي متروك. (مجمع الزوائد، كتاب البر والصلة / باب فضل قضاء الحوائج ١٩١/٨ رقم: ١٣٧٠٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نومولود بچہ کے کان میں اَذان واِقامت والی حدیث کی تحقیق

سوال (۶۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مشہور ہے کہ بچے کے دائیں کان میں اَذان اور بائیں کان میں اِقامت کہی جائے گی، تو یہ اِقامت کہنا کہاں سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نومولود کے کان میں اَذان دینے سے متعلق صحیح روایات موجود ہیں۔ اور بعض ضعیف روایات سے دائیں کان میں اَذان اور بائیں میں اِقامت کا ثبوت بھی ملتا ہے، اور اِن دونوں روایتوں میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے؛ اِس لئے کہ اِقامت کو بھی تغلیباً اَذان کہا جاسکتا ہے۔

عن عبید اللّٰہ بن أبي رافع عن أبیہ رضي اللّٰہ عنہ قال: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أذّن في أذن الحسن بن علي، حین ولدتہ فاطمۃ بالصلاۃ. ھٰذا حدیث صحیح. (سنن الترمذي / أبواب الأضاحي ۱/۲۸۷ رقم: ۱۵۱٤)

عن الحسین رضي اللّٰہ عنہ قال: قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من ولد لہ ولدٌ: فأذّن في أذنہ الیمنی وأقام في أذنہ الیسریٰ، لم تضرّہ أم الصبیان.
(الجامع الصغیر ۷/۱۱۵ رقم: ۲۱۲۷۱، مسند أبي یعلیٰ الموصلي ۱۲/۱۵۲ رقم: ٦۷۸۰ دار المأمون للتراث دمشق)

وفي شرح السنۃ: روي أن عمر بن عبد العزیز رضي اللّٰہ عنہ کان یؤذن في الیمنی ویقیم في الیسریٰ إذا ولد الصبي قلت: قد جاء في مسند أبي یعلی الموصلي عن الحسین مرفوعًا: من ولد لہ ولدٌ، فأذّن في أذنہ الیمنی وأقام في أذنہ الیسریٰ لم تضرہ أم الصبیان، کذا في الجامع الصغیر للسیوطي. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصید والذبائح / باب العقیقۃ ۸/۱٦۰ تحت رقم: ٤۱۵۷)

يستحب الأذان في الأيمن والإقامة في الأيسر. (العرف الشذي على هامش الترمذي ۲۷۷/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند)

قال السندي: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة، ويؤذّن في أذنه اليمنى ويقيم في اليسرىٰ الخ. (تقريرات الرافعي ص: ٤٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نماز جمعہ کے بعد سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھنے کا ثبوت؟

سوال (۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خطیب صاحب نے اپنے بیان میں فرمایا کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورہ ناس ۷/۷/مرتبہ پڑھے گا وہ اگلے جمعہ تک ہر طرح کی ناگوار بات سے محفوظ رکھا جائے گا، سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات کسی حدیث سے ثابت ہے؟ اگر صحیح ہو تو حوالے سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - یہ روایت ضعیف سند سے منقول ہے اور فضائل کے باب میں قابل قبول ہے، روایت کا متن یہ ہے:

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قرأ بعد صلاة الجمعة: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ و ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ و ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ سبع مرات، أعاذه اللّٰه عزوجل من السوء إلى الجمعة الأخرىٰ. (عمل اليوم والليلة / لابن السني ص: ۲۱۳ رقم: ۳۷۵ دار الزمان المدينة المنورة / بتحقيق: الشيخ عبد الرحمن كوثر)

قال المناوي: قال ابن حجر: سنده ضعيف، وله شاهد من مرسل

مـكحول، أخرجه سعيد بن منصور في سننه عن فرج بن فضالة، وزاد في أوله: فـاتحة الكتاب، وقال في آخره: كفر اللّٰه عنه ما بين الجمعتين وفرج ضعيف.

(فيض القدير ٢٠٣/٦ دار الكتب العليمة بيروت)

قـال مـحقق الشافعية الرملي: فيعمل به في فضائل الأعمال، وإن أنكره الـنـووي، فـائدة: شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه وأن يدخل تـحـت أصـل عـام، وأن لا يـعتـقـد سـنية ذلك الحديث (الدر المختار) قال الشامي: أي سنية العمل به. (رد الـمـحتار، كتاب الطهارة / مطلب: في بيان ارتقاء الحديث للضعيف إلى مرتبة الحسن ٢٥٣/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعا میں ہاتھ اُٹھانے اور چہرہ پر پھیرنے کا ثبوت

سوال (٦٥): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دعا کے موقع پر ہاتھ اُٹھانا اور دعا ختم کرتے وقت ہاتھوں کو چہرہ پر پھیرنا کس روایت سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - دعا کے موقع پر ہاتھ اُٹھانے اور چہرے پر ہاتھوں کو پھیرنے کا ثبوت درج روایات سے ہوتا ہے:

عن السائب بن يزيد عن أبيه رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كـان إذا دعـا فرفع يديه، مسح وجهه بيديه. (سـنـن أبي داؤد، باب تفريع أبواب الوتر / باب الدعاء رقم: ١٤٩٢)

ثـم يمسحون بها أي بأيديهم وجوههم في آخره لقوله عليه السلام: إذا دعـوت اللّٰه فادع بباطن كفيك ولا تدع بظهورها، فإذا فرغت فامسح بهما

وجهک. وکان صلی اللّٰه علیه وسلم إذا رفع یدیه في الدعاء لم یحطهما. وفي روایة: لم یردهما حتی یمسح بهما وجهه. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة / فصل في صفة الأذکار ص: ۳۱۸ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۲/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مَنْ زَارَ الْعُلَمَاءَ فَقَدْ زَارَنِيْ الخ کی تحقیق

سوال (٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: درج ذیل روایت کی تحقیق مطلوب ہے: ”**من زار العلماء فقد زارني ومن صافح العلماء فقد صافحني**“ یہ ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: - مذکورہ روایت سنداً موضوع ہے، ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے موضوعاتِ کبریٰ میں لکھا ہے کہ اِس کی سند میں حفص نامی راوی کذاب ہے۔ نیز دیگر کتابوں میں بھی اِس روایت کے موضوع ہونے کی صراحت ہے؛ لہٰذا اِس روایت کا بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

”**من زار العلماء فقد زارني ومن صافح العلماء فکأنما صافحني**“ الخ.

قال في الذیل: في إسناده حفص کذاب. (الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الکبریٰ للملا علي القاري ۱/۳٤٥ رقم: ٤۹۰ مؤسسة الرسالة بیروت)

وقال القاري: فیه حفص کذاب. (المصنوع في معرفة الحدیث الموضوع المعروف بالموضوعات الصغریٰ للملا علي القاري ص: ۱۸۳ رقم: ۳۳٥ مؤسسة الرسالة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۴
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مَنْ زَنیٰ زُنِيَ بِأَهْلِهٖ کی تحقیق

سوال (٦٧):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم نے بہت سے بیانات میں یہ بات سنی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: جو شخص زنا میں مبتلا ہوتو اُس کے بدلے میں اُس کے گھر کی کسی خاتون کے ساتھ بھی یہ عملِ بد ضرور پیش آئے گا، اور اِس بات کو لوگ بڑے زور وشور سے بیان کرتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ اِس روایت کی حیثیت کیا ہے؟ اور اِس کو بیان کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ مجمع عام میں موضوع یا ضعیف حدیث مطلقاً بیان کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مَنْ زَنیٰ زُنِيَ بِأَهْلِهٖ (یعنی جو شخص زنا کرے تو اُس کے بدلے میں اُس کی رشتہ دار خواتین کے ساتھ بدکاری کی جائے گی) اِس جیسے مضمون کی سبھی روایتیں روایۃً اور درایۃً ہر اعتبار سے منکر اور موضوع ہیں؛ کیوں کہ اُن کی کوئی بھی سند کذاب یا مجہول راویوں سے خالی نہیں۔ نیز یہ قانونِ شریعت ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى﴾ (یعنی کسی جرم کا مؤاخذہ مجرم کے علاوہ سے نہیں کیا جائے گا) کے بھی صراحۃً خلاف ہے، اِس لئے ایسی من گھڑت روایتوں کو بیان کرنا کسی بھی شخص کے لئے جائز نہیں ہے، اُن کے بجائے صحیح روایات ہی بیان کرنی چاہئے؛ البتہ وہ ضعیف روایات جو موضوع کے درجہ تک نہ پہنچی ہوں اُنہیں ترغیب وترہیب کے طور پر بیان کرنے کی گنجائش ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما زنى عبد قط فأدمن على الزنا إلا ابتلي في أهله ...... ليس في هذه الأحاديث شيء يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... أما حديث ابن عباس ففي الطريق الثاني والثالث إسحاق بن نجيح، قال أحمد بن حنبل: هو أكذب الناس. وقال يحيىٰ: معروف بالكذب ووضع الحديث. وقال ابن حبان:

دجال يضع الحديث على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صراحةً. (كتاب الموضوعات لابن الجزري / باب ذم الزنا ۲۹۷/۲-۲۹۸ دار الكتب العلمية بيروت، ۱۰۸/۱ المكتبة السلفية المدينة المنورة)

قال ابن محرز سمعت ابن معين يقول: كذب عدو اللّٰه، رجل سوء خبيث. ...... قلت: وقال النسائي في التمييز: كذاب ...... وقال الجوزجاني: كذاب، وضاع، لا يجوز قبول خبره ولا الاحتجاج بحديثه ويجب بيان أمره ...... وقال ابن طاهر: دجال كذاب. وقال ابن الجوزي: أجمعوا على أنه كان يضع الحديث. (تهذيب التهذيب ۲-۲۵۳ دائرة المعارف النظامية)

وقوله تعالىٰ: ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰى﴾ أي كل نفس ظلمت نفسها بكفر أو شيء من الذنوب فإنما عليها وزرُها لا يحمله عنها أحد. (تفسير ابن كثير [سورة النجم آيت: ۴۱] ۳۸/۶ زكريا)

ويجوز عند العلماء التساهل في أسانيد الضعيف من غير بيان ضعفه في المواعظ والقصص وفضائل الأعمال لا في صفات اللّٰه تعالى وأحكام الحلال والحرام، ولا يجوز رواية الموضوع إلا ببيان حاله. (مقدمة إعلاء السنن / المقدمة في المبادي والحدود ۲۶/۱ كراچی، ۱۲/۲۵ المكتبة الأشرفية ديوبند)

اتفق العلماء على أنه لا يجوز ذكر الموضوع إلا مع البيان في أي نوع كان، وأما غير الموضوع من الضعيف فقد اختلفوا فيه، فذهب قوم إلى جواز الأخذ به، والتساهل في أسانيده وروايته من غير بيان لضعفه إذا كان في غير الأحكام والعقائد، مثل: فضائل الأعمال والقصص. (مقدمة فتح الملهم / حكم الحديث الضعيف ۱۵۲/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند)

قال العلماء: الموضوع شر الضعاف وأقبحها، وتحرم روايته مع العلم بوضعه في أي معنى كان سواء الأحكام والقصص والترغيب وغيرها إلا

مقرونًا ببيان وضعه و كذبه. (مقدمة فتح الملهم / الموضوع والمتروك والمطروح ١٦٢/١ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا جنتی لوگ جنت میں بھی علماء کے محتاج ہوں گے؟

سوال (٦٨): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ کے جلسہ میں ایک واعظ صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جنتی لوگ جنت میں بھی علماء کے محتاج ہوں گے'' اور اِس بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ تو قابلِ تحقیق اَمر یہ ہے کہ کیا اِس مضمون کی کوئی حدیث ذخیرۂ اَحادیث میں موجود ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: - اہلِ جنت کے علماء کے محتاج ہونے سے متعلق جو روایت ذکر کی جاتی ہے وہ انتہائی ضعیف؛ بلکہ موضوع ہے، اُس کی سند میں ''مجاشع بن عمروؔ'' نام کا ایک راوی متروک الحدیث اور کذاب ہے؛ لہٰذا اُسے عوامی مجمع میں حدیث کے طور پر بیان کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن أهل الجنة ليحتاجون إلى العلماء في الجنة وذلك أنهم يزورون الله تعالى في كل جمعة فيقول: تمنوا عليّ ما شئتم فيلتفتون إلى العلماء فيقولون: ماذا نتمنى على ربنا، فيقولون تمنوا كذا وكذا، فهم يحتاجون إليهم في الجنة، كما يحتاجون إليهم في الدنيا".

قال في الميزان: هذا موضوع.

ومجاشع، قال فيه ابن معين: أحد الكذابين. (الزيادات على الموضوعات ويسمى ذيل اللآلي المصنوعة للسيوطي / كتاب العلم ص: ١٧٦ مكتبة المعارف للنشر والتوزيع الرياض)

قال عبد الرحمن: قال: سألت أبي عن مجاشع هذا؟ فقال: متروك الحديث، ضعيف ليس بشيء. (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم الرازي ٣٩٠/٨ مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد دكن)

مجاشع بن عمرو: قال ابن حبان: يضع الحديث عن الثقات. (الكشف الحثيث عمن رمى بوضع الحديث لأبي الوفاء الطرابلسي ٢١٤/١ رقم: ٦٠٠ عالم الكتب مكتبة النهضة العربية بيروت)

قال أبو حاتم ابن حبان: يضع الحديث على الثقات لا يحل ذكره إلا بالقدح، وقال الأزدي: كذاب دامر لا تحل الرواية عنه. (الضعفاء والمتروكون لابن الجوزي ٣٥/٣ رقم: ٢٨٤٧ دار الكتب العلمية بيروت)

قال عنه ابن حبان: كان ممن يضع الحديث على الثقات ويروي الموضوعات عن أقوام ثقات لا يحل ذكره في الكتب إلا على سبيل القدح فيه. (المجروحين لابن حبان ١٨/٣ رقم: ١٠٤٩ دار الوعي حلب) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۲/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا مسلمان کا مذاق اُڑانے والا جنت میں نہیں جاسکے گا؟

سوال (٦٩):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے بیان کیا کہ ''شعب الایمان'' میں حدیث ہے کہ جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کا مذاق اُڑائے گا اُس کو آخرت میں یہ سزا دی جائے گی کہ وہ جنت کے قریب پہنچے گا تو جنت کا دروازہ اُس کے لئے کھول دیا جائے گا؛ لیکن جیسے ہی وہ داخل ہونے کے قریب آئے گا تو دروازہ بند کردیا جائے گا، کئی مرتبہ ایسا ہی ہوگا، جس کی بنا پر وہ جنت میں جانے سے مایوس ہوجائے گا اور پھر دروازہ کھلنے کے باوجود جانے کی ہمت نہ کرے گا۔ سوال یہ ہے کہ اس مضمون کی کوئی روایت ثابت ہے یا نہیں؟ تحقیق کرکے بتلائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- یہ روایت ''شعب الایمان ۵/۳۱۱'' اور ''الترغیب والترہیب ۳/۵۷۳'' وغیرہ کتابوں میں مرسلاً منقول ہے؛ لہٰذا اُسے بیان کرنے کی گنجائش ہے۔

عن الحسن رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن المستهزئين بالناس يفتح لأحدهم باب في الجنة فيقال له: هلم هلم فيجيء بكربه وغمه وإذا جاء أغلق دونه فما يزال كذلك حتى إن أحدهم يفتح له الباب من أبواب الجنة فيقال له هلم فما يأتيه من الأياس. (شعب الإيمان ۹/۱۰۹ رقم: ۶۳۳۳ مكتبة الرشد الرياض، ۵/۳۱۱ رقم: ۶۷۵۷، الترغيب والترهيب ۳/۵۷۳) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۲/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا قرض دینے والے کو ۱۸/ گنا زیادہ ثواب ملتا ہے؟

سوال (۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے بیان میں یہ کہا کہ جو شخص کسی کو قرض دے تو جب تک وہ قرض اَدا نہیں ہوگا، قرض دینے والے کو ہر دن اتنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملتا رہے گا، تو کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ نیز بعض کتابوں میں یہ روایت ہم نے پڑھی ہے کہ جو شخص قرض دیتا ہے اُس کو صدقہ کے مقابلے میں ۱۸/ گنا زیادہ ثواب ملتا ہے، تو اِس روایت کی کیا حیثیت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال نامہ میں ذکر کردہ پہلی روایت یعنی قرض کی اَدائیگی تک قرض خواہ کو ہر دن اتنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملتا رہے گا، اِس مفہوم کی روایت صحیح سند سے ثابت ہے؛ چناں چہ اِرشادِ نبوی ہے کہ: **''من أنظر معسرًا كان له كل يوم صدقة**

ومن أنظره بعد حله كان له مثله في كل يوم صدقة". (سنن ابن ماجة، كتاب الصدقات / باب إنظار المعسر رقم: ٢٤١٨، المسند للإمام أحمد ٦٩/٣٨ رقم: ٢٢٩٦٩ مؤسسة الرسالة)

یعنی جو شخص کسی تنگ دست مقروض کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دے تو ہر دن اتنی رقم صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ اور دوسری روایت کہ صدقہ دینے کے مقابلے میں قرض دینے والے کو ۱۸ر گناہ ثواب ملتا ہے یہ بھی فی الجملہ ثابت ہے؛ لیکن اِس روایت کا ایک راوی ضعیف اور غیر معتبر ہے، جس کا نام خالد بن معد ہے؛ اِس لئے اِس روایت کو ضعف کی صراحت کے بغیر بیان نہ کیا جائے۔

حدثنا هشام بن خالد قال حدثنا خالد بن يزيد بن أبي مالک عن أبيه عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رأيت ليلة أسري بي على باب الجنة مكتوبًا: الصدقة بعشر أمثالها والقرض بثمانية عشر. فقلت: يا جبرئيل: ما بال القرض أفضل من الصدقة؟ قال: لأن السائل يسأل وعنده، والمستقرض لا يستقرض إلا من حاجة. (سنن ابن ماجة، كتاب الصدقات / باب القرض رقم: ٢٤٣١)

قال البوصيري: هذا إسناد ضعيف، خالد بن يزيد بن عبد الرحمن بن أبي مالک ضعفه أحمد وابن معين وأبوداؤد والنسائي وأبوزرعة وابن الجارود والساجي والعقيلي والدار قطني وغيرهم، ووثقه أحمد بن صالح المصري وأبوزرعة الدمشقي. وقال ابن حبان: هو من فقهاء الشام، كان صدوقًا في الرواية؛ ولكنه كان يخطي كثيرًا وأبوه فقيه دمشق ومفتيهم. (شروح سنن ابن ماجة مكمل، كتاب الصدقات / باب القرض ص: ٩٣٢ بيت الأفكار الدولية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۲/۷/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اَذان کے وقت دنیوی بات کرنے والا موت کے وقت کلمہ سے محروم ہوگا؟

سوال (۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ایسی کوئی حدیث ہے کہ جو شخص اَذان کے وقت بات چیت کرے تو اُس کو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِن الفاظ کے ساتھ کوئی روایت نہیں ملی؛ البتہ ایک دوسری روایت میں اِس سے ملتے جلتے الفاظ ہیں کہ ''جو شخص دورانِ اَذان کلام کرتا ہے تو اُس کا اِیمان سلب ہونے کا خطرہ ہے''؛ لیکن یہ روایت سنداً موضوع اور نا قابل اعتبار ہے اور فی نفسہٖ اَذان کے دوران گفتگو کرنا شریعت میں منع نہیں ہے؛ البتہ اَذان کا جواب دینے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

ومنها قولهم: من تكلم عند الأذان خيف عليه زوال الإيمان. والله اعلم – أسامي الضعفاء والمتروكين عند أئمة الحديث. (الموضوعات للصنعاني ۸۰/۱ رقم: ۱۴۵ دار المأمون للتراث دمشق)

وفي فتاویٰ قاضی خان: إجابة المؤذن فضيلة وإن تركها لا يأثم. وأما قوله عليه السلام: من لم يجب الأذان فلا صلاة له فمعناه الإجابة بالقدم لا باللسان فقط. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الأذان ۴۵۰/۱ زكريا)

ويجب وجوبًا، وقال الحلواني: ندبًا، والواجب الإجابة بالقدم. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الأذان ۶۵/۲ زكريا، ۳۹۶/۱ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا جس جگہ کی مٹی سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے اُسی جگہ وہ دفن ہوتا ہے؟

سوال (۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اِس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کی تخلیق جس جگہ کی مٹی سے ہوئی ہے اُسی جگہ وہ مدفون ہوتا ہے؟ صحیح جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- انسان کی تخلیق جس مٹی سے ہوئی ہے وہ اُسی مٹی میں مدفون ہوتا ہے، اِس کا تذکرہ کسی صحیح حدیث میں نہیں ملا؛ لیکن متعدد ضعیف اور غریب روایات میں یہ مضمون وارد ہے کہ رحم مادر میں جب انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ اُس میں اس مٹی کا جز شامل کرے جہاں اُس کا مدفون ہونا مقدر ہے؛ لہٰذا اِس بات کو بالکل بے اصل قرار نہیں دیا جاسکتا، روایت درج ذیل ہیں:

قال حدثنا أبوعاصم قال ثنا ابن عون عن محمد بن سيرين عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من مولود إلا وقد ذر عليه من تراب حفرته. هذا حديث غريب من حديث ابن عون عن محمد، لم نكتبه إلا من حديث أبي عاصم النبيل عنه، وهو أحد الثقات الأعلام من أهل البصرة. (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء ۲۸۰/۲ دار الكتاب العربي بيروت، اللالي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة / كتاب المناقب ۲۸٤/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: ما من مولود يولد إلا وفي سرته من تربته التي يولد فيها فإذا رد إلى أرذل العمر رد إليه تربته التي خلق منها حتى يدفن فيها. قال المحقق: وقد أورد المؤلف هذا الطريق في العلل، وقد قال الدار قطني: موسى بن سهل ضعيف.

عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعًا: ما من آدمي إلا ومن تربته في سرته فإذا دنا أجله قبضه الله من التربة التي منها خلق وفيها يدفن وخلقت أنا وأبو بكر وعمر من طينة واحدة وندفن فيها في بقعة واحدة. قال أبو نعيم: هذا حديث غريب من حديث ابن عون عن محمد. (اللالي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة / كتاب المناقب ۲۸٤/۱ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا آسمانی فرشتے نور سے اور زمینی فرشتے بھاپ سے بنائے گئے ہیں؟

سوال (۷۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انسان کی تخلیق مٹی سے، جنات کی آگ سے اور فرشتوں کو نور سے ایسا ہی سنتے چلے آرہے ہیں، کیا آسمان کے فرشتے نور سے اور زمین کے فرشتے گیس یا کسی اور مادے سے تخلیق کیے گئے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- صحیح حدیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ فرشتے نور سے، جنات آگ سے اور انسانوں کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔ اَب رہ گئی یہ بات کہ آسمان کے فرشتوں کی پیدائش نور سے اور زمین کے فرشتوں کی پیدائش کسی خاص بھاپ، گیس سے ہوئی ہے؛ تو اگر چہ بعض علماء کے اقوال سے اِس کی طرف اِشارہ ملتا ہے؛ لیکن اِس بارے میں کوئی قوی دلیل موجود نہیں ہے؛ لہٰذا معتبر بات وہی ہے جو مذکورہ صحیح حدیث میں موجود ہے کہ بلا امتیاز تمام فرشتوں کی تخلیق میں نور کا عنصر غالب ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَأٍ مَسْنُوْنٍ.

وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُوْمِ﴾ [الحجر: ٢٦-٢٧]

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خلقت الملائكة من نور وخلق الجان من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لكم. (صحيح مسلم، كتاب الزهد / باب في أحاديث متفرقة ٤١٣/٢ رقم: ٢٩٩٦)

ولأن من المشهور الذي لا يدفع أن الملائكة روحانيون وقيل: إنما سموا بذلك لأنهم خلقوا من الريح أو الروح. (تفسير كبير ١٩٧/٢ تحت تفسير الآية البقرة: ٣٤ المكتبة الأشرفية ديوبند)

واعلم أن الملأ الأعلىٰ ثلاثة أقسام قسم على الحق أن نظام الخير يتوقف عليهم فخلق أجساما نورية بمنزلة نار موسىٰ فنفخ فيها نفوسا كريمة وقسم اتفق حدوث مزاج في البخارات اللطيفة من العناصر استوجب فيضان نفوس شاهقة شديدة الرفض للأوراث البهيمية. (حجة الله البالغة / باب ذكر الملأ الأعلى ٦٧/١ مكتبة حجاز ديوبند، ١٦/١ قديم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۱/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا پگڑی باندھ کر نماز پڑھنے کا ثواب ۶۰ر گنا زیادہ ملتا ہے؟

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مولانا نے بیان کیا کہ پگڑی باندھ کر نماز پڑھنے کا ثواب ۶۰ر گنا زیادہ ملتا ہے، تو اِس کا ثبوت کسی معتبر روایت وغیرہ سے ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - عمامہ پہن کر نماز پڑھنے سے ثواب میں اِضافہ سے متعلق سبھی زبان زد روایتیں سنداً نہایت ضعیف یا موضوع ہیں؛ البتہ فی نفسہٖ عمامہ باندھنا

سنت سے ثابت ہے، اِس کا اہتمام نماز اور غیر نماز ہر حالت میں مستحب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ علم وحکمت ۱/۲۹۳ مکتبہ محمودیہ میرٹھ)

ركعتان بعمامة خير من سبعين ركعة بلا عمامة. (الجامع الصغير ٢٢/٢)

ثم إن فيه طارق بن عبد الرحمن أورده الذهبي في الضعفاء وقال: قال النسائي: ليس بقوي عن محمد بن عجلان، ذكره البخاري في الضعفاء. وقال الحاكم: سيء الحفظ، ومن ثم قال السخاوي: هذا الحديث لا يثبت. (فيض القدير شرح الجامع الصغير ٣٧/٤ تحت رقم: ٤٤٦٨ المكتبة التجارية الكبرىٰ مصر)

حديث: صلاة بعمامة تعدل خمسًا وعشرين صلاة بلا عمامة، وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة، والصلاة في العمامة بعشرة آلاف حسنة، موضوع. قال المنوفي: فذلك كله باطل. (المصنوع في معرفة الحديث الموضوع ص: ١١٨-١١٩ رقم: ١٧٧ مؤسسة الرسالة بيروت)

قال في المقاصد نقلا عن شيخه الحافظ ابن حجر: إنه موضوع، وكذا من الموضوع ما أورده الديلمي عن ابن عمر مرفوعًا بلفظ: "صلاة بعمامة تعدل بخمس وعشرين وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة". (كشف الخفاء ومزيل الإلباس ٢٨/٢ رقم: ١٦٠٣ المكتبة العصرية)

وقال القاري في حديث الترجمة: هو حديث موضوع، كما قاله العسقلاني. (الكشف الإلهي، الحرف الصاد / الفصل الثالث ص: ٣٠٥)

وفي المقاصد الحسنة: هو موضوع. (المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة ص: ٤٢٣ رقم: ٦٢٤ دار الكتاب العربي بيروت)

والمستحب للرجل أن يصلي في ثلاثة أثواب: إزار وقميص وعمامة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ٣٤٩ دار العلم ديوبند)

وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة، ولا

یکره الاکتفاء بالقلنسوة. (عمدة الرعاية على شرح الوقاية، كتاب الصلاة / باب يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۲۰۲ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

حضور اکرم علیہ السلام کے عمامے اور اُن کے باندھنے کی کیفیت

سوال (۵۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس رنگ کا عمامہ باندھا کرتے تھے؟ اور آپ ہمیشہ عمامہ باندھتے تھے یا کبھی کبھی؟

(۲) عمامہ کی لمبائی چوڑائی کتنی ہونی چاہئے؟

(۳) عمامہ باندھتے وقت سر کے دائیں جانب سے شروع کریں یا بائیں جانب سے؟

(۴) شملہ کی لمبائی کتنی ہونی چاہئے؟

(۵) شملہ ایک ہو یا دو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) متعدد روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کالے رنگ کا عمامہ زیب تن فرمانے کا ذکر ہے۔ اور بعض روایات میں زرد رنگ کے عمامے کا بھی تذکرہ ملتا ہے؛ لیکن چوں کہ لباس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید رنگ زیادہ پسند تھا اور ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اَمیر لشکر بنا کر روانہ کرتے وقت اُن کا کالا عمامہ اُتار کر خود اپنے دستِ مبارک سے سفید عمامہ باندھا تھا اور اُس کی تعریف بھی فرمائی تھی، اِس لئے افضل یہ ہے کہ سفید عمامہ استعمال کیا جائے۔ اور بہر حال اس طرح کے عمامے سے احتراز کیا جائے، جس سے دیگر گمراہ فرقوں کی مشابہت لازم ہوتی ہو

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت عمامہ استعمال فرماتے تھے؛ لیکن بعض مواقع پر ٹوپی پہننا بھی آپ سے ثابت ہے۔

عن جعفر بن عمرو بن حريث عن أبيه رضي الله عنه قال: رأيت على رسول الله صلى الله عليه وسلم عمامة سوداء. (شمائل الترمذي / باب ما جاء في عمامة النبي صلى الله عليه وسلم رقم: ١١٥)

عن إسماعيل بن عبد الله بن جعفر عن أبيه رضي الله عنه قال: رأيت على النبي صلى الله عليه وسلم ثوبين مصبوغين بزعفران ورداء وعمامة. (المستدرك على الصحيحين ٦٥٦/٣ رقم: ٦٤١٥، المعجم الكبير للطبراني ١٤٤/١٤ رقم: ١٤٧٦٩)

في الحديث الطويل...... ثم نقضه وعممه بعمامة بيضاء وأرسل من خلفه أربع أصابع أو نحو ذلك، وقال: هكذا يا ابن عوف اعتم؛ فإنه أعرب وأحسن. (المستدرك للحاكم / كتاب الفتن والملاحم ٥٨٢/٨ رقم: ٨٦٢٣)

عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألبسوا البياض؛ فإنها أطيب وأطهر. (شمائل الترمذي ص: ٥ رقم: ٦٨)

وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة، وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة، ويلبس العمامة بغير قلنسوة. (زاد المعاد / فصل في ملابسه صلى الله عليه وسلم ١٣٠/١ مؤسسة الرسالة بيروت)

(۲) عموماً آپ علیہ السلام ۷؍ ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا عمامہ استعمال فرماتے تھے۔

(جمع الوسائل ص: ۱۶۸، شرح زرقانی ۴/۵، خصائل نبوی ص: ۹۱)

اور بعض مرتبہ ۱۲؍ ہاتھ لمبائی والا عمامہ بھی آپ نے استعمال فرمایا ہے۔

قال الجزري في تصحيح المصابيح: قد تتبعت الكتب وتطلبت من السير والتواريخ لأقف على قدر عمامة النبي صلى الله عليه وسلم فلم أقف

علـى شيء حتى أخبرني من أثق به أنه وقف على شيء من كلام النووي، ذكر فيه أنـه كـان لـه صـلى اللّٰه عليه وسلم عمامة قصيرة وعمامة طويلة، وأن القصيرة كـانـت سبـعة أذرع والـطويلة اثني عشر ذراعًا، وظاهر كلام المدخل أن ...... عمامته كانت سبعة أذرع مطلقًا. (مرقاة المفاتيح / كتاب اللباس ۲۵۰/۷ المكتبة الأشرفية ديوبند)

(۳) عمامہ باندھنے کے کوئی خاص کیفیت نظر سے نہیں گذری؛ البتہ سیدنا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ علیہ السلام عمامہ باندھتے تھے تو اَولاً اس کے سرے کو سر کے پیچھے کی جانب رکھتے، اس کے بعد سر پر لپیٹتے تھے؛ لہٰذا جس طرح کی بھی سہولت ہو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

عـن خـالـد الـحذاء قال: أخبرني ابن عبد السلام قال: قلت لابن عمر: كيف كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعتم؟ قال: يدير كور العمامة على رأسـه ويفرشها من ورائه ويرخي له ذؤابه بين كتفيه. (مـرقاة المفاتيح / كتاب اللباس ۲۴۹/۸ رقم: ۴۳۳۸ المكتبة الأشرفية ديوبند)

(۴) شملہ کی لمبائی کے سلسلے میں دو قسم کی روایات منقول ہیں: بعض میں چار انگل اور بعض میں ایک ذراع (یعنی ہاتھ کی اُنگلیوں سے کہنی تک کے بقدر) کا ذکر ہے؛ لہٰذا اِن میں سے کوئی بھی مقدار اختیار کی جاسکتی ہے؛ لیکن شملہ نصف پشت سے لمبا نہ ہونا چاہئے، ورنہ کراہت سے خالی نہ ہوگا۔ (انوارِ رسالت ص: ۵۴۸)

قـال اسماعيل: وحدثني ابن عمر بن يحيىٰ قال: رأيت واثلة بن الأسقع معتمًا قد أرخىٰ عمامته من خلفه ذراعًا. (شعب الإيمان للبيهقي ۱۷۴/۵ رقم: ۶۲۵۵)

أخبـرني عثمان بن عطاء الخراساني عن أبيه أن رجلا أتى ابن عمر وهو في مسجد منى فسأله عن إرخاء طرف العمامة فقال له عبد اللّٰه: إن رسول اللّٰه صـلى اللّٰه عليه وسلم بعث سرية وأمر عليها عبد الرحمن بن عوف وعقد لواء

فذكر الحديث إلى أن قال: وعلى عبد الرحمن بن عوف عمامة من كرابيس مصبوغة بسواد فدعاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فحل عمامته ثم عممه بيده وأفضل عمامته موضع أربع أصابع أو نحو ذلك، فقال: هكذا فاعتم؛ فإنه أحسن وأجمل. (شعب الإيمان للبيهقي ١٧٤/٥ رقم: ٦٢٥٤)

وتطویل آں متجاوز اَز نصف ظہر بدعت است۔ (حاشیہ ترمذی ۳۰۴/۱)

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر عمامہ کا شملہ اپنے دونوں شانوں کے درمیان رکھتے تھے اور کبھی دائیں بائیں رکھنا بھی ثابت ہے اور بعض مرتبہ بغیر شملہ کے بھی عمامہ پہننے کا ذکر ملتا ہے؛ اس لئے جو بھی صورت اختیار کی جائے وہ ممنوع نہ ہوگی۔

وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اعتم سدل عمامته بين كتفيه. رواه الترمذي، وقال هذا حديث حسن غريب ...... وعن عبد الرحمن بن عوف قال: عممني رسول الله صلى الله عليه وسلم فسدلها بين يدي ومن خلفي. رواه أبو داؤد ...... وروى ابن أبي شيبة عن علي كرم الله وجهه أنه صلى الله عليه وسلم عممه بعمامة وأسدل طرفيها على منكبيه. وفي شرح السنة قال محمد بن قيس: رأيت ابن عمر رضي الله عنهما معتمًا قد أرسلها بين يديه ومن خلفه وقد ثبت في السير بروايات صحيحة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يرخي علامته أحيانًا بين كتفيه وأحيانًا يلبس العمامة من غير علامة، فعلم أن الإتيان بكل واحد من تلك الأمور سنة. (مرقاة المفاتيح / كتاب اللباس ٢٤٩/٨-٢٥٠ رقم: ٤٣٣٨-٤٣٣٩ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کس رنگ کا عمامہ باندھنا سنت ہے؟

سوال (۷۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس رنگ کا عمامہ باندھتے تھے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ ہمیشہ باندھتے تھے یا کبھی کبھی؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عمامہ باندھ کر پڑھاتے تھے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ اور زرد رنگ کا عمامہ زیب تن فرمانا ثابت ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید رنگ کے عمامہ کی تحسین فرمائی ہے، اِس لئے گمراہ فرقوں سے تشبہ سے بچتے ہوئے شملہ کے ساتھ سفید عمامہ باندھنا بہتر ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خصوصی مواقع پر عمامہ کا اہتمام فرماتے تھے اور چوں کہ یہ ایک باوقار لباس ہے اِس لئے نماز میں بھی عمامہ سے سر ڈھانکنا پسندیدہ اور مستحب کے درجے میں ہوگا؛ تاہم یہ سنن زوائد میں سے ہے؛ لہٰذا اگر عمامہ کے بجائے محض ٹوپی پہن کر نماز پڑھیں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہ ہوگی؛ کیوں کہ خود پیغمبر علیہ السلام سے ٹوپی پہننا ثابت ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الأعراف: ۳۱)

عن جعفر بن عمرو بن حريث عن أبيه قال: كأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وعليه عمامة سوداء. (صحيح مسلم، كتاب الحج / باب جواز دخول مكة بغير إحرام رقم: ۱۳۵۹)

عن اسماعيل بن عبد الله بن جعفر عن أبيه رضي الله عنه قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم ثوبين مصبوغين بزعفران ورداء و عمامة. (المستدرك على الصحيحين / كتاب معرفة الصحابة ۶۵۶/۳ رقم: ۶۴۱۵ دار الكتب العلمية بيروت)

في الحديث الطويل: فأدناه النبي صلى الله عليه وسلم ثم نقضه

وعممه بعمامة بيضاء وأرسل من خلفه أربع أصابع أو نحو ذلك وقال: هكذا يا ابن عوف اعتم فإنه أعرب وأحسن. (المستدرك للحاكم / كتاب الفتن والملاحم ٥٨٣/٤ رقم: ٨٦٢٣ دار الكتب العلمية بيروت)

وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة. (زاد المعاد / فصل: في ملابسه صلى الله عليه وسلم ١٣٠/١ مؤسسة الرسالة بيروت)

نیز اِس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے ''انوارِ رسالت'' (مؤلفہ مفتی شبیر احمد صاحب) ص: ۵۴۵-۵۶۷ ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۳/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

حضور اکرم علیہ السلام کے عقیقہ والی روایت کس درجہ کی ہے؟

سوال (۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ خود اپنی جانب سے کیا، کیا اِس طرح کی روایات درست ہیں؟

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم عق عن نفسه بعد النبوة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الضحايا / باب العقيقة ٥٠٥/٩ رقم: ١٩٢٧٣ دار الكتب العلمية بيروت)

درج بالا روایت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہ کس درجہ کی روایت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے؛ لیکن حضرات محدثین نے سب کو ضعیف قرار دیا ہے، اوراگر یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو یا تو نفس جواز پر

محمول ہوگی یا پیغمبر علیہ السلام کی خصوصیت قرار دی جائے گی۔ اور اِس بارے میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر چہ عقیقہ بچپن میں مستحب ہے؛ لیکن اگر بچپن میں نہ کیا گیا ہوتو بڑے ہونے کے بعد بھی کیا جاسکتا ہے۔

قال عبد الرزاق: إنما تركوا عبد اللّٰه بن محرر لحال هذا الحديث، قال الفقيه رحمه اللّٰه: وقد روي من وجه آخر عن قتادة، ومن وجه آخر عن أنس، وليس بشيء. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الضحايا / باب العقيقة ٩/٥٠٥ رقم: ١٩٢٧٣ دار الكتب العلمية بيروت)

قال العلامة الحافظ ابن حجر رحمه اللّٰه تعالىٰ: وكأنه أشار بذلك إلى أن الحديث الذي ورد أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عقّ عن نفسه بعد النبوة لا يثبت وهو كذلك، فقد أخرجه البزار من رواية عبد اللّٰه بن محرر، وهو بمهملات عن قتادة عن أنس، قال البزار: تفرد به عبد اللّٰه وهو ضعيف أهـ. وأخرجه أبو الشيخ من وجهين آخرين، أحدهما: من رواية إسماعيل بن مسلم عن قتادة وإسماعيل ضعيف أيضًا، وقد قال عبد الرزاق: أنهم تركوا حديث عبد اللّٰه بن محرر من أجل هذا الحديث فلعل إسماعيل سرقه منه، ثانيهما: من رواية أبي بكر المستملي عن الهيثم بن جميل وداؤد بن المحبر قالا: حدثنا عبد اللّٰه بن المثنى عن ثمامة عن أنس وداؤد ضعيف؛ لكن الهيثم ثقة وعبد اللّٰه من رجال البخاري فالحديث قوي الإسناد، وقد أخرجه محمد بن عبد الملك بن أيمن عن إبراهيم بن إسحاق السراج عن عمرو الناقد، وأخرجه الطبراني في الأوسط عن أحمد بن مسعود كلاهما عن الهيثم بن جميل وحده به فلو لا ما في عبد اللّٰه بن المثنى من المقال لكان هذا الحديث صحيحًا؛ لكن قد قال بن معين: ليس بشيء، وقال النسائي: ليس بقوي، وقال

أبـو داؤد: لا أخرّج حديثه، وقال الساجي: فيه ضعف لم يكن من أهل الحديث روى مـنـاكيـر، وقـال الـعـقيـلـي: لا يتـابع على أكثر حديثه، قال بن حبان في الثـقـات: ربـمـا أخـطـأ ووثـقه العجلي والترمذي وغيرهما، فهذا من الشيوخ الذين إذا انفرد أحدهم بالحديث لم يكن حجة وقد مشى الحافظ الضياء على ظـاهـر الإسـنـاد، فـأخـرج هذا الحديث في الأحاديث المختارة مما ليس في الـصـحيـحيـن. ويحتمل أن يقال: إن صح هذا الخبر كان من خصائصه صلى الله عليه وسلم. (فتـح البـاري، كتاب العقيقة / باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة ٧٤٢/٩ تحت رقم: ٥٤٧٢ دار الكتب العلمية)

عـن مـحـمد بن سيرين قال: لو أعلم أنه لم يعق عني لعققت عن نفسي.
(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب العقيقة / في العقيقة من رآها ٣١٩/١٢ رقم: ٢٤٢٣٦)

عـن الـحسـن الـبـصـري إذا لـم يعق عنک فعق عن نفسک وإن كنت رجلاً. (إعـلاء السـنـن، كتـاب الـذبـائح / باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة ١٢١/١٧ إدارة القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو کا ثبوت

سوال (۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا تھا؟ اگر ہاں تو اِس کا کیا ثبوت ہے؟ اور کیا آج بھی کوئی جادوگر ہے جو ہم میں سے کسی پر جادو کر سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - صحیح روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک یہودی شخص ''لبید بن الاعصم'' نے جادو کیا تھا، جس کی بنا پر ایک خاص ذاتی معاملہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوتی تھی، اس جادو کے دفعیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی دوسورتیں (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) نازل فرمائیں اور آپ کی پریشانی دور ہوئی؛ لہٰذا جادو سے متأثر ہونا شانِ رسالت کے خلاف نہیں ہے، یہ بھی ایک مخفی بیماری ہے جس سے کوئی بھی شخص متأثر ہوسکتا ہے آج بھی ایسا ممکن ہے۔ (مستفاد: بخاری شریف ۱/۴۶۲، تفسیر ابن کثیر ۶/۵۸۹ زکریا)

وجاء في رواية: السحر حق، ويدل عليه قوله تعالیٰ: ﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ﴾ الخ. (الفقه الأكبر ص: ٢٤٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۲/۷/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں ۲۷ر سال رہے؟

سوال (۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں کتنی مدت رہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں ۲۷ر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں رہے، کیا اُن کا یہ کہنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح ہونے سے پہلے ہی سفر اسراء ومعراج سے واپس مکہ تشریف لے آئے، اِسی پر مشرکین کو تعجب ہوا، اور وہ انکار کرنے لگے، جس کی تفصیلات کتب سیر وحدیث میں موجود ہیں، اور ۲۷ر سال کی مدت والی بات کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے۔

مستفاد: فلما أصبح غدًا على قريش فأخبرهم الخبر، فقال أكثر الناس: هذا والله الأمر البيّن، والله أن العِير لتطرد شهرًا من مكة إلى الشام

مدبرة، وشهرًا مقبلة، أفيذهب ذلک محمد في ليلة واحدة ويرجع إلى مكة الخ. (سيرة ابن هشام مع الروض الأنف / ذكر الإسراء والمعراج ۱۹۰/۲ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۳/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا حضور ﷺ نے اپنے لئے نزع روح کے وقت کی تکلیف مانگی تھی؟

سوال (۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک روایت کے جز میں بیان کیا گیا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کی روح نکالنے کے وقت کتنی تکلیف ہوتی ہے؟ تو عزرائیل علیہ السلام نے کہا: اللہ کے رسول آپ نے ریشم کا کپڑا دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں دیکھا ہے۔ کانٹے دار جھاڑیاں دیکھی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھی ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے کہا ریشم کے کپڑے کو کانٹے دار جھاڑیوں پر ڈال دیا جائے اور کئی دن تک پڑا رہے، پھر اُس کپڑے کو نکالا جائے تو کیا حال ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس کے تار تار الگ ہوجائیں گے، تو حضرت عزرائیل نے فرمایا کہ یہی حال روح کے نکالنے کے وقت ہوتا ہے، جسم کے تار تار الگ ہوجاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزرائیل ! موت کے وقت جو تکلیف میری اُمت کو ہوتی ہے وہ سب مجھے روح نکالتے وقت دے دو؛ تاکہ میری اُمت اِس تکلیف سے محفوظ ہوجائے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ حدیث شریف کس حیثیت کی ہے؟ کیا دونوں جزء یکساں ہیں یا دونوں کی حیثیت میں فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- یہ روایت کسی کتاب میں دستیاب نہ ہوسکی، ایسی بے سند باتوں کا عوام میں بیان کرنا درست نہیں ہے۔ علماء کو صرف وہی باتیں بیان کرنی چاہئیں جو صحیح سند اور معتبر حوالوں سے ثابت ہوں، غیر معتبر باتوں سے اصلاح کی کوئی اُمید نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلا تَقفُ مَا لَيسَ لَکَ بِهِ عِلمٌ اِنَّ السَّمعَ وَالبَصَرَ وَالفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنهُ مَسئُولًا﴾ [بني اسرائیل: ٣٦]

عن حفص بن عاصم قال: قال رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم: كفى بالمرء كذبًا أن يحدث بكل ما سمع. (مقدمة مسلم / باب النهي عن الحديث بكل ما سمع ٨/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۶/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ملک الموت کو اُمت کا حال پوچھنے کے لئے حضور ﷺ نے واپس کردیا تھا؟

سوال (۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر مرادآباد کے ایک معتبر منبر سے ایک عالم دین نے سیرت کے حوالے سے یہ روایت بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت جبرائیل اور حضرت عزرائیل علیہما السلام تشریف لائے اور روح نکالنے کی اِجازت چاہی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جایئے اور اللہ جل شانہ سے دریافت فرمائیں کہ میرے بعد میری اُمت کا کیا ہوگا؟ جبرئیل گئے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ اللہ آپ کی اُمت کو محروم نہیں کرے گا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں ذکر کردہ روایت مذکورہ تفصیل کے ساتھ تلاش کے باوجود دستیاب نہ ہوسکی؛ البتہ ایک صحیح روایت میں یہ مضمون وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ قرآنِ پاک کی تلاوت فرمارہے تھے، اِسی درمیان آپ پر رقت طاری ہوئی اور آپ ہاتھ اُٹھا کر اُمت کے لئے دعا مانگنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام

کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ سے گریہ وبکا کا سبب پوچھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے اپنی اُمت کے بارے میں کلمات ذکر فرمانے کے بعد فرمایا کہ مجھے اپنی اُمت کے بارے میں فکر ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ جواب حضرت جبرئیل نے اللہ تک پہنچایا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوبارہ حضرت جبرئیل کو یہ بشارت دے کر بھیجا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوش خبری سنا دیں کہ ''إِنَّا سَنُرْضِیکَ فِيْ أُمَّتِکَ وَلَا نَسُوْءُ کَ'' (اے محمد! ہم آپ کی اُمت کے بارے میں آپ کو خوش کر دیں گے اور آپ کو ناراض نہ رہنے دیں گے) ظاہر ہے کہ اس صحیح روایت کا مضمون آپ کے سوال میں ذکر کردہ روایت کے بالکل الگ ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضي اللّٰہ عنهما أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم تلا قول اللّٰہ تعالیٰ في إبراهیم علیه السلام ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ﴾ الآیة. وقال عیسیٰ علیه السلام: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ فرفع یدیه وقال: ''اللّٰهم أمتي أمتي'' وبکی، فقال اللّٰہ تعالیٰ: یا جبرئیل! اذهب إلی محمد - وربک أعلم - فاسأله ما یبکیک؟ فأتاه جبرئیل فسأله فأخبره رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بما قال وهو أعلم، فقال اللّٰہ تعالیٰ: یا جبرئیل! اذهب إلی محمد فقل: ''إنا سنرضیک في أمتک ولا نسوء ک''.

(صحیح مسلم / باب دعاء النبي لأمته وبکائه سفقة علیه ۱/۱۱۳ رقم: ۳۴۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معاشر الأنبیاء دیننا واحد الخ کس درجہ کی حدیث ہے؟

سوال (۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ’’**معاشر الأنبياء ديننا واحد**‘‘ حدیث کی تحقیق مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بعینہٖ مذکورہ الفاظ کے ساتھ تو حدیث کی کسی کتاب میں یہ روایت نہیں مل سکی؛ البتہ بخاری شریف میں اسی مفہوم کی روایت موجود ہے جو درج ذیل ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا أولى الناس بعيسى ابن مريم في الدينا والآخرة، والأنبياء إخوة لعلات، أمهاتهم شتى ودينهم واحد. (صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء / باب قول الله: ﴿واذكر في الكتاب مريم﴾ ٤٩٠/١ رقم: ٣٤٤٣ بيت الأفكار الدولية)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن نبي الله صلى الله عليه وسلم قال: الأنبياء إخوة لعلات أمهاتهم شتى ودينهم واحد، وأنا أولى الناس بعيسى ابن مريم؛ لأنه لم يكن بيني وبينه نبي. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الفتن / ما ذكر في فتنة الدجال ٤٩٩/٧ رقم: ٣٧٥٢٦ مكتبة الرشد الرياض، المسند للإمام أحمد ١٥٤/١٥ رقم: ٩٢٧٠ مؤسسة الرسالة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۷/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

’’غزوۃ الہند‘‘ کے بارے میں آمدہ روایات اور اُن کا مصداق

سوال (۸۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل بعض جہادی تحریکوں کی طرف سے ’’فیس بک‘‘ اور وہاٹس اَیپ‘‘ وغیرہ پر ’’غزوۃ الہند‘‘ کے متعلق مواد شائع ہوتا رہتا ہے، اور بعض لوگ اِن روایات کو موجودہ ہندوستانی حکومت سے جنگ یا بغاوت کے ساتھ جوڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اِس ضمن میں یہ سوال ہے کہ ’’غزوۃ الہند‘‘ سے متعلق روایات کی سندی حیثیت کیا ہے؟ اور اُن کا مصداق سابقہ زمانہ میں گذر چکا ہے، یا

آئندہ پیش آنے والا ہے؟ اِس بارے میں تحقیق مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ''غزوۃ الہند'' یعنی ہندوستان میں جہاد اور اُس کی فضیلتوں کے بارے میں ذخیرۂ احادیث میں متعدد روایتیں ملتی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

سیدنا حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث:- (۱) **أخبرني محمد بن عبد اللّٰه بن عبد الرحيم قال: حدثنا أسد بن موسىٰ، قال: حدثنا بقية، قال: حدثني أبوبكر الزبيدي عن أخيه محمد بن الوليد عن لقمان بن عامر عن عبد الأعلىٰ بن عدي البهراني عن ثوبان مولىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: عصابان من أمتي، أحرزهما اللّٰه من النار عصابة تغزو الهند وعصابة تكون مع عيسى بن مريم عليهما السلام.** (سنن النسائي، كتاب الجهاد / باب غزوة الهند ٥٢/٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب ما جاء في قتال الهند ٣٣٢/٩، كنز العمال ١٤٦/١٤، المعجم الأوسط للطبراني ١٠٧/٥ رقم: ٦٧٤١، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٢٧٨/٥ رقم: ٢٢٢٩٥)

قال المحقق: إسناده حسن، فيه الجراح بن مليح البهراني وهو صدوق يهم. (انظر التقريب ١٠٦/١)

ولقمان بن عامر صدوق الخ. (مجمع الزوائد ٢٧٢/٥)

قال المحقق حمزة أحمد الزين – رحمه اللّٰه تعالىٰ –: إسناده ضعيف لأجل أبي بكر بن الوليد الزبيدي الشامي، لم يذكره أحد بجرحٍ، وقال في التقريب: مجهول الحال. (المسند للإمام أحمد بن حنبل / تحقيق: أحمد الشاكر وحمزة أحمد الزين ٢٩٤/١٦ دار الحديث القاهرة)

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات:- (۲) **أخبرنا أحمد بن**

عثمان بن حكيم، قال: حدثنا زكريا بن عدي، قال: حدثنا عبيد الله بن عمرو عن زيد بن أبي أنيسة عن سيارٍ ح، قال: وأخبرنا هشيم عن سيار عن جبر بن عَبيدة، وقال عبيد اللّٰه عن جُبير عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: وعدنا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم غزوة الهند، فإن أدركتها أنفق فيها نفسي ومالي، فإن اقتل كنت من أفضل الشهداء، وإن أرجع فأنا أبوهريرة المحرر.

(سنن النسائي، كتاب الجهاد / باب غزوة الهند ٥٢/٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب ما جاء في قتال الهند ٣٣١/٩، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٢٢٩/٢)

والحديث ضعيفٌ في إسناده جبر بن عبيدة، وهو مجهولٌ. (ذكره المِزّي في تهذيب الكمال ٤٩٤/٤، وكذٰلك في ميزان الاعتدال للذهبي ٣٨٨/١)

(٣) عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: حدثني خليلي الصادق رسول الله صلى الله عليه وسلم إنه قال: يكون في هٰذه الأمة بعثٌ إلى السند والهندِ، فإن أنا أدركتُ فذٰلك، وإن أنا فذكرَ كلمةً رجعتُ وأنا أبوهريرة المحرر قد أعتقني من النار. (رواه الإمام أحمد ٣٦٩/٢)

قال المحقق: وفي إسناده علتان:

الأولىٰ:- البراء بن عبد الله الغنوي قال يحيىٰ بن معين لم يكن حديثه بذاك، وقال أيضًا ضعيفٌ، وقال النسائي: ضعيفٌ. وقال الحافظ في التقريب: ضعيفٌ

الثانية:- الانقطاع بين الحسن وأبي هريرة، قال أبوحاتم: لم أسمع حسن من أبي هريرة.

حضرت صفوان بن عمرو کی روایت:- (٤) حدثنا الوليد قال حدثنا صفوان بن عمرو عمن حدثه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يغزو قوم من أمتي

الهند، فيفتح الله عليهم حتى يلقوا بملوک الهند مغلولين في السلاسل، يغفر الله لهم ذنوبهم، فيصرفون إلى الشام، فيجدون عيسىٰ بن مريم. (أخرجه النعيم بن حماد في الفتن ص: ۲۵۳)

(لیکن یہ روایت سنداً ضعیف اور منقطع ہے، اور اِسی سے ملتے جلتے مضمون کی متعدد روایتیں ''کتاب الفتن للمروزی'' میں مذکور ہیں اور سب غیر معتبر ہیں)

البتہ مذکورہ بالا روایات میں پہلی تین روایتیں کسی حد تک قابل اعتبار ہیں؛ لیکن اُن میں مطلقاً ''غزوۃ الہند'' کا ذکر ہے، کسی زمانہ کی تخصیص نہیں ہے۔ اَب اِس کا مصداق کونسا غزوہ ہے؟ اِس بارے میں سب سے راجح بات یہ ہے کہ:

جو غزوات اسلام کی ابتدائی اور وسطی صدیوں میں ہندوستان کی جانب پیش آئے، جن کی بنا پر ایک عرصہ تک یہاں مسلمانوں کو اقتدار حاصل رہا، یہی غزوات ''غزوۃ الہند'' کا مصداق ہیں، جن میں بالخصوص محمد بن قاسمؒ اور سلطان محمود غزنویؒ کی معرکہ آرائی قابل ذکر ہے۔

اِس رائے کی تائید بعض اُن روایتوں سے بھی ہوتی ہے جن میں ہندوستان کے ساتھ ساتھ سندھ کا بھی تذکرہ ہے، (جیسا کہ مذکورہ حدیث ۳ ر میں مذکور ہے) اور ظاہر ہے کہ سندھ کی فتح کا واقعہ ''محمد بن قاسمؒ'' کی قیادت میں پیش آیا۔

یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیث میں ''ہند'' کا جو ذکر ہے، اُس سے خاص ہندوستان مراد نہیں ہے؛ بلکہ ہندوستان کی طرف کے علاقے مراد ہیں، جن میں خاص طور پر بصرہ اور اُس کے اطراف کا علاقہ ہے، اِس کی تائید بعض آثار صحابہ سے ہوتی ہے، جو یہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''ہم لوگ ہند سے بصرہ (عراق وایران وغیرہ) مراد لیتے ہیں''۔

قال خالد: كتب إلي أمير المؤمنين حين ألقى الشام ...... الخ، في أن أسير إلى الهند، والهند في أنفسنا يومئذٍ البصرة ...... الخ. (العراق في الأحاديث وآثار الفتن والملاحم ۱/۳۶۱)

اِس تاویل کے اعتبار سے اِس سلسلہ کی حدیثوں کا تعلق ابتدائی زمانہ میں جو ایران وفارس سے جنگیں ہوئی ہیں، اُن سے ہے۔

اور جولوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ابھی اِن اَحادیث کا مصداق پیش نہیں آیا؛ بلکہ بعد میں پیش آئے گا، تو اُن کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے؛ اِس لئے کہ باتفاقِ محدثین اس طرح کی سب باتیں قطعاً ناقابلِ اعتبار ہیں۔

کیوں کہ صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ اخیر زمانہ میں مسلمان جزیرۃ العرب اور ملک شام میں سمٹ جائیں گے، اور اِسی درمیان دجال کا خروج ہوگا، اور اُس وقت جو مسلمان قسطنطنیہ کی جنگ میں ہوں گے، وہ سب جنگ چھوڑ کر لوٹ آئیں گے، اُس کے بعد ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

اِن صحیح روایات کے رہتے ہوئے اُس زمانہ میں موجودہ ہندوستان کی فتح اور یہاں کے بادشاہوں کو بیڑیوں میں جکڑ بند کر کے ملک شام لے جانا یہ سب بنائی ہوئی باتیں ہیں، جن پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

درج بالا تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ ''غزوۃ الہند'' والی احادیث سے ہندوستان میں رہنے والے موجودہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کی کوشش سراسر غلط اور فتنہ انگیزی ہے۔

علاوہ ازیں ہندوستانی مسلمان اِس جمہوری ملک میں دستوری معاہدہ کے تحت قیام پذیر ہیں، جب تک یہ معاہدہ برقرار ہے، اس سے بغاوت کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: **اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدتُّمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ.** (التوبۃ: ٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
خادم حدیث وفقہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۲/۱/۱۴۳۷ھ

کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خاص تجلی فرمائیں گے؟

سوال (۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے بیان میں یہ روایت ذکر کی کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں پر عمومی نظر فرماتے ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خصوصی تجلی سے نوازتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اِس طرح کی کوئی حدیث معتبر سند سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - بلاشبہ اِس اُمت میں نبی اکرم علیہ السلام کے بعد سب سے بلند مرتبہ خلیفۂ اَول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے اور آپ کی اَفضلیت کے بارے میں متعدد روایات صحیح سند کے ساتھ کتب اَحادیث میں موجود ہیں؛ لیکن سوال میں آپ کے متعلق جس روایت کا تذکرہ کیا گیا ہے اُسے محدثین نے موضوع قرار دیا ہے؛ کیوں کہ اگرچہ وہ متعدد طرق سے منقول ہے؛ لیکن اُس کی ہر سند میں کوئی نہ کوئی کذاب اور متہم راوی ضرور موجود ہے؛ لہٰذا صحیح اَحادیث کو چھوڑ کر ایسی من گھڑت روایات کو عوام میں بیان کرنا بالکل درست نہیں ہے۔

تعصّب قوم لا خلاق لهم يدعون التمسک بالسنة فوضعوا لأبي بكر فضائل وفيهم من قصد معارضة الرافضة بما وضعت لعلي عليه السلام وكلا الفريقين على الخطأ وذلک السيدان غنيان بالفضائل الصحيحة الصريحة عن استعارة وتخرص؛ الحديث الأول في: "أن الله يتجلى لأبي بكر خاصةً" فيه عن أنس وجابر وأبي هريرة وعائشة رضي الله عنهم.

فأما حديث أنس فله ثلاثة طرق:

الطريق الأول لفظه: عن أنس قال لما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم

من الغار أخذ أبوبكر بغرزة فنظر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى وجهه، فقال: يا أبا بكر! ألا أبشرك؟ قال: بلىٰ! فداك أبي وأمي، قال: إن اللّٰه يتجلى للخلائق يوم القيامة عامة ويتجلى لك يا أبا بكر خاصةً.

وأما حديث جابر فله أربعة طرق:

قال ابن الجوزي: أما حديث أنس ففي الطريق الأول: محمد بن عبد.

قال أبوبكر الخطيب: هذا حديث لا أصل له عند ذوي المعرفة بالنقل فيما نعرفه، وقد وضعه محمد بن عبد إسنادًا ومتنًا.

قال الدار قطني: محمد بن عبد يكذب ويضع.

الطريق الثاني لفظه: عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه يتجلى للخلائق عامة ويتجلى لك خاصة.

قال ابن الجوزي: وفي الطريق الثاني: بنوس، وهو مجهولٌ لا يعرف.

والطريق الثالث لفظه: عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لأبي بكر: ألا أبشرك برضوان اللّٰه الأكبر يا رسول اللّٰه؟ قال: إن اللّٰه عزوجل إذا كان يوم القيامة يتجلى للناس عامة ولك خاصة.

قال ابن الجوزي: والطريق الثالث فيه مجاهيل، وأحدهم قد سرقه من محمد بن عبد.

وأما حديث جابر: فله أربعة طرق: الطريق الأول لفظة: عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يا أبا بكر أعطاك اللّٰه الرضوان الأكبر، فقال له بعض القوم: يا رسول اللّٰه! وما الرضوان الأكبر؟ قال: يتجلى اللّٰه في الآخرة لعباده المؤمنين عامة ويتجلى لأبي بكر خاصة.

الطريق الثاني لفظه: عن علي بن عبدة قال: حدثنا يحيىٰ بن سعيد

القطان عن ابن أبي ذئب عن محمد بن المنكدر قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه ليتجلى للناس عامة ويتجلى لأبي بكر خاصة.

الـطريق الثالث: رواه ابن الجوزي بسنده من طريق أبو حامد أحمد بن علي بن حسنويه الخ، ولفظ عن جابر قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه يتجلى المؤمنين عامة ويتجلى لأبي بكر خاصة.

الـطـريـق الـرابـع رواه بسنده عن طريق أبي القاسم عمر بن محمد ابن عبد اللّٰه الترمذي إلى جابر رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لأبي بكر: يا أبا بكر! ألا أبشرک؟ قال: بلیٰ يا رسول اللّٰه! قال: إن اللّٰه يتجلى للخلائق عامة ولک خاصة.

فالطريق الأول تفرّد به محمد بن خالد وقد كذبوه.

والطريق الثاني: فيه علي بن عبدة، قال الدار قطني: كان يضع الحديث.

وأما الـطـريـق الثـالـث: فأنبأنا القزاز قال: أنبأنا أبو بكر الخطيب قال: الحمل فيه على أبي حامد بن حسنويه؛ فإنه لم يكن ثقةً.

وأما الطريق الرابع: فقال أبو الفتح ابن أبي الفوارس: في أبي القاسم نظر:

أمـا حديث أبي هريرة فهو حديث أنس الأول، ونرى أن أحمد بن محمد ابن عمر اليماني سرقه وغيّر إسناده.

قال أبو حاتم الرازي: كان اليماني كذابًا.

وقال الدار قطني: متروک الحديث.

وأمـا حـديـث عـائشة فـفيـه عبد اللّٰه بن واقد. قال أحمد: ويحى ليس بشيء. وقال النسائي: متروک الحديث.

وقـال ابن حبان: غفل من الاتقان وحدث على التوهم فوقعت المناكير

في أخباره. (الموضوعات لابن الجوزي، كتاب الفضائل والمناقب / باب فضل أبي بكر الصديق ۱/ ۳۰۴-۳۰۸ المكتبة السلفية بالمدينة المنورة، الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرىٰ لعلي القاري ۱/ ٤٧٦ مؤسسة الرسالة، تذكرة الموضوعات للمفتي، كتاب العلم / باب فضل صحابته وأهل بيته الخ ۱/ ۹۳ إدارة الطباعة المنيرية، الفوائد المجموعة للشوكاني، كتاب الفضائل / باب مناقبل الخلفاء الأربعة ۱/ ۳۳۱ رقم: ۱ دار الكتب العلمية بيروت، اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي ۱/ ۲٦٢-۲٦٤ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۲/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عائشہؓ کے تنہا ایک جگہ بیٹھنے پر حضورؐ نے نکیر فرمائی تھی؟

سوال (۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگ مولانا شاہ محمد ہدایت علی نقشبندی مجددی جے پوریؒ نے اپنی کتاب ''معیار السلوک ودافع الاوہام والشکوک'' میں صفحہ نمبر ۱۶۴ پر تحریر فرمایا ہے کہ ''جیسے پیر اپنی بیوی اور بہنوں اور بیٹیوں کا پردہ مریدوں سے کرانا مناسب سمجھتا ہے، اسی طرح مرید عورتوں سے پردہ کرنا چاہئے، اور پردہ کی ہمیشہ احتیاط رکھے اور اپنے مریدوں کو پردہ کے معاملے میں تاکید کرتا رہے؛ کیوں کہ بیعت ہونا سنت ہے اور پردہ فرض، جب پردہ نہ کیا اور ترکِ فرض کیا تو سنت بیعت کیسے قائم اور فائدہ بخش رہ سکے گی؟ نامحرم عورت سے پردہ نہ ہونا بہت سی خرابیاں پیدا کرتا ہے، نفس وشیطان سے نہ کسی کو اطمینان ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے؛ چناں چہ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مکان میں یہ دونوں باپ اور بیٹی بیٹھے ہوئے تھے اور یہ دونوں ذاتِ مبارک وہ ہیں کہ جن کی پاکیزگی اور بزرگی میں قرآنِ پاک میں کئی جگہ آیات نازل ہوئی ہیں، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اِن دونوں کو تنہا بیٹھا دیکھ کر یہ فرمایا کہ: اے ابوبکر! شیطان دور نہیں، تنہا بیٹی کے پاس بھی نہ بیٹھا کرو؛ بلکہ تیسرے آدمی کو ساتھ لے لیا کرو"۔

اسی کتاب سے یہ واقعہ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے جو فتاویٰ رحیمیہ ۹۶/۱۰ پر مذکور ہے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ واقعہ (اَمیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تنہا بیٹھا ہوا ہونا) اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا کلمات ارشاد فرمانا احادیث میں منقول ہے؟ اور کیا اس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر کے یہ واقعہ بیان کرنا درست ہے؟ بینوا توجروا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں ذکر کردہ خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک مکان میں یکجا موجود ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تنبیہ فرمانے سے متعلق واقعہ تلاش کے باوجود کسی بھی حدیث یا سیرت کی کتاب میں دستیاب نہیں ہوا، بظاہر یہ واقعہ بے اصل ہے؛ کیوں کہ یہ اُن صحیح اَحادیث کے معارض ہے جن میں محرم کے ساتھ تنہا رہنے کی واضح اجازت دی گئی ہے اور مواعظ وتصوف کی کتابوں میں منقول روایات پر بلا تحقیق اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

عن أبي معبد سمعت ابن عباس رضي اللّٰه عنه يقول سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يخطب يقول: لا يخلون رجل بامرأة إلا ومعها ذو محرم الخ.

(صحيح مسلم، كتاب الحج / باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره ٤٣٤/١ رقم: ١٣٤١)

والخلوة بالمحرمة مباحة. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع ٥٢٩/٩ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۶/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تھوڑی دیر دین کی فکر لے کر بیٹھنے کی فضیلت

سـوال (۸۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے تبلیغی اَحباب بیانات میں اِس حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر دین کی فکر میں بیٹھنا ۶۰ رسال کی عبادت سے افضل ہے، کیا یہ واقعۃً کوئی حدیث ہے یا کسی کا مقولہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجواب وبالله التوفيق: - ’’فِكْرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً‘‘ (یعنی تھوڑی دیر (دین کے بارے میں) فکر کرنا ۶۰ رسال کی عبادت سے بہتر ہے) اِس طرح کی روایت کو حضرات محدثین نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے؛ اِس لئے کہ اِس روایت کی سند میں کئی ایسے راوی ہیں جن کو واضعینِ حدیث اور کذابین میں شمار کیا گیا ہے۔ اور مشہور شارح حدیث حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے؛ بلکہ ایک بزرگ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے؛ لہٰذا اِس طرح کی بات کو حدیث کہہ کر بیان کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

قال القاري: ليس بحديث؛ إنما هو من كلام السري السقطي.

(المصنوع في معرفة الحديث ص: ۸۵ رقم: ۹٤ مؤسسة الرسالة بيروت)

”فكرة ساعة خير من عبادة ستين سنة“ هذا حديث لا يصح. وفي الإسناد كذابان، فما أفلت وضعه من أحدهما إسحاق بن نجيح. قال أحمد: هو أكذب الناس. وقال يحى: هو معروف بالكذب ووضع الحديث. وقال الفلاس: كان يضع الحديث على رسول الله صلى الله عليه وسلم صراحًا. والثاني: عثمان، قال ابن حبان: يضع الحديث على الثقات. (كتاب الموضوعات لابن الجوزي، كتاب الزهد / باب ثواب الفكر ۱٤٤/۳ المكتبة السلفية بالمدينة المنورة)

قال أحمد: إسحاق من أكذب الناس يحدث عن البتّي يعني عثمان عن

ابـن سيرين برأي أبي حنيفة. وقال ابن محرّز: سمعت ابن معين يقول: كذاب عـدو الـلّٰـه رجل سوء خبيث. وقال ابن أبى شيبة عنه: كان ببغداد قوم يضعون الـحـديـث مـنهـم إسـحـاق ابـن نـجيـح الملطي. وقال ابن أبي مريم عنه: من المعروفين بالكذب ووضع الحديث. وقال عبد اللّٰه بن علي بن المديني: سألت أبـي عـنـه، فـقال: بيده هكذا أي: ليس بشيء، وضعفه. وقال في موضع آخر: روى عجائب. (تهذيب التهذيب ۲۵۳/۱ رقم: ٤٧٦ مطبعة دائرة المعارف النظامية الهند)

قـال الشـوكـانـي: فـي الأحـاديـث الـموضوعة رواه أبو الشيخ عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه مرفوعًا، وفي إسناده عثمان بن عبد اللّٰه القرشي وإسحاق بـن نـجيـح الـمطلي كذابان والمتهم به أحدهما. (الـفـوائـد المجموعة في الأحاديث الـمـوضـوعة / كتـاب الأدب والـزهد والطب وعيادة المريض ص: ۲٤۲ رقم: ۷٥ دار الكتب العلمية بيروت، بحوالة: كتاب النوازل ۱۹۲/۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۲/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا اِسبالِ ازار میں موٹے پیٹ والے کیلئے کچھ رخصت ہے؟

سوال (۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) ”**ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار**“ (**الحديث**) اِس حدیث میں پائجامہ ٹخنے سے نیچے رکھنے کے بارے میں جو وعید آئی ہے، اُس وعید کا اطلاق کس انتہاء پر ہوگا، یعنی وہ پائجامہ جو ٹخنے سے نیچے ہو یا وہ پائجامہ جو رگڑ کر چلتا ہو؟

(۲) ایک عالم دین جو امام ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اَحادیث اور آثار صحابہ میں ٹخنے سے نیچے پائجامہ رکھنے کے بارے میں جو وعید آئی ہے، اُس سے مراد وہ پائجامہ ہے جو زمین سے رگڑ کر چلتا ہو۔

(۳) اُن عالم دین نے اِس کو صدیق اکبر اور دیگر صحابہ کے حوالہ سے کہا کہ حضرت ابوبکر کی لنگی ٹخنے سے نیچے رہتی تھی۔

(۴) اگر کسی کا پیٹ بڑھا ہوا ہو تو یہ عذر شرعی ہوگا یا نہیں؟ کیا ایسے شخص کو ٹخنے سے نیچے پائجامہ رکھنے کے سلسلے میں گنجائش ہوگی؟ حالاں کہ ہم نے اپنے اکابر اہل سنت کو انتہاء درجہ پیٹ موٹا ہوتے ہوئے بھی پائجامہ یا لنگی ٹخنے سے اوپر رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۵) کیا حالات کے اعتبار سے نص قطعی، احادیث، آثارِ صحابہ، اجتہاد وقیاس سے جو فتاویٰ اخذ ہوئے ہیں وہ بدلتے ہیں؟

یہ مذکورہ عالم دین کا پائجامہ کی بات کے ضمن میں کہنا ہے، نیز موصوف اِس بارے میں مفتی شبیر صاحب شاہی مرادآباد کے قول کو پیش کرتے ہیں؛ حالاں کہ ہم نے ایسا حضرت مفتی صاحب کی کتاب فتاویٰ قاسمیہ ۲۳/۷۹۴، اِسی طرح امداد الفتاویٰ ۹/۴۶ اور دیگر اکابرین کے فتاویٰ میں کچھ نہیں پایا؛ لہٰذا مذکورہ مسئلہ میں ان عالم دین کا یہ کہنا اور مفتی شبیر صاحب کے قول کو دلیل میں نقل کرنا کس حد تک درست ہے؟ اگر درست ہے تو دیگر فتاویٰ میں جو پائجامہ ٹخنے سے نیچے رکھنے کے بارے میں ممنوعات ہیں، اِس کا کیا جواب ہے؟ کیا شرعی عذر یعنی پیٹ موٹا ہونے کی صورت میں پائجامہ ٹخنے سے نیچے رکھنے کے بارے میں گنجائش ہے؟

براہ کرم مذکورہ مسئلہ میں کافی مشوش ہیں، اِس لئے مدلل ومحقق جواب مرحمت فرمائیں جس میں تمام اِمکانی صورتیں واضح ہوجائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مرد کے لئے اپنا کپڑا ٹخنے سے نیچے بالقصد لٹکانا جائز نہیں ہے اور اِس کے متعلق احادیثِ شریفہ میں سخت وعیدیں وارد ہیں اور یہ وعید مطلق ہے، یعنی خواہ صرف ٹخنہ ڈھکا ہوا ہو یا کپڑا زمین پر رگڑ رہا ہو، بہرصورت اس کی ممانعت ہے؛ البتہ اگر کسی شخص کا بدن بھاری ہو یا کسی وقت اتفاقاً بے خیالی میں کپڑا نیچے ہوجائے تو ایسا شخص گنہگار نہ

ہوگا؛ چناں چہ اِس بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسی عذر پر محمول ہے۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اپنے قصد واختیار سے کپڑا اینچے لٹکانے کی کسی مرد کو اجازت نہ ہوگی؛ البتہ بلا اختیار کبھی کبھار کسی عذر کی وجہ سے لٹک جائے تو معاف ہے؛ لیکن ٹخنہ کھلا رکھنے کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے، اور اِس بارے میں حضرت مفتی شبیر احمد صاحب زید مجدہ مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد کی طرف مطلق جواز کی نسبت ہرگز صحیح نہیں ہے، موصوف نے نہ تو اپنے کسی فتویٰ میں اِس کی اجازت دی ہے، نہ کسی کتاب میں یہ بات لکھی ہے اور نہ زبانی بیان کی ہے، حضرت کی رائے بھی یہی ہے کہ مرد کے لئے بالقصد کپڑا اینچے لٹکانا اور ٹخنہ ڈھکنا مکروہ ہے۔

اور کسی کا یہ کہنا کہ حالات کے اعتبار سے فتاویٰ بدلتے رہتے ہیں، یہ اَولاً تو علی الاطلاق درست نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اِس بات کو زیر بحث مسئلہ پر منطبق کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے؛ کیوں کہ کسی بھی معتبر مفتی نے بالقصد اِس عمل کی اجازت نہیں دی ہے۔

عن سالم بن عبد اللّٰہ عن أبیہ رضي اللّٰہ عنہ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللّٰہ إلیہ یوم القیامۃ، قال أبوبکر: یا رسول اللّٰہ! إن أحد شِقی إزاري یسترخي إلا أن اتعاھد ذلک منہ، فقال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لستَ ممن یصنعہ خیلاء، قال الحافظ في الفتح: قولہ: (إلا أن اتعاھد ذلک منہ) أي یسترخي إذا غفلت عنہ ووقع في روایۃ معمر عن زید بن أسلم عند أحمد (إن إزاري یسترخي أحیانًا) فکأن شدہ کان ینحل إذا تحرک بمشي أو غیرہ بغیر اختیارہ فإذا کان محافظًا علیہ لا یسترخي؛ لأنہ کلما کاد یسترخي شدہ. (فتح الباري، کتاب اللباس / باب من جرّ إزارہ من غیر خیلاء ۱۰/۳۱۳ رقم: ۵۷۸۴ دار المعرفۃ بیروت)

ویکرہ للرجال السراویل التي تقع علی ظہر القدمین. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الکراھیۃ / الفصل العاشر في اللبس ما یکرہ الخ ۱۸/۱۱۸ رقم: ۲۸۲۲۱ زکریا)

إسبال الرجل إزاره أسفل من الكعبين إن لم يكن للخيلاء ففيه كراهة تنزيه. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الكراهة ٣٨٦/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بدھ کے دن کسی نئے کام کی شروعات کا کیا درجہ ہے؟

سوال (۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدارس میں یہ بات مشہور ہے کہ بدھ کے دن کتاب وغیرہ شروع کرانا مبارک ہے، نیز یہ کہ جو شخص کوئی اہم کام بدھ کو نہ شروع کرے تو وہ کام ناقص ہوتا ہے تو یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے؟ کیا اس کی روایات معتبر حوالوں سے موجود ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ''بدھ کے دن جو کام شروع کیا جائے وہ کامل اور تام ہوتا ہے'' یا ''جو کام بدھ سے نہ شروع ہو وہ ناقص رہتا ہے''۔ اِن الفاظ کے ساتھ جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ سب بے اصل اور موضوع ہیں۔ اِس طرح کے کلمات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے نقل کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن مسلم شریف میں ایک صحیح روایت میں یہ مضمون وارد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بدھ کے دن نور کو پیدا فرمایا، اِس روایت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کسی بھی اچھے کام کو بدھ کے دن شروع کرنے کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ بریں بناء اگر کوئی شخص مسنون یا واجب سمجھے بغیر بدھ کے روز کتاب وغیرہ شروع کرنے کا اہتمام کرے تو اُسے ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا۔

وفي الموضوعات الصغریٰ: "ما بدئ بشيء يوم الأربعا إلا تم، قال السخاوي لم أقف له على أصل. (الموضوعات الصغریٰ / لملا على القاري ص: ١٥٩ المكتب المطبوعات الإسلامي بيروت، المقاصد الحسنة ٥٧٤/١ رقم: ٩٤٣ دار الكتاب العربي بيروت، كشف الخفاء للعجلوني ٢١٣/٢ رقم: ٢١٩١ المكتبة العصرية)

اتفقوا على تحريم رواية الموضوع إلا مقرونا ببيانه. (نزهة النظر شرح نخبة الفكر / أقسام الآحاد ص: ۸۷ مكتبه البشرىٰ كراتشي بحوالہ موضوع اَحادیث سے بچیے: ۸۵)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: أخذ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بيدي فقال خلق اللّٰه التربة يوم السبت ...... وخلق النور يوم الأربعاء ...... الخ. (صحيح مسلم، كتاب صفة القيامة والجنة والنار / باب ابتداء الخلق وخلق آدم عليه الصلاة والسلام ۳۷۱/۲ رقم: ۲۷۸۹)

قال الإمام برهان الدين الزرنوجي: وسمعت ممن أثق به أن الشيخ الإمام يوسف الهمذاني – رحمه اللّٰه – كان يوقف كل عمل من أعمال الخير على يوم الأربعاء وهذا ثابت، لأن يوم الأربعاء يوم خلق فيه النور وهو يوم نحس في حق الكفار فيكون مباركاً للمؤمنين. (تعليم المتعلم / فصل في بداية السبق وقدره وترتيبه ص: ٦٢ مكتبة الاتحاد ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو تھپڑ مارنے کا واقعہ صحیح ہے؟

سوال (۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کے تھپڑ مار دیا تھا؟ جس سے اُن کی آنکھ باہر نکل آئی، اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو یہ فرشتہ آپ کے پاس کس صورت میں آیا تھا؟ اور اُس پر غصہ کرنے کی وجہ کیا ہوئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ملک الموت کو تھپڑ مارنے کا واقعہ صحیح اَحادیث سے ثابت ہے اور بحکمتِ خداوندی اُس وقت یہ فرشتہ انسانی

شکل میں حاضر ہوا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ناراض ہونے کی وجہ غالبًا یہ ہوئی کہ وہ بلا اجازت گھر میں داخل ہوکر وفات کی گفتگو کرنے لگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے پہچان نہ سکے، اِسی بنا پر اُس کے ساتھ سختی سے پیش آئے؛ اور کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام طاقتور شخص تھے؛ اِس لئے انسانی شکل میں آنے والا فرشتہ اُن کے تھپڑ کا متحمل نہ ہوسکا؛ حتیٰ کہ اس کی آنکھ باہر نکل آئی؛ لیکن جب وہ فرشتہ دوبارہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اُسے پہچان لیا اور وفات کی منظوری دے دی۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: أرسل ملك الموت إلى موسىٰ فلما جاءه صكه ففقأ عينه، فرجع إلى ربهٖ فقال أرسلتني إلى عبد لا يريد الموت قال: فرد اللّٰه إليه عينه. (صحيح مسلم، كتاب الفضائل / باب من فضائل موسىٰ عليه السلام ۲۶۷/۲ رقم: ۲۳۷۲)

وحاصل هذا الجواب أن الملك جاءه في صورة رجل أجنبي اقتحم بيته بدون إذنه، وقال: ”أجب ربك“ فلم يعرفه موسىٰ عليه السلام، وظن أنه عدو من أعدائه فجاءه ليقتله فلطمه دفاعًا عن نفسه ففقأ عينه. (تكملة فتح الملهم، كتاب الفضائل / باب من فضائل موسىٰ عليه السلام ۱۳/۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۷/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر ”یا علیم، یا قوی“ پڑھنے کا ثبوت

سوال (۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہر فرض نماز کے بعد لوگ سر پر ہاتھ رکھ کر ”یا علیم، یا قوی“ پڑھتے ہیں، اس کا شرعاً کیا ثبوت ہے؟ یا اور کوئی دعا وغیرہ کا ثبوت ہو تو وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نماز کے بعد ”یا علیم، یا قوی“ پڑھ کر دعا کرنے

میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ کلمات اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں، جن کے ذریعہ دعا کرنے کا حکم ثابت ہے۔ اور بعض ضعیف روایات میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بعض اَذکار اور یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ''**اللّٰهم اذهب عني الهم والحزن**'' (اے اللہ! مجھ سے فکر اور غم دور فرما دیجئے) بریں بنا سر پر ہاتھ رکھ کر بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءَ الْحُسْنىٰ فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ [الأعراف: ١٨٠]

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا صلى وفرغ من صلاته مسح بيمينه على رأسه وقال: بسم اللّٰه الذي لا إله إلا هو الرحمن الرحيم اللّٰهم اذهب عني الهم والحزن. وفي رواية مسح جبهته بيده اليمنىٰ الخ، رواه الطبراني في الأوسط الخ. (مجمع الزوائد، كتاب الأذكار / باب الدعاء في الصلاة وبعدها ١٠/ ١١٠ رقم: ١٦٩٧١ مكتبه القدس القاهرة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۲/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ہر نماز کے بعد ۱۱/ مرتبہ ''یا قوی'' پڑھنا

سوال (۹۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہر نماز کے بعد ۱۱/ مرتبہ ''یا قوی'' پڑھنا کیسا ہے؟ کیا حدیث سے ثابت ہے؟ اگر حدیث سے ثابت ہے تو کون سی حدیث سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - سوال میں ذکر کردہ وظیفہ اگرچہ صراحۃً حدیث سے ثابت نہیں ہے؛ لیکن اسے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اِس لئے کہ ''قوی'' اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور اسماء حسنیٰ کے ذریعہ اللہ کو پکارنے کا حکم خود قرآنِ پاک میں موجود ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ [الأعراف، جزء آیت: ۱۸۰] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ریش مبارک کی رونمائی کرنا

سوال (۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد، اسی طرح دیگر شہروں کی کچھ مسجدوں میں آثار مبارک کے نام پر مسجد ہی میں ایک کارروائی کی جاتی ہے جس میں تبرک اور پر عظمت طریقہ پر کچھ بالوں کی نمائش کی جاتی ہے، لوگ یہ سوچ کر اس کی زیارت کرتے ہیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ریش مبارک ہیں، مگر اس کی کوئی سند بھی نہیں ہے، اس عمل کی شرعی حیثیت بتائیں، آیا اس عمل کو مسجد یا کسی دوسری جگہ انجام دینا کیسا ہے؟ گنجائش اور عدم گنجائش دونوں صورتوں میں دلائل شرعیہ سے آگاہ فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے سر کے بال حلق کرواکر صحابہ کرام کے درمیان بطور تبرک تقسیم فرمادیئے تھے، اب اگر ان بالوں میں سے کوئی بال موجودہ زمانہ میں پایا جائے اور اس کی صحیح سند موجود ہو تو اس کی زیارت کرنے اور اس سے تبرک حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اگر ایسے بال کی کوئی سند موجود نہ ہو جیسا کہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں پائے جانے والے بالوں کا حال ہے تو یہ محض دھوکہ اور فریب ہے، ان کی رونمائی اور زیارت ہرگز جائز نہیں ہے، اس طرح کی حرکتوں پر بندلگانا لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲/۸۹، فتاویٰ رحیمیہ ۳/۴۰-۴۱، اصلاح الرسوم ص: ۱۳۵)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنہ قال: لما رمی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الجمرۃ نحر نسکہ ثم ناول الحالق شقہ الأیمن فحلقہ فأعطاہ أبا

طلحة ثم ناوله شقه الأيسر فحلقه فقال أقسمه بين الناس. (سنن الترمذي، أبواب الحج / باب ما جاء بأي الرأس يبدأ في الخلق ۱۸۱/۱ رقم: ۹۱۲)

عن ابن سيرين قال: قلت لعبيدة: عندنا من شعر النبي صلى الله عليه وسلم أصبناه من قبل أنس أو من قبل أهل أنس فقال: لأن تكون عندي شعرة منه أحب إلي من الدنيا وما فيها. (صحيح البخاري، كتاب الوضوء / باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان ۲۹/۱ رقم: ۱۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفر لہ ۱۴۴۰/۵/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضرت عمر کے زمین پر دُرہ مارنے سے زلزلہ رک جانے کا واقعہ

سوال (۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر درہ مارا، تو زلزلہ رک گیا، کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ”إزالة الخفاء“ میں ”طبقات الشافعية للإمام السبكي“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ خلافت فاروقی میں زلزلہ کا واقعہ پیش آیا، تو امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد زمین پر اپنا دُرہ مارا، اور فرمایا کہ ٹھہر جا، کیا میں نے تجھ پر عدل وانصاف قائم نہیں کیا؟ حضرت کے اِس عمل پر زلزلہ کا سلسلہ فوراً رک گیا۔ اِس واقعہ کی سند کا ہمیں علم نہیں؛ تاہم اگر یہ ثابت بھی ہوجائے تو اِس کا تعلق کراماتِ اَولیاء سے ہوگا جس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔

في كتاب ”طبقات الشافعية للشيخ عبد الوهاب السبكي“ نقلاً عن إمام الحرمينؒ في كتاب الشامل: إن الأرض زلزلت في زمن عمر – رضي الله عنه – فحمد اللّٰه وأثنىٰ عليه، والأرض ترجف وترتج ثم ضربها بالدرة،

وقـال: أقري ألم أعدل عليک؟ فاستقرت من وقتها. (إزالة الخفاء / الفصل الثالث: الخليفة الثاني عمر بن الخطاب ٤/٩٧ دار القلم دمشق، طبقات الشافعة الكبرىٰ ٢/٣٢٤ هجر للطباعة والنشر والتوزيع) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے ایک واقعہ کی تحقیق

سوال (۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ایک عورت نے اپنے بیٹے کے ساتھ زنا کرلیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ کیا میرا گناہ معاف ہوجائے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے اور آپ نے عورت کا واقعہ بتایا، اللہ نے ارشاد فرمایا کہ چوں کہ اُس عورت نے آپ کو گواہ بنالیا، اِس لئے اب اُس کا گناہ معاف نہیں ہوگا، اِس واقعہ کا ذکر کہاں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں جو واقعہ درج ہے، تلاش کے باوجود وہ اِس تفصیل کے ساتھ کہیں دستیاب نہیں ہوا، اِس لئے بلاتحقیق اِسے بیان نہیں کرنا چاہئے اور جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ توبہ کرنے سے حقوق اللہ میں سے ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے اور حقوق العباد میں سے توبہ کے ساتھ صاحب حق کی رضامندی بھی ضروری ہوتی ہے۔ نیز یہ بات بھی صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اگر آدمی سے نفسانی یا شیطانی اثر سے کوئی گناہ صادر ہوجائے، تو برسرعام اِس کا تذکرہ نہ کرے؛ بلکہ فوری طور پر اُس سے سچی توبہ کرے اور گناہ سے باز آجائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء، جزء آیت: ٤٨]

عـن أبي عبيدة بن عبد اللّٰه عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰـه عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجة، كتاب الزهد / باب ذكر التوبة رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبراني ١٠/١٥٠ رقم: ١٠٢٨١ مكتبة ابن تيمية القاهرة)

عـن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يـقـول: كـل أمتـي مـعـافى إلا المجاهرين. وإن من المجاهرة أن يعمل الرجل بـالليل عملا ثم يصبح وقد ستره اللّٰه عليه فيقول: يا فلان! عملت البارحة كذا وكذا، وقد بات يستره ربه ويصبح يكشف ستر اللّٰه عنه. (صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب ستر المؤمن على نفسه ٢/٨٩٦ رقم: ٦٠٦٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ریاض الجنۃ کا کیا مطلب ہے؟

سـوال (۹۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد نبوی میں جس حصہ کو ”روضة مـن ريـاض الجنة“ کہا گیا ہے، اُس سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ جگہ واقعی جنت کا حصہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـالـلّٰه التوفيق: - مسجد نبوی میں منبر اور حجرۂ مبارکہ کے درمیانی حصہ کو ”روضةٌ من رياض الجنة“ کہا گیا ہے، اِس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: (۱) بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ زمین کا ٹکڑا بعینہٖ جنت میں چلا جائے گا۔ (۲) بعض حضرات نے فرمایا کہ اِس حصہ میں عبادت کرنے والوں کو آخرت میں جنت کے باغات نصیب ہوں گے اور اُن کے لئے جنت میں جانا بالکل آسان ہوجائے گا۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ حصہ نزولِ رحمت اور حصولِ سعادت میں جنت کی کیاری کی طرح ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما بين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة. (صحيح البخاري / كتاب فضائل المدينة ٢٥٣/١)

قوله عليه السلام: "روضة من رياض الجنة" أي كروضة من رياض الجنة في نزول الرحمة وحصول السعادة بما يحصل من ملازمة حلق الذكر لا سيما في عهده عليه السلام فيكون تشبيهًا بغير أداة أو المعنى أن العبادة فيها تؤدى إلى الجنة فيكون مجازًا أو هو على ظاهره وأن المراد أنه روضة حقيقية بأن ينتقل ذلك الموضع بعينه في الآخرة إلى الجنة هذا محصل ما أول العلماء في هذا الحديث. (فتح الباري ١٠٠/٤ تحت رقم: ١٨٨٨ دار المعرفة بيروت)

قال النووي – رحمه الله –: ذكروا في معناه قولين: أحدهما أن ذلك الموضع بعينه ينقل إلى الجنة. والثاني: أن العبادة فيه تؤدى إلى الجنة. (شرح النووي على مسلم، كتاب الحج / باب فضل ما بين قبره صلى الله عليه وسلم وفضل موضع منبره ٤٤٦/١ تحت رقم: ١٣٩٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نیم بیداری کی حالت میں ذکر کرنے پر ثواب ملے گا یا نہیں؟

سوال (۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سوتے وقت ذکر کرتے ہوئے زبان تو چلتی ہے؛ لیکن بیدار ہونے کی طرح ذکر نہیں ہو پاتا، سوتے وقت نیند کا غلبہ ہو اور ذکر میں زبان حرکت کرے تو اَجر ملے گا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - سونے سے قبل نیم بیداری کی حالت میں جو ذکر کیا جائے تو اُس پر بھی اِن شاء اللہ اَجر کی اُمید ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بندے کے کسی نیک عمل کو ضائع نہیں فرماتے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ [آل عمران: ۱۹۵] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۱۲/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اِمام ابوحنیفہؒ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر لیتے تھے؟

سوال (۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رکعت میں قرآنِ پاک مکمل کیا؟ اِس کا ثبوت کہاں سے ہے؟ اگر یہ بات ثابت ہو تو اُس روایت کا کیا جواب ہوگا جس میں تین دن سے کم میں قرآنِ پاک ختم کرنے کو ناپسند قرار دیا گیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ایک رکعت میں قرآنِ کریم ختم کرنے کا تذکرہ بعض کتابوں میں ملتا ہے؛ لیکن وہ سب تاریخی روایات ہیں، جن پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اور جس حدیث میں تین دن سے کم میں قرآنِ کریم ختم کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے، وہ اُن لوگوں کے اعتبار سے ہے جو غور وفکر اور تدبر کے بغیر قرآن ختم کرتے ہیں؛ جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے۔ بریں بنا جو شخص اِس مقام پر ہو کہ جلدی ختم ہونے کے باوجود اُس کے فکر وتدبر میں کوئی خلل نہ پڑتا ہو، تو اِس میں ممانعت کی علت نہیں پائی جاتی۔ اور حضرت امام صاحبؒ وغیرہ کا پڑھنا اگر روایت سے ثابت ہوجائے تو اسی صورت پر محمول ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵۶۹/۳ ڈابھیل)

علي بن اسحٰق السمرقندي يقول: سمعت أبا يوسف يقول: وكان أبو حنيفة رحمه الله يختم القرآن في كل ليلة في ركعة. (فضائل أبي حنيفة وأخباره ومناقبه / ذكر زهد أبي حنيفة وعبادته ص: ۵۷ رقم: ۴۱ المكتبة الإمدادية مكة المكرمة)

وروي عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث. وروي عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له: اقرأ القرآن في أربعين. وقال اسحق بن إبراهيم: ولا نحب للرجل أن يأتي عليه أكثر من أربعين يومًا ولم يقرأ القرآن بهذا الحديث. وقال بعض أهل العلم: لا يقرأ القرآن في أقل من ثلاث، للحديث الذي روي عن النبي صلى الله عليه وسلم، ورخص فيه بعض أهل العلم. وروي عن عثمان بن عفان أنه كان يقرأ القرآن في ركعة يوتر بها. وروي عن سعيد بن جبير أنه قرأ القرآن في ركعة في الكعبة، والترتيل في القراءة أحب إلى أهل العلم. (سنن الترمذي / أبواب القراءات ۱۲۳/۲ رقم: ۲۹٤٦)

قال النووي: والاختيار أن ذلك يختلف بالأشخاص، فمن كان من أهل الفهم وتدقيق الفكر استحب له أن يقتصر على القدر الذي لا يختل بالمقصود من التدبر وإخراج المعاني، وكذا من كان له شغل بالعلم أو غيره من مهمات الدين ومصالح المسلمين العامة يستحب له أن يقتصر منه على القدر الذي لا يخل بما هو فيه، ومن لم يكن كذلك فالأولىٰ له الاستكثار ما أمكنه من غير خروج إلى الملل ولا يقرأه هذرمة، انتهى ما في الفتح. (تحفة الأحوذي بشرح الترمذي ۲۱۸/۸ تحت الحديث: ۲۹٤٦ دار الكتب العلمية بيروت، ۲۷۲/۸ دار الفكر بيروت)

لأنه إذ ذاك لم يتمكن من التدبر له والتفكر فيه بسبب العجلة والملالة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن / باب آداب التلاوة ودروس القرآن ۷۰۱/٤ رقم: ۲۲۰۱ رشيدية، ۸۱/٥ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۳/۱٤٤۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعوت وتبلیغ

بیعتِ امارت، بیعتِ جہاد اور بیعتِ اصلاح میں کیا فرق ہے؟

سوال (۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیعت کے متعلق جو آیات اور احادیث ہیں اور احادیث کی تشریح ہیں، ان کے بارے میں فقہاء کرام کی رائے کیا ہے؟ جیسے:

وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِیْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (التوبة: ۱۱۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآئَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ، فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْكُفَّارِ. (ممتحنة: ۱۰)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآئَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓی اَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ. (ممتحنة: ۱۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ، يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ، فَمَنْ نَكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ، وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا. (الفتح: ۱۰)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا. (فتح: ۱۸)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول: من خلع يدا من طاعة لقي اللّٰه يوم القيامة لا حجة له

ومن مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية. (صحيح مسلم، كتاب الإمارة / باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذيرالإعادة إلى الكفر ١٢٨/٢ رقم: ١٨٥١)

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية، فهذا الحديث فيه حث على وجوب إعطاء البيعة والتوعد على تركها، فمن مات ولم يباع عاش على الضلال ومات على الضلال. (نظام الحكم في الإسلام / أبوبكر الصديق شخصيته وعصره ص: ٢٥٠ للدكتور على محمد الصلابي / المبحث الثاني البيعة العامة وإدارة الشئون الداخلية / مفهوم البيعة ص: ١٣٩ دار التوزيع والنشر الإسلامية مصر القاهرة)

من خلع يدا من طاعة لقي اللّٰه ولا حجة له، ومن مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية، المراد بالميتة الجاهلية كموت أهل الجاهلية على ضلال وليس له إمام مطاع وليس المراد أنه يموت كافرًا بل يموت عاصيًا. (فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الفتن / باب قول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: سترون بعدي أمورًا تنكرونها ٤٩٦/١٤ تحت رقم: ٧٠٥٣، ٧/١٣ دار المعرفة بيروت)

عن جابر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ليدخلن الجنة من بايع تحت الشجرة إلا صاحب الجمل الأحمر. (سنن الترمذي، أبواب المناقب / باب فيمن سب أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ٢٢٥/١٤ رقم: ٣٨٦٣)

عن عبد اللّٰه بن عمرو العاص رضي اللّٰه عنهما في حديث قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ومن بايع إماما فأعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه إن استطاع فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر. (صحيح مسلم، كتاب الإمارة / باب الأمر بالوفاء ببيعة الخلفاء الخ ٦٢١/٢ رقم: ١٨٤٤)

فالشارع الحكيم قد رتب القتل وأمر به نتيجة الخروج على الإمام مما يدل على حرمة هذا الفعل لأنه يطلب بيعة أخرىٰ بالبيعة الأولىٰ التي هي فرض على المسلمين. (نظام الحكم في الإسلام ص: ٢٥٠، أبوبكر الصديق شخصيته وعصره /

للدكتور علی محمد الصلابي/ المبحث الثاني البيعة العامة وإدارة الشئون الداخلية / مفهوم البيعة ص: ۱۳۹ دار التوزيع والنشر الإسلامية مصر القاهرة، كتاب التداول على السلطة التنفيذية للصابوني / ثالثًا: البيعة العامة ص: ٦٣ دار المعرفة بيروت)

دوم آنکہ درحدیث واردشدہ کہ ''من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاہلیۃ الحدیث'' یعنی ہرکہ بمیر دحال آنکہ نیست درگردنِ او بیعت خلیفہ مردہ است بمرگ جاہلیت واین نص شرع است تفصیلاً۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء للشیخ ولی اللہ المحدث الدہلوی ار۷ اقدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه يحدث عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: كانت بنو اسرائيل تسوسهم الأنبياء، كلما هلك نبي خلفه نبي، وإنه لا نبي بعدي، وستكون خلفاء فيكثرون، قالوا فما تأمرنا؟ قال: فوا ببيعة الأول فالأول، أعطوهم حقهم؛ فان اللّٰه سائلهم عما استرعاهم. (صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء / باب ما ذكر عن بني إسرائيل ۱/٤٩١ رقم: ٣٤٥٥)

مذکورہ بالا آیات واَحادیث سے بیعت کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور بیعت ہونا فرض معلوم ہوتا ہے اور تارکِ بیعت کے لئے جاہلی موت اور گمراہی ثابت ہوتی ہے اور جہنمی ہونا منصوص ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد والے زمانے میں بھی خلفاء کرام کے دست مبارک پر بیعت ہونے کی حدیث موجود ہے اور رسول اللہ کے خلفاء، علماء، فقہاء کرام ہیں وہ بھی کتابوں سے ثابت ہے؛ لہٰذا آج کے حقانی علماء فقہاء کرام کے دست مبارک پر بیعت کرنا کیسا ہے؟ مستحب ہے یا واجب ہے؟ اگر مستحب ہے تو بیعت ترک کرنے سے جاہلی موت اور گمراہی زندگی کا ہونا جو کتابوں میں مذکور ہے، اِس کا کیا جواب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- آنجناب نے سوال نامہ میں جن آیات واَحادیثِ شریفہ کا ذکر فرمایا ہے، اُن میں سے اکثر کا تعلق اُس بیعت سے ہے جو اِسلامی حکومت میں امام المسلمین اور حاکم شرعی کے ہاتھ پر کی جاتی ہے، اسی کے ضمن میں بیعتِ ہجرت وجہاد بھی

شامل ہے، جو حسبِ شرائط فرض یا واجب ہوتی ہے۔ اور جو شخص یہ بیعت نہ کرے وہ یقیناً قابل مذمت ہے، جس کے بارے میں اَحادیثِ شریفہ میں وعیدیں وارد ہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اِسلامی حکومت کی رعایا اَمیر المؤمنین سے سمع وطاعت کا عہد نہ کرے تو نظامِ حکومت قائم نہیں رہ سکتا ہے اور ایک اَمیر شرعی کے ہوتے ہوئے اُس کے بالمقابل دوسرے اَمیر کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

اِس کے برخلاف اپنی روحانی اصلاح اور اخلاقِ فاضلہ کے حصول کے لئے مشائخ اور بزرگوں کے ہاتھ پر جو بیعت وسلوک کا سلسلہ جاری ہے، اُس کو بیعتِ اصلاح کہا جاتا ہے، وہ بھی آیت: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ الخ'' [الممتحنة: ۱۲] اور متعدد اَحادیثِ شریفہ سے ثابت ہے، مگر بیعت کی یہ قسم فرض یا واجب نہیں، بلکہ صرف سنت یا مستحب ہے۔ اور آپ نے سوال میں جو وعید والی اَحادیث نقل فرمائی ہیں، یہ بیعت اصلاح، اُن کا مصداق نہیں ہے، پس اگر کوئی شخص پوری زندگی کسی بزرگ سے بیعت نہ ہو؛ لیکن وہ شریعت پر عمل کرتا ہو اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو تو وہ ہرگز قابل ملامت نہیں ہے اور ایسے شخص کو گمراہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

عن عبادة بن الصامت رضي اللّٰه عنه قال: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: وحوله عصابة من أصحابه: بايعوني على أن لا تشركوا باللّٰه شيئًا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا أولادكم ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم ولا تعصوا في معروف فمن وفىٰ منكم فأجره على اللّٰه، ومن أصاب من ذلك شيئًا فعوقب في الدنيا فهو كفارة له، ومن أصاب من ذلك شيئًا ثم ستره اللّٰه فهو إلى اللّٰه إن شاء عفا عنه وإن شاء عاقبه، فبايعناه على ذلك.

(صحيح البخاري، كتاب الإيمان / باب علامة الإيمان حب الأنصار ۱/۷ رقم: ۱۸)

استفاض عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن الناس كانوا يبايعونه تارةً على الهجرة والجهاد وتارة على إقامة أركان الإسلام وتارة على الثبات والقرار في معركة الكفار وتارة على التمسك بالسنة والاجتناب عن البدعة

والحرص على الطاعات. (شفاء العليل ترجمة القول الجميل ص: ۹)

فالحق أن البيعة على أقسام، منها: بيعة الخلافة ومنها: بيعة الإسلام ومنها بيعة التمسک بحبل التقوىٰ ومنها بيعة الهجرة والجهاد الخ. (شفاء العليل ترجمة القول الجميل ص: ۱۹-۱۸)

اعلم أن البيعة سنة وليست بواجبة ...... ولم يدل دليل على تأثيم تاركها، ولم ينكر أحد من الأئمة على أنها ليست بواجبة. (شفاء العليل ترجمة القول الجميل ص:۲۲ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا امر بالمعروف ونہی عن المنکر صرف مشائخ کی ذمہ داری ہے؟

سوال (۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا درج ذیل عبارت حدیث ہے؟

وقيل: كل بلدة يكون فيها أربعة فأهلها معصومون من البلاء: إمام عادل لايظلم، وعالم على سبيل الهدىٰ، ومشايخ يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر ويحرضون على طلب العلم والقرآن، ونساؤهم مستورات لا يتبرجن تبرج الجاهلية الأولىٰ. (تفسير قرطبي ٤٩/٤ دار الكتب المصرية القاهرة)

اِس عبارت میں ''عالم علی سبیل الہدیٰ'' کا کیا مطلب ہے؟ اور ''امر بالمعروف نہی عن المنکر'' کیا صرف مشائخ کی ذمہ داری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- سوال میں محولہ عبارت حدیث نہیں ہے؛ بلکہ کسی بزرگ کا مقولہ ہے، اِس کا مضمون فی نفسہٖ درست ہے، اور اِس میں ''عالم علی سبیل الہدیٰ'' سے

مراد وہ عالم ہے جو سنت وشریعت پر قائم ہو اور سلفِ صالحین کے منہج پر ہو اور عمومی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری علماء کی ہے؛ کیوں کہ معروف اور منکر کی پہچان علم صحیح کے بغیر نہیں ہوسکتی؛ لیکن جن لوگوں کو دینی معلومات ہوں، اُن پر اپنے دائرۂ اثر مثلاً اہل خانہ واحباب میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری آتی ہے؛ جیسا کہ اَحادیثِ شریفہ سے ثابت ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة / باب الجمعة في القرى والمدن ۵۳۳/۱ رقم: ۸۹۳ مكتبة البشرىٰ)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذٰلك أضعف الإيمان. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ۷۶/۱-۷۷ رقم: ۴۹)

قال العلماء: ولا يسقط عن المكلف الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لكونه لا يفيد في ظنه؛ بل يجب عليه فعله، فإن الذكرىٰ تنفع المؤمنين. (شرح النووي على مسلم ۷۷/۱ تحت رقم: ۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۱/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دینی کتاب پڑھنے کے بعد سبحانک اللّٰہم الخ پڑھنے کا ثبوت

سوال (۱۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کے بعد یا عصر کے بعد مساجد میں کوئی دینی اصلاحی کتاب یا تبلیغی نصاب اور منتخب اَحادیث وغیرہ پڑھنے کا معمول ہے، کتاب پڑھنے کے بعد دعاء "**سبحانک اللّٰہم وبحمدک ونشهد أن لا إله إلا أنت الخ**" پڑھنا کیسا ہے؟ یہ الفاظ کسی حدیث سے ثابت ہیں یا نہیں؟ اِس کو کیوں پڑھا جاتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں جس دعا کا ذکر ہے اُس جیسے کلمات متعدد صحیح اَحادیث سے ثابت ہیں اور ان دعائیہ کلمات کو کسی بھی مجلس کے اختتام پر پڑھنا مسنون اور موجب کفارۂ سیئات ہے؛ لہٰذا مذکورہ کتابوں (تبلیغی نصاب اور منتخب اَحادیث وغیرہ) کے پڑھنے کے بعد جب مجلس ختم ہو تو اِس دعا کو پڑھنا مستحب ہوگا۔

عن نافع بن جبیر عن أبیه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من قال سبحان اللّٰه وبحمده سبحانک اللّٰهم وبحمدک أشهد أن لا إله إلا أنت أستغفرک وأتوب إلیک، فقالها في مجلس ذکر کان کالطابع یطبع علیه، ومن قالها في مجلس لغو کانت کفارة له. (المعجم الکبیر للطبراني ۲/۱۳۸ رقم: ۱۵۸۶ دار إحیاء التراث العربي)

قال الحاکم بعد ذکر هذا الحدیث: هذا حدیث صحیحٌ علی شرط مسلم ولم یخرجاه. (المستدرک للحاکم ۱/۷۲۰ رقم: ۱۹۷۰ دار الکتب العلمیة بیروت)

عن رافع بن خدیج رضي اللّٰه عنه قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا یقوم من مجلس حتی یقول: سبحانک اللّٰهم وبحمدک استغفرک وأتوب إلیک" ثم یقول إنها کفارة لما یکون في المجلس. رواه الطبراني في الثلاثة ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد، کتاب الأذکار / باب کفارة المجلس ۱۰/۱٤۱ رقم: ۱۷۱٦۱ مکتبة القدسي القاهرة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۶/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعوت وتبلیغ سے متعلق چند سوالات

سوال (۱۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: (۱) دعوت وتبلیغ کے لئے جماعت میں جانا سنت ہے یا واجب؟ یا فرضِ عین ہے؟ یا فرضِ کفایہ؟

پوری دنیا میں اس وقت جو چھ صفات کے اوپر دعوت وتبلیغ کا کام رائج ہے، وہ کس درجہ کا ہے؟

(۲) تبلیغ کا لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہے؟ اور تبلیغ اور تعلیم میں فرق کیا ہے؟ اور دونوں میں کون سا زیادہ ضروری ہے؟

(۳) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بغیر دعوت کے ایمان مکمل نہیں ہوتا، کیا تبلیغ علم حاصل کرنے سے زیادہ ضروری ہے؟ مدلل ومفصل قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - (۱) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے کہ:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران: ۱۰۴] یعنی مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دے۔ اس آیت کے اعتبار سے بحیثیت مجموعی اُمت پر یہ فرض کفایہ ہے کہ کسی نہ کسی طور پر دعوت الی الخیر کا کام جاری رہنا چاہئے؛ لیکن یہ کام کس انداز میں اور کس ترتیب پر کیا جائے؟ اس کی شریعت میں کوئی تعیین نہیں کی گئی ہے؛ بلکہ ہر زمانے اور ہر علاقے کے اعتبار سے جس طرح بھی جو دعوتی کام کیا جائے گا، وہ آیت کے عموم میں داخل ہوگا اور اس سے فرض کفایہ اَدا ہو جائے گا۔ اِس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تبلیغی جماعت کے ذریعہ جو دعوتی واصلاحی کام انجام دیا جا رہا ہے وہ اگرچہ فرضِ کفایہ کے عموم میں شامل ہے؛ لیکن اس پر منحصر نہیں ہے، یعنی اگر کوئی فرد یا تنظیم تبلیغی جماعت کی ترتیب سے ہٹ کر دعوت واصلاح کا کام کرے، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کے ذریعہ سے فرض کفایہ اَدا نہیں ہو رہا ہے؛ بلکہ جو بھی شریعت وسنت کے مطابق دعوتی واصلاحی کام کرے گا وہ فرض ادا کرنے والوں میں داخل ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۰۷ ڈابھیل)

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ﴾ أي منتصبة للقيام بأمر الله في الدعوة إلى الخير

والأمـر بالمعروف والنهي عن المنكر ...... والمقصود من هذه الآية أن تكون فرقة مـن الأمة متـصدية لهذا الشأن وإن كان ذلک واجبًا على كل فرد من الأمة بحسبه.

(تفسير ابن كثير [سورة آل عمران: ١٠٤] ٥٠٨/١ دار الاشاعت دهلى، ٧٨/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

فـإنـه يـدل عـلـى أن الأمـر بـالـمعروف والنهي عن المنكر فرض على الـكفاية. (تـفسيـر القرطبي [سورة آل عـمـران: ١٠٤] ١٦٥/٢ داء إحيـاء التـراث العربي بيروت، ١٦٥/٤ دار الكتاب المصرية القاهرة)

قال العلامة في فصوله: من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقـامة ديـنـه وإخـلاص عمله لله تعالىٰ ومعاشرة عباده وفرض على كل مكلف ومـكـلـفة بـعـد تعلمه علم الدين والهداية تعلم علم الوضوء والغسل والصلاة والـصـوم الـخ ...... وفـي تبييـن الـمـحـارم: لا شک في فرضية علم الفرائض الـخـمس وعلم الإخلاص. (مـقـدمة رد الـمـحتـار / مـطـلب: الفرق بين المصدر والحاصل بالمصدر ١٢٦٥/١ زكريا، ٤٢/١ كراچى)

تبلیغ کا معنی ہے پہنچانا اور تعلیم کا معنی ہے سکھانا اور امت کے لئے دونوں ضروری ہیں، مگر تعلیم کا درجہ اول ہے؛ کیوں کہ پہلے علم صحیح پایا جائے گا تبھی اُس کی تبلیغ ہوگی، علم کے بغیر تبلیغ کا تصور ہی نہیں، اسی بنا پر تبلیغی جماعت کے مقررہ چھ نمبروں میں علم کا نمبر بھی ضروری طور پر شامل کیا گیا ہے اور بقدر ضرورت دین کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طـلـب العلم فريضة على كل مسلم. (سـنـن ابـن مـاجة، كتاب السنة / باب فضل العلماء والحث على طلب العلم ص: ٧٤ رقم: ٢٢٤ دار الفكر بيروت، ص: ٢٠ نسخة هندية)

عـن عبـد الـلّـه بـن عـمرو رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قـال: بـلغوا عني لو آية. (صـحيـح البـخـاري، كتـاب أحـاديث الأنبياء / باب ما ذكر عن بني اسرائيل رقم: ٣٤٦١)

واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه، وفرض كفاية: وهو ما زاد عليه لنفع غيره. (رد المحتار / مقدمة ۱/۱۲۵-۱۲٦ زكريا، ٤۲/۱ كراچی)

(۳) کسی کا یہ کہنا کہ ''بغیر دعوت وتبلیغ کے ایمان مکمل نہیں ہوتا ہے'' یہ غلو کی بات ہے؛ کیوں کہ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دل سے تمام ضروری عقائد پر یقین رکھے اور اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ سبھی فرائض کو بجالائے اور منکرات سے بچے، اس کے لئے کسی خاص جماعت سے وابستہ ہونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ جو شخص بھی صحیح عقیدہ رکھے گا اور دین پر عمل کرے گا وہ کامل مؤمن کہلائے گا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ [الأنفال: ۲-۳-٤]

قال ابن كثير: وهذه صفة المؤمن حق المؤمن الذي إذا ذكر اللّٰه وَجِلَ قلبه أي خاف منه ففعل أوامره وترك زواجره. (تفسير ابن كثير [الأنفال: ۲] ٤/۹ دار الكتب العلمية بيروت، ۲٦۹/۳ زكريا)

اعلم أن الإيمان في الشرع هو التصديق بما جاء به النبي صلى اللّٰه عليه وسلم من عند اللّٰه تعالىٰ أي تصديق النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بالقلب في جميع ما علم بالضرورة. (شرح العقائد النسفي مع النبراس ص: ۲٤۹ المكتبة التهانوية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۱/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں کا جماعت میں جاکر علم دین سیکھنا

سوال (۱۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: عورتوں کا تبلیغی جماعت میں جانا کیسا ہے؟ عورتوں پر تبلیغ دین کس حد تک مشروع ہے؟ نیز یہ بات مشاہد ہے کہ خصوصاً بڑی عمر کی عورتوں کے لئے ضروریاتِ دین کا علم سیکھنے کا اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں ہے؛ اِس لئے کہ ہر علاقہ میں ایسی معلمات موجود نہیں ہوتیں جن سے گھر پر رہتے ہوئے دین کے ضروری احکام قرآن، نماز وغیرہ سیکھے جائیں؛ لٰہذا ایسی صورت میں جماعت میں جا کر علم دین سیکھنا کہاں تک درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مکمل پردہ کی رعایت رکھتے ہوئے کامل احتیاط کے ساتھ محرم یا شوہر کی معیت میں اصلاح کی غرض سے تبلیغی سفر کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴/۴۶۶-۴۶۷ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا تبلیغی اجتماعات میں فرشتوں کے ذریعہ مدد کی جاتی ہے؟

سوال (۱۰۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چند دنوں قبل کرنول آندھرا پردیش کے علاقے میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع منعقد ہوا جس کے لئے کئی مہینے سے انتظامات کیے جا رہے تھے، اور اس میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، اس اجتماع کے بارے میں بہت سے تبلیغی احباب کی زبانوں سے یہ بات سننے میں آئی کہ اجتماع کی تیاریوں میں فرشتے بھی شریک رہے، ان کے بقول: اگر فرشتے اس میں شامل نہ ہوتے تو اتنا بڑا انتظام ممکن نہ تھا، جب کچھ لوگوں نے ان کی اس بات پر اعتراض کیا کہ فرشتے کیسے شامل ہو سکتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ قرآن کریم میں غزوۂ بدر واحد کے بارے میں فرشتوں کے نزول کا صراحۃً ذکر ہے اور ان کا نزول بھی دین کی اعانت کے لئے ہوا تھا اور دعوت کا کام بھی دین کی سر بلندی کے لئے ہے، اس لئے اگر یہاں فرشتوں کے تعاون کی بات

کہی جائے تو کیا اشکال ہے؟ ان کے اس جواب پر معترض نے کہا کہ ''اگر فرشتے دین کے تعاون کے لئے بذاتِ خود نازل ہوتے ہیں تو کیا ان کا تعاون صرف جماعت تبلیغ کے لئے خاص ہے؟ یا ہر دینی محنت کے لئے انھیں بھیجا جاتا ہے؟ تو پھر مدارس اسلامیہ اور جمعیۃ العلماء کے لوگ جو بڑے بڑے جلسے کرتے ہیں انہیں بھی یہ کہنے کا حق ہوگا کہ فرشتے نازل ہوکر ان کی مدد کرتے ہیں'' یہ سن کر تبلیغی احباب خاموش ہوگئے، اس تفصیل کی روشنی میں حضرات مفتیان کرام سے درجِ ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے:

(۱) دورِ نبوت میں کن کن غزوات میں فرشتوں کا شامل ہونا مذکور ہے؟

(۲) جو فرشتے شامل ہوئے انہوں نے بذات خود ہتھیاروں کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا یا صرف وہ شریک رہ کر اہل ایمان کا حوصلہ بڑھاتے رہے؟

(۳) کیا دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی کسی جہاد میں فرشتوں کا نزول اور شرکت ثابت ہے؟

(۴) کیا موجودہ دور میں جہاد یا کسی اور دینی کام کے تعاون اور عملی شرکت کے لئے فرشتوں کے نزول کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے؟ اور حتمی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فرشتوں کی شرکت کی وجہ سے ہی ہمیں کامیابی ملی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- واضح ہو کہ فرشتے اللہ کی ایسی مخلوق ہیں جن کو ایسا لطیف نورانی جسم عطا کیا گیا ہے جو مختلف صورتوں میں متشکل ہو سکتے ہیں اور ان کی حقیقی صورت انسان اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے؛ البتہ اگر وہ کسی عنصری شکل میں متشکل ہوں تو انہیں دیکھا جا سکتا ہے، فرشتوں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ کھانے پینے کے محتاج نہیں ہیں اور سو فی صد اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں، اُن سے نافرمانی کا صدور متصور ہی نہیں، اُن کے وجود پر ایمان رکھنا؛ اِیمان کا اہم جزء ہے اور یہ ایمان بالغیب میں داخل ہے۔

الملک جسم لطیف نوراني یتشکل بأشکال مختلفة ...... إن الملائکة مخلوقات نورانیة لیس لها جسم مادي یدرک بالحواس الإنسانیة، وأنهم

ليسوا كالبشر فلا يأكلون ولا يشربون ...... منزهون عن الآثام والخطايا.
(الموسوعة الفقهية ٣٩/٥-٧ الكويت)

قال اللّٰه عز اسمه: ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُوْنَ﴾ [الأنعام: ٩]

قال تعالىٰ: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ [التحريم: ٦]

وقال سبحانه: ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾ [البقرة: ٢٨٥]

عن الربيع بن أنس ﴿اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ آمنوا باللّٰه وملائكته ورسله واليوم الآخر ...... فهذا كله غيب. (تفسير الطبري ١٣٤/١ دار الكتب العلمية بيروت)

ب:- قرآن وسنت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو مختلف کاموں پر لگا رکھا ہے، مثلاً ہر انسان پر اعمال لکھنے والے فرشتے مقرر ہیں، جنہیں کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔

قال تعالىٰ: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ. كِرَامًا كَاتِبِيْنَ﴾ [الانفطار: ١٠-١١]

اور انسان کی حفاظت پر کچھ فرشتے مامور ہیں۔

وقال اللّٰه تعالىٰ: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ [الرعد: ١١]

اِسی طرح بادلوں اور ہواؤں پر بھی فرشتوں کا تقرر ثابت ہے۔

وقال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا، فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا، وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا، فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا﴾ [المرسلات: ١-٥]

علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود شریف پہنچانے کے لئے بھی فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہے۔

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:

إن للّٰہ ملائکۃ سیاحین في الأرض یبلغوني عن أمتي السلام. (سنن النسائي، کتاب السہو / باب السلام علی النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم ۱۴۳/۱ رقم: ۱۲۸۲)

اور طلبۂ علوم نبوت کے لئے فرشتوں کے پر بچھانے کا ذکر بھی احادیث میں وارد ہے۔

عن أبي الدرداء عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم في حدیث وإن الملائکۃ لتضع أجنحتہا رضا لطالب العلم. (سنن الترمذي، أبواب العلم / باب ما جاء في فضل الفقہ علی العبارۃ ۹۷/۲ رقم: ۲۶۸۲)

ج:- لیکن چوں کہ فرشتوں کا تعلق غیبی اُمور سے ہے، اِس لئے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم جب تک بذریعہ وحی خبر نہ دیں، اُس وقت تک ہم اپنی طرف سے فرشتوں کے بارے میں کوئی بھی بات کہنے کے مجاز نہیں ہیں؛ کیوں کہ فرشتہ جب تک جسم لطیف میں رہے گا تو ہم اُسے دیکھ نہیں سکتے۔ اور اگر بالفرض وہ انسانی شکل میں ہمارے سامنے آکر اپنے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرے تو اُس کو سچا ماننے کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں اور خود اس کا دعویٰ بلا دلیل حجت نہیں۔ دورِ نبوت میں بھی جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی انسانی شکل میں تشریف لاتے تو صحابہ کو اُن کے فرشتہ ہونے کا علم جب ہی ہوتا تھا جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں خبر دیتے اور اَب ختم نبوت کے بعد اِس طرح کے غیبی اُمور کے بارے میں کسی یقینی خبر کا ذریعہ باقی نہیں ہے۔

عن سعد قال: رأیت عن یمین رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعن شمالہ یوم أحد رجلین علیہما ثیاب بیاض، ما رأیتہما قبل ولا بعد یعني جبریل ومیکائیل علیہما السلام. قولہ: ”یعني جبریل ومیکائیل علیہما السلام“ والعلم بأنہما جبریل ومیکائیل علیہما السلام لا یحصل إلا بإخبار النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وفیہ کرامۃ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.

(تکملۃ فتح الملہم، کتاب الفضائل / باب في فقال جبرئیل ومیکائیل عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم أحد ۳۰۴/۴ رقم: ۲۳۰۶ زکریا)

قال اللّٰه عزوجل: ﴿وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِهٖ عِلۡمٌ﴾ [الإسراء: ٣٦]

عـن ابـن عبـاس قوله: ﴿وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِهٖ عِلۡمٌ﴾ يقول: لا تقل.

(تفسير الطبري ٨٠/٨ دار الكتب العلمية بيروت)

عـن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: حدثني أبي عمر بن الخطاب رضـي الـلّٰه عنه قال: بينما نحن عند رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم إذ طـلـع عـلـيـنـا رجل شديد بياض الثياب شديد سواد الشعر لا يرىٰ عليه أثر السـفر ولا يعرفه منا أحد – إلىٰ قولهٖ – ثم انطلق فلبثت مليا ثم قال لي يا عمر! أتـدري من السائل؟ قلت: اللّٰه ورسوله أعلم، قال: فإنه جبرئيل أتاكم يعلمكم دينكم. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان الإيمان والإسلام والأحسان ٢٧/١ رقم: ٨)

عـن أبـي حـازم قـال: قـاعـدت أبـاهـريـرة رضي اللّٰه عنه خمس سنين فسـمـعـتـه يـحـدث عـن الـنـبـي صـلـى اللّٰه عليه وسلم قال: كانت بنو إسرائيل تسـوسهـم الأنبيـاء، كـلما هلك نبي خلفه نبي وإنه لا نبي بعدي الخ. (صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء / باب ماذكر عن بني اسرائيل ٤٩١/١ رقم: ٣٤٥٥)

اِس تمہید کے بعد سوالنامے کے سوالات کے جوابات بالترتیب درج ذیل ہے:

(۱) دورِ نبوت میں متعدد غزوات میں فرشتوں کی شرکت قرآن وحدیث میں صراحۃً ثابت ہے، جیسے غزوہ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ احزاب، غزوۂ بنی قریظہ اور غزوۂ حنین۔

قال اللّٰه تبارک وتعالىٰ: ﴿وَلَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ. اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَلَنۡ یَّکۡفِیَکُمۡ اَنۡ یُّمِدَّکُمۡ رَبُّکُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ مُنۡزَلِیۡنَ. بَلٰۤی اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَیَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیۡنَ﴾ [آل عمران: ١٢٣-١٢٥]

أخـرج ابـن اسـحٰق والطبراني عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أنه قال: كـانـت سيـمـاء الـملائكة يوم بدر عمائم بيض قد أرسلوها في ظهورهم ويوم

حنين عمائم حمر، وفي رواية أخرىٰ عنه لكن بسند ضعيفٍ أنها كانت يوم بدر بعمائم سود ويوم أحد بعمائم حمر. (روح المعاني [سورة آل عمران الآيات: ١١٦-١٣٧] ٢٦١/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: لما رجع النبي صلى الله عليه وسلم من الخندق ووضع السلاح واغتسل أتاه جبرئيل عليه السلام، فقال قد وضعت السلاح؟ والله ما وضعناه! فأخرج إليهم قال: فإلىٰ أين؟ قال: هٰهنا وأشار إلى بني قريظة فخرج النبي صلى الله عليه وسلم إليهم. (صحيح البخاري، كتاب المغازي / باب رجع النبي صلى الله عليه وسلم من الأحزاب ومخرجه إلى بني قريظة ومحاصرته إياهم ٥٩٠/٢ رقم الحديث: ١٤١٧)

(۲) فرشتوں کی شرکت تو متعدد غزوات میں ثابت ہے جیسا کہ اُوپر گذرا؛ لیکن کسی حد تک عملاً شرکت کا ثبوت خاص طور پر غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں ملتا ہے، دیگر غزوات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ شرکت محض مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کی حد تک تھی۔

قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ﴾ [آل عمران: ١١٦]

أي وما جعل إمدادكم بإنزال الملائكة لشيء من الأشياء إلا لبشارة لكم بأنكم تنصرون ...... وأي ولتسكن قلوبكم بالإمداد فلا تخافوا كثرة عدد العدو وقلة عددكم ...... والمختار ما روي عن مجاهد أن الملائكة لم يقاتلوا في غزواته صلى الله عليه وسلم إلا في غزوة بدر، وإنما حضروا في بعضها بمقتضى ما علم الله تعالىٰ من المصلحة مثل حضورهم حلق أهل الذكر، وربما أعانوا بغير القتال كما صنعوا في غزوة أحد على قول. (روح المعاني [سورة آل عمران الآيات: ١١٦- ١٣٧] ٢٦٢/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه قال: لقد رأيت يوم أحد عن يمين

رسـول الـلّٰـه صـلـى الـلّٰـه عـليه وسلم وعن يساره رجلين عليهما ثياب بياض يـقـاتـلان عنه كأشد القتال الخ. (صـحـيـح مسـلـم، كـتـاب الفضائل / باب في قتال جبرئيل وميكائل عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يوم أحد ۲۵۲/۲ رقم: ۲۳۰٦)

في شرح النووي تحته: فيه بيان كرامة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم على اللّٰـه تـعـالـىٰ وإكرامه إياه بإنزال الملائكة تقاتل معه وبيان أن الملائكة تقاتل وإن قتـالهـم لم يختص بيوم بدر وهذا هو الصواب خلافًا لمن زعم اختصاصه فهذا صريح في الرد عليه. (شرح النووي مع المسلم ۲۵۲/۲ تحت رقم: ۲۳۰٦)

(۳) دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی جہاد میں عملاً فرشتوں کی شرکت کے دعوے کی بات نظر سے نہیں گذری اور غالباً اُس کی وجہ یہی تھی کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر کا تسلسل اَب باقی نہ رہا تھا۔

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: فضلت على الانبياء بست ...... ختم بي النبيون. (سنن الترمذي، أبواب السير / باب ما جاء في الغنيمة ۲۸۳/۱ رقم: ۱۵۵۳)

(۴) اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو بلا شبہ فرشتوں کا نزول اور شرکت ہر جگہ ممکن ہے؛ لیکن آج کسی بھی شخص کا اپنے طور پر دعویٰ کرنا کہ ہمارے کام میں فرشتوں نے براہِ راست عملاً مدد کی ہے یہ دعویٰ قطعاً بے دلیل اور نا قابل اعتبار ہے؛ کیوں کہ ہمارے پاس اس دعوے پر یقین کرنے کا کوئی حتمی ذریعہ موجود نہیں ہے اور یہ دعویٰ کشف والہامات یا خواب سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ [الإسراء: ٣٦]

بریں بنا ایسا دعویٰ کسی کے لئے بھی ہرگز زیبا نہیں ہے؛ بلکہ اُمت میں فتنے کا سبب ہے، ایسی باتوں سے بچنا لازم ہے۔

إن عبـد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: ما أنت بمحدث قومًا حديثًا

لا تبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة. (مقدمة مسلم / باب النهي عن الحديث بكل ما سمع ص: ۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ’’فضائلِ اعمال‘‘ کا مرتبہ قرآنِ کریم سے بڑھ کر ہے؟

سوال (۱۰۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد میں عرصۂ دراز سے ’’فضائل اعمال‘‘ کی تعلیم ہورہی تھی اور وہاں امام ایک قاری صاحب تھے؛ لیکن اِس وقت وہاں اِمام ایک عالم صاحب ہیں، وہ قرآنِ پاک کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن کچھ لوگ اُن کی مخالفت کررہے ہیں اور اُن کو تفسیر سے روک کر ’’فضائل اعمال‘‘ پڑھنے پر مجبور کررہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ قرآن کا مرتبہ ’’فضائل اعمال‘‘ کے بعد ہے؛ لہٰذا پہلے فضائل کی تعلیم ہوگی اُس کے بعد تفسیر ہوگی۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم کسی عالم ومفتی کو نہیں مانتے ہیں، اُن لوگوں کی یہ باتیں کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اُن کا حکم کیا ہے؟ اور اگر ایسا شخص اِمام ہو جو یہ کہتا ہو کہ قرآن کا مرتبہ فضائل کے بعد ہے اور ہم کسی عالم اور مفتی کو نہیں مانتے، تو اُس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ’’فضائل اعمال‘‘ یقیناً مفید کتاب ہے اور اُس کو پڑھنے اور سنانے کا اہتمام کرنا مناسب اور بہتر ہے۔ اِسی طرح معتبر عالم دین کے ذریعہ درسِ قرآن جاری کرنا یہ بھی عوام وخواص سبھی کے لئے نفع بخش ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ہدایت کی جو تاثیر رکھی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، اِس کا موازنہ کسی اور کتاب سے نہیں کیا جاسکتا؛ اِس لئے اِس معاملہ میں اختلافِ رائے اور ضد بندی کے بجائے مسجد کی کمیٹی اور اہل محلّہ کے باہم مشورے سے ایسی صورت اپنائی جائے کہ کسی نماز کے بعد ’’فضائل اعمال‘‘ پڑھی جائے اور کسی دوسری نماز کے بعد درسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہو اور سب لوگ حسبِ موقع دونوں مجلسوں

میں شریک ہوکر فائدہ اُٹھائیں اور اِس کو بحث کا موضوع نہ بنائیں۔ اور کسی شخص کا یہ کہنا کہ قرآنِ کریم کا مرتبہ ''فضائل اعمال'' کے بعد ہے، یا ہم کسی عالم یا مفتی کونہیں مانتے، یہ محض جہالت کی بات ہے، کسی ذمہ دار شخص کوایسی باتیں زبان پر لانی نہیں چاہئیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ﴾ [الفاطر: ۲۸]

عن أبي أمامة رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ما ضل قوم بعد هدی کانوا علیه إلا أوتوا الجدل ثم تلا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم هذه الآیة ﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ (سنن الترمذي ۱۶۱/۲ رقم: ۳۲۵۳)

قال أبو الدرداء رضي اللّٰہ عنه: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: ...... وإن العلماء ورثة الأنبیاء، الحدیث. (مشکاة المصابیح، کتاب العلم / الفصل الثاني ۳۴/۱ تحت رقم: ۲۱۲)

وقد أجمع العلماء أن التفسیر من فروض الکفایات وأجل العلوم الثلاثة الشرعیة. قال الأصبهاني: أشرف صناعة یتعاطاها الإنسان تفسیر القرآن ...... فصناعة التفسیر قد حازت الشرف من الجهات الثلاث، أما من جهة الموضوع فلأن موضوعه کلام اللّٰہ تعالیٰ الذي هو ینبوع کل حکمة ومعدن کل فضیلة ...... وأما من جهة الغرض فلأن الغرض منه هو الاعتصام بالعروة الوثقیٰ، والوصول إلی السعادة الحقیقة التي لا تفنی. وأما من جهة شدة الحاجة فلأن کل کمال دیني أو دنیوي عاجلي أو آجلي مفتقر إلی العلوم الشرعیة والمعارف الدینیة، وهي متوقفة علی العلم بکتاب اللّٰہ تعالیٰ. (الإتقان في علوم القرآن / النوع السابع والسبعون في معرفة تفسیره وتأویله وبیان شرفه والحاجة إلیه ۱۹۹/۴ الهیئة المصریة العامة للکتاب) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صرف پانچ منٹ کا مدرسہ نامی کتاب کی کیا حیثیت ہے؟

سوال (۱۰۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کتاب کے بارے میں جس کا نام ''پانچ منٹ کا مدرسہ'' ہے، اُس کتاب میں مؤلف کا نام ونشان نہیں ہے اور اکابر میں سے کسی کی تائید وتصدیق اور دعا بھی نہیں ہے۔ اور اِس کتاب کی تعلیم ''فضائل اعمال'' کی طرح مختلف مسجدوں میں ہونے لگی اور کتاب رفتہ رفتہ پھیلتی جارہی ہے؛ حالاں کہ ''الاسناد من الدین'' جو ایک مشہور اُصول ہے، اُس میں اِس کی ذرا بھی رعایت نہیں کی گئی ہے؛ البتہ روایات سے حوالہ دیا ہے؛ لیکن حوالہ کی صحت کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ الحاصل یہ کتاب معتبر ہے یا غیر معتبر؟ اپنی آراء سے مطلع فرمائیں، بندہ کو حضرات مفتیانِ مدرسہ شاہی کی آراء سے بہت تسلی ہوتی ہے، بے ادبی معاف فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ''صرف پانچ منٹ کا مدرسہ'' نامی کتاب جسے ممبئی کا اِدارہ ''اہم چیرٹیبل ٹرسٹ'' (دینیات) نے شائع کیا ہے، یہ کتاب معتبر علماء کی نگرانی میں تیار کی گئی ہے، اور اِس میں جو دینی معلومات درج ہیں، اکثر اُن کے حوالے بھی موجود ہیں، اِس لئے اسے مساجد یا دینی مجالس میں پڑھنے اور سنانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں؛ تاہم اس کتاب کے ناشرین کو یہ مشورہ ضرور دینا چاہئے کہ اِس کے مرتبین علماء کرام کے نام سرورق پر درج کردیں؛ تاکہ لوگوں میں مزید اعتماد پیدا ہو اور پڑھنے والے شکوک وشبہات میں مبتلا نہ ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتابُ الطہارۃ

پاکی اور ناپاکی کے مسائل

مچھر کے خون کا حکم

سوال (۱۰۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مچھر کو مارنے پر خون کا چھینٹا/ خون اگر کپڑوں یا بدن پر لگ جائے تو وضو باقی رہے گا؟ یہی عمل اگر نماز کی حالت میں ہو تو نماز کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ اور یہی عمل قرآن کی تلاوت کے دوران ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مچھر کا خون شرعاً معاف قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا اگر وہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو اس سے فرض نماز یا تلاوت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ودم البق والبراغيث والقمل والكتان طاهر وإن كثر. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الثاني الأعيان النجسة / الباب السابع في النجاسة وأحكامها ٤٦/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۶/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

چھوٹی چھپکلی پانی سے ہوکر کپڑے یا بدن پر چڑھ گئی؟

سوال (۱۰۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چھوٹی چھپکلی اگر پانی سے نکل کر آدمی کے کپڑے یا بدن پر آجائے جس سے کپڑا یا بدن

بھیگ جائے تو وہ ناپاک ہوگا یانہیں؟ اِسی طرح چھپکلی کی گیلی بیٹ اگر کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- چھوٹی چھپکلی (جس میں دم مسفوح نہ پایا جائے) ناپاک نہیں ہے؛ لہٰذا اگر پاک پانی میں بھیگ کر ایسی چھپکلی کپڑے یا بدن سے گذر جائے تو وہ ناپاک نہ ہوں گے؛ لیکن چھپکلی کا پیشاب اور بیٹ مطلقاً ناپاک ہے، اس کی تری اگر لگ جائے تو حسب ضابطہ کپڑا یا بدن ناپاک ہوجائے گا۔

وبول غير مأكول ولو من صغير لم يطعم الخ، وروثٍ وخثي أفاد بهما نجاسة خرء كل حيوان غير الطيور الخ (الدر المختار) **أراد بالنجاسة المغلظة؛ لأن الكلام فيها، ولإنصراف الإطلاق إليها.** (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۱/۵۲۳-۵۲۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تیل سے بھرے ہوئے ۷۵؍ ہزار لیٹر کی ٹنکی میں چوہا گر کر مر گیا

سوال (۱۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۷۵؍ ہزار لیٹر کی ایک ٹنکی ہے جس میں سویابین کا تیل بھرا ہوا ہے، اُس میں ایک چوہا گر کر مر جاتا ہے؛ حتی کہ پھول پھٹ بھی جاتا ہے تو اُس تیل کا کیا حکم ہے؟ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر ناپاک ہے تو اتنی بڑی مقدار کے پاک کرنے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟ (یہ واقعہ افریقی ملک ملاوی میں پیش آیا ہے)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں چوہے کے پھول پھٹ

جانے کا اثر تیل میں جہاں تک پہنچا ہو وہ حصہ تو بلا شبہ ناپاک ہے، اُس کو فوراً ٹنکی سے الگ کرنا ضروری ہے اور بقیہ تیل کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اُس کا پھیلاؤ دہ در دہ یعنی مربع چالیس ذراع یا مدور چھتیس ذراع ہو تو اُسے ماء کثیر مان کر (نجاست اور اُس سے متأثرہ حصہ کو نکالنے کے بعد) پاک قرار دیا جائے گا۔ اور اگر ٹنکی کی پیمائش دہ در دہ سے کم ہے تو حنفیہ کے نزدیک تیل کی ناپاکی کا حکم ہوگا اور اس کے پاک کرنے کا معروف طریقہ یہ ہے کہ تیل میں اتنی ہی مقدار پانی ڈال کر اچھی طرح سے تیل اور پانی کو رلا ملا چھوڑ دیا جائے تا آنکہ تیل اور پانی الگ الگ ہو جائیں تو تیل کو اوپر سے نکال لیا جائے، یہی عمل تین مرتبہ کیا جائے اس طرح کرنے سے پورا تیل پاک ہو جائیگا اور اگر بالفرض یہ عمل تطہیر ممکن نہ ہو تو اس بارے میں کسی مالکی مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھ کر عمل کیا جائے؛ کیوں کہ مالکیہ کے یہاں اس بارے میں کافی گنجائش ہے۔

ولا عبرة للنزح قبل إخراج الفارة، كذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الباب الثالث في المياه ٨٩/١ مكتبة الاتحاد، تبيين الحقائق / كتاب الطهارة ٩٨/١ زكريا)

الحوض إذا كان عشرًا في عشر فوقعت فيه النجاسة لا يتنجس إلا أن يتغير به لونه أو طعمه أو ريحه. (الفتاویٰ الولوالجية، كتاب الطهارة / الفصل الأول في الحياض والآبار وغير ذلك ٣١/١ دار الكتب العلمية بيروت)

وإن كان الحوض مدورًا ...... قيل يعتبر ستة وثلاثون ذراعًا، وهو الصحيح. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة / الفصل في المياه التي يجوز الوضوء بها ٣٠٦/١ زكريا)

ويطهر لبن وعسل ودبس ودهن يغلى ثلاثًا (الدر المختار) وفي الشامي: قال في الفتاویٰ الخيرية: ظاهر كلام الخلاصة عدم اشتراط التثليث وهو مبني على أن غلبة الظن مجزئة عن التثليث، وفيه اختلاف تصحيح ثم قال: إن لفظة "فيغلى" ذكرت في بعض الكتب والظاهر أنها من زيادة الناسخ فإنا لم نر من شرط لتطهير الدهن الغليان مع كثرة النقل في المسألة والتتبع

لها إلا أن يراد به التحريک مجازًا. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۵۴۳/۱-۵۴۴ زكريا، مستفاد: كتاب المسائل ۱۳۵/۱ فريد بك ڈپو دهلی)

فيتحصل عن مالک في الماء اليسير تحله النجاسة اليسيرة ثلاثة أقوال: قول: إن النجاسة تفسده، وقول: إنها لا تفسده إلا أن يتغير أحد أوصافه، وقول: إنه مكروه. (بداية المجتهد ونهاية المقصد، كتاب الطهارة من الحدث / الباب الثالث في المياه ۵۱/۱ المكتبة المدنية ديوبند، ۳۰/۱ دار الحديث القاهرة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بندر نے ۵۰۰/ لیٹر کی ٹنکی سے پانی پی لیا

سوال (۱۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندر نے پانی کے ۵۰۰/ لیٹر ٹینک میں سے پانی پی لیا، تو پانی ناپاک ہوا یا نہیں؟ جب کہ موٹر چلا کر تقریباً دو ٹینک پانی نکال دیا گیا ہے اور پھر ایک ہفتہ تک اُس پانی کا استعمال ہوتا رہا، بالکل صاف طور پر ٹینک کا پانی نہیں نکالا، تو کیا حکم ہے؟

پھر ایک ہفتہ کے بعد ٹینک کو ایک بار صاف طور پر دھو دیا گیا تو اُس کے بعد کیا حکم ہے؟ اور اُس ٹینک کے پانی سے پڑھی ہوئی نمازیں اور دھلے ہوئے کپڑوں کا کیا حکم ہے؟ کیا ٹینک کو تین بار دھونا ضروری تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - بندر کے ٹینک میں سے پانی پینے کی وجہ سے وہ پانی ناپاک ہوگیا تھا؛ تاہم جب موٹر چلا کر نیچے کی ٹنکیاں کھول دی گئی اور پانی جاری کر دیا گیا تو یہ سب پانی ماء جاری کے حکم میں ہوکر پاک ہوگیا، پورے ٹینک کو خالی کر کے صاف کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بریں بنا صاف کرنے سے پہلے ایک ہفتہ تک اس پانی سے جو وضو وغسل وغیرہ

کیا گیا اور کپڑے دھوئے گئے وہ سب درست ہیں۔

والقسم الثاني سور نجس – إلیٰ قولہٖ – والقرد لتولد لعابها من لحمها وهو نجس. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة / فصل في بيان أحكام السور ص: ۳۰ المكتبة الأشرفية ديوبند)

حوض صغير تنجس ماءه فدخل الماء الطاهر فيه من جانب وسال ماء الحوض من جانب آخر كان الشيخ الإمام الفقيه أبو جعفرؒ يقول: لما سال ماء الحوض من الجانب الآخر يحكم بطهارة الحوض. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة / الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها ۳۰۷/۱ رقم: ۵۱۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۴/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک ہفتہ کے بعد بندروں کے ٹنکی میں ڈبکی لگانے کا پتہ چلا

سوال (۱۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے گھر میں چھت پر ایک ہزار لیٹر کی پانی کی ٹنکی ہے، پڑوس کے ایک ۱۶-۱۷/ سال کے لڑکے نے خبر دی کہ بندروں نے ٹنکی کا ڈھکن توڑ دیا ہے، اور میں نے ۳-۴/ دن سے اس میں بندروں کو نہاتے ہوئے دیکھا ہے، جب ٹنکی کو دیکھا گیا تو واقعی اُس کا ڈھکن ٹوٹا ہوا تھا، اُس لڑکے سے دوبارہ پوچھا کہ یہ کب کی بات ہے؟ تو اُس نے بتایا کہ ایک ہفتہ سے میں دیکھ رہا ہوں کہ بندر اس میں نہاتے ہیں۔ زید ایک مسجد کا اِمام ہے، اور اُس کا ایک بھائی بھی اِمام جمعہ ہے، ایک ہفتہ میں جمعہ بھی آیا، اُسی پانی سے وضو اور غسل وغیرہ کیا گیا، تو ایسی صورت میں پڑھائی گئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ ٹنکی کا پانی ۴/ سے ۱۰/ گھنٹوں میں اکثر ختم ہوجاتا ہے، اور ٹنکی دوبارہ بھری جاتی ہے۔ مذکورہ بالا صورت میں آپ حضرات سے شرعی رہنمائی مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ ٹنکی میں بندروں کی ڈبکی لگانے سے اُس کا پانی ناپاک ہوگیا، اور حسبِ تحریر سوال دیکھنے والے لڑکے کے بیان کے مطابق ایک ہفتہ قبل سے بندروں کے نہانے کا سلسلہ جاری ہے، اِس لئے گذشتہ ایک ہفتہ کی نمازیں دوہرائی جائیں گی، اور آئندہ جمعہ میں اِمام صاحب یہ اعلان کردیں کہ گذشتہ جمعہ کی قضاء کے طور پر ۴؍رکعت ظہر کی نماز پڑھ لی جائے۔

اور مذکورہ ٹنکی کی پاکی کی شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اوپر سے موٹر چلا دیا جائے اور نیچے کی تمام ٹنکیاں کھول دی جائیں، تو پانی جاری ہونے کی وجہ سے اُس کی پاکی کا حکم دیا جائے گا۔

والقسم الثاني سؤر نجسٌ نجاسة غليظة، وقيل: خفيفة لا يجوز استعماله أي لا يصح التطهير به بحال، وهو أي السؤر النجس ما شرب منه الكلب ...... أو شرب منه شيء بمعنى حيوان من سباع البهائم والسبع حيوان مختطف منتهب عاد عادة كالفهد ...... والقرد لتولد لعابها من لحمها وهو نجس. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة / فصل في بيان أحكام السؤر ص: ۳۰ دار العلم ديوبند)

وسؤر خنزير وكلب وسباع بهائم ...... نجس مغلظ (الدر المختار) قوله: وسباع بهائم وهي ما كان يصطاد بنابه، كالأسد والذئب والفهد ...... وأشباه ذلك. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطهارة / باب المياه ۳۸۲/۱ زكريا)

ولو تنجس الحوض الصغير ثم دخل فيه ماء آخر وخرج حال دخوله طهر، وإن قل، وقيل: لا حتى يخرج قدر ما فيه، وقيل: حتى يخرج ثلاثة أمثاله، وصحح الأول في المحيط وغيره (البحر الرائق) وقال ابن عابدين الشامي: وعلى هذا حوض الحمام أو الأواني إذا تنجست ومقتضاه طهارة

الأواني بمجرد دخول الماء وخروجه وإن قل بناء على القول الصحيح من الأقوال الثلاثة المذكورة. (منحة الخالق على البحر الرائق / كتاب الطهارة ١٤٢/١-١٤٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مربوط ٹنکیوں میں سے کسی ایک ٹنکی سے بندر نے پانی پی لیا؟

سوال (۱۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ایک ہزار لیٹر کی پانی کی ۱۰/ ٹنکیاں ہیں؛ جن کا آپس میں ایک دوسرے سے کنکشن ہے، اگر بندر ایک یا دو ٹنکیوں سے پانی پی لے تو پانی ناپاک ہوگا یا نہیں؟ اور مابقیہ ٹنکیوں کا کیا حکم ہے؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں آپس میں ملی ہوئی ٹنکیوں میں سے کسی ایک میں اگر بندر منہ ڈال دے تو سب ٹنکیوں کا پانی ناپاک ہوجائے گا، اور اُس کی پاکی کا آسان طریقہ یہ ہے کہ موٹر چلا کر اُوپر سے پانی بھرنا شروع کیا جائے اور نیچے کی ٹنکیاں کھول دی جائیں، کچھ دیر تک یہ عمل کیا جائے تو سب پانی ماء جاری کے حکم میں ہوکر پاک ہوجائے گا۔

(مستفاد: فتاویٰ عثمانی ۳۲۷/۱-۳۲۸)

والقسم الثاني سور نجس – إلى قوله – والقرد لتولد لعابها من لحمها وهو نجس كلبنها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة / فصل في بيان أحكام السور ص: ٣٠ دار الكتب العلمية بيروت)

وفي شرح المنية: يطهر الحوض بمجرد ما يدخل الماء من الأنبوب

ويفيض من الحوض، هو المختار لعدم تيقن بقاء النجاسة فيه، وصيرورته جاريًا. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المياه ۳۳۸/۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۳/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈھیلے سے استنجاء کر کے کنویں میں داخل ہو گیا

سوال (۱۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی ڈھیلے سے استنجاء کر کے کنویں یا ماء قلیل میں داخل ہو جائے، تو اس ماء قلیل پر نجاست خفیفہ کا حکم لگے گا یا نجاست غلیظہ کا؟ واضح عبارت پیش فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- اُس پانی پر نجاست خفیفہ کا حکم لگے گا؛ جیسا کہ درج ذیل جزئیہ سے واضح ہے۔

إذا وقعت نجاسة ولو مخففة في بير دون القدر الكثير ينزح كل مائها أهـ، قوله: ولو مخففة لأن أثر التخفيف وهو المعفو عما دون الربع لا يظهر في الماء، وأفاد أنه لو أصاب هذا الماء ثوبًا، فالظاهر أنه لا تعتبر هذه النجاسة بالمخففة. (رد المحتار، كتاب الطهارة / فصل في البئر ۳٦٦/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۵/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نماز یا غیر نماز میں پرفیوم اور سینی ٹائزر کا استعمال

سوال (۱۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پرفیوم کا استعمال کرنا کیسا ہے نماز یا غیر نماز میں؟ اور سینی ٹائزر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - عام طور پر پرفیوم میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے وہ انگور یا کھجور سے بنا ہوا نہیں ہوتا؛ بلکہ دیگر اَشیاء مثلاً: آلو وغیرہ سے بنایا جاتا ہے، اِس لئے اُس پر مطلقاً ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اور اُس کا خارجی استعمال درست ہوگا، سینی ٹائزر کا حکم بھی یہی ہے کہ اُس کا استعمال درست ہے۔

وأما غير الأشربة الأربعة فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة، وبهٰذا يتبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوىٰ اليوم؛ فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى؛ فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلىٰ حلتها أوطهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرىٰ ما لم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى ولا يحكم بنجاستها أخذًا بقول أبي حنيفة ...... وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره، كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذٍ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ عند عموم البلوىٰ، واللّٰه سبحانه أعلم. (تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة / باب تحريم الخمر الخ، مبحث: حكم الكحول المسكرة ٣/٦٠٨ مكتبة دار العلوم كراچی) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲/۱۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کتے کے جسم سے کاٹے ہوئے بال پاک ہیں یا ناپاک؟

سوال (۱۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زندہ کتے کے بال اگراوپر سے کاٹ لئے جائیں جب کہ بالوں کی جڑ اُن میں شامل نہ ہوں تو یہ بال پاک ہیں یا ناپاک؟ اور اگر جڑ شامل ہوں تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں حنفیہ کے نزدیک جڑ کے بغیر اُوپر سے کاٹے گئے بال ناپاک نہیں ہیں؛ لیکن اگر جڑ سمیت اکھاڑے جائیں گے تو جڑ والا حصہ ناپاک ہوگا؛ لہٰذا ایسا بال اگر ماءِ قلیل میں گر جائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔

وفي جامع الجوامع: شعر الكلب منتوفًا ينجس الماء ومحلوقًا لا.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة / الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها ۳۱۹/۱ زكريا)

إذا وقع الكلب في ماء وخرج وانتفض وأصاب ثوبًا أكثر من قدر الدرهم لم تجز الصلاة فيه. وفي الغياثية: وهو المختار، وفي الخلاصة: قيل هذا إذا ابتل أصل شعره، وإن ابتل ظاهر شعره يجوز، وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة / الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها ۳۱۸/۱ زكريا)

ومما في السراج أن جلد الكلب نجس وشعره طاهرٌ هو المختار. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المياه ۳۶۳/۱ زكريا، البحر الرائق، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۴۰۲/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا نابالغ بچہ پیشاب دھلے بغیر حفظِ قرآن کا سبق یاد کرسکتا ہے؟

سوال (۱۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بچہ روزانہ بستر پر پیشاب کردیتا ہے اور سردی کی وجہ سے اُسے روزانہ نہلانا بھی

دشوار ہے، اور وہ قرآن پاک حفظ کرتا ہے، تو اس کے لئے قرآن پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مدلل اور تشفی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بستر پر پیشاب نکلنے کی وجہ سے پورے بدن کا دھونا لازم نہیں ہے؛ بل کہ صرف اُس حصہ کا دھونا کافی ہے جہاں پیشاب کا اثر معلوم ہو؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں ایسے بچوں کو پاک کرنے کے بعد قرآنِ کریم ہاتھ میں لے کر پڑھنے کی اجازت ہوگی اور بہتر تو یہی ہے کہ بچے کو باوضو پڑھنے کی عادت ڈالی جائے؛ لیکن ضرورت کے وقت وہ بے وضو بھی قرآن کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

ولا يكره مس صبي لمصحف ولوح، ولا بأس بدفعه إليه وطلبه منه للضرورة إذ الحفظ في الصغر كالنقش في الحجر (الدر المختار) لأن في تكليف الصبيان وأمرهم بالوضوء حرجًا بهم، وفي تاخيره إلى البلوغ تقليل حفظ القرآن. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة / مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء ٣١٧/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

برتن میں ڈاڑھی یا سر کے بال گرنے سے پانی کا حکم

سوال (۱۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وضو کرتے ہوئے ڈاڑھی یا سر کے بار جڑ سے اکھڑ کر پانی کے برتن، لوٹے، جگ اور بالٹی وغیرہ میں گر گئے، کیا پانی ناپاک ہوگیا؟ کیا بالوں کی جڑ ناپاک ہوتی ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِنسان کی ڈاڑھی یا سر کے بال اگر پانی میں

گر جائیں تو اِس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، اور اکھیڑے ہوئے بال کے سرے پر لگی ہوئی دسومت کو اگر چہ فقہاء نے ناپاک قرار دیا ہے؛ لیکن چوں کہ وہ بہت معمولی ہوتی ہے؛ اس لئے وہ بھی شرعاً معاف ہے، اور ایسا اُکھڑا ہوا بال اگر پانی میں گر جائے تو اس سے بھی پانی ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا۔

شعر الإنسان المنفصل والمتصل طاهر، لا يتنجس الماء إذا وقع فيه، وفي الحجة: سواء كان الآدمي حيًا أو ميتًا. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة / الفصل السابع معرفة النجاسات وأحكامها ۱/۴۴۷ زكريا)

وشعر الإنسان غير المنتوف (الدر المختار) أما المنتوف: فنجس والمراد: رؤوسه التي فيها الدسومة الخ ...... لكن يؤخذ من المسألة الآتية كما قال ط: أن ما خرج من الجلد مع الشعر إن لم يبلغ مقدار الظفر لا يفسد الماء. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المياه ۱/۳۶۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گائے کے پیشاب اور نیم کے پتوں سے بنی ہوئی دواء کا اِسپرے کرنا

سوال (۱۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ترکاری یا سبزی کی بیل اور پودوں کو کیڑے مکوڑے وغیرہ کے اثرات سے بچانے کے لئے گائے کے پیشاب اور نیم کے پتوں سے ملا کر ایک دوا بنائی جاتی ہے پھر اسے اِسپرے کے ذریعہ اوپر سے چھڑکا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ اس اسپرے کا اثر براہ راست سبزی کے اندر نہیں پہنچتا ہے؛ بلکہ اس سے صرف یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ سبزی کے پودے میں جو دیمک اور کیڑے وغیرہ لگ جاتے ہیں وہ مر جاتے ہیں تو اِس طرح کی دواء کا پودوں پر چھڑکنا شرعاً کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- فقہاء نے کھیتی کے فائدے کے لئے گوبرو فضلات کا کھاد استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے مسئولہ صورت میں نقصان دہ کیڑوں سے حفاظت کی غرض سے گائے کے پیشاب سے تیار کردہ اسپرے چھڑکنے کی گنجائش ہوگی، تاہم اس کا خیال رکھا جائے کہ جس سبزی یا پھل پر براہ راست یہ اسپرے لگ جائے، اس کو پاک کیے بغیر استعمال نہ کریں۔

واختلفوا في الزبل النجس، فقال الحنفية: يجوز اقتناؤه واستعماله في تنمية الزرع وانضاج الخبز ونحوهما. (الموسوعة الفقهية ٢١٤/٢٣ الكويت)

قال أكثر الفقهاء: يجوز استعمال الزبل والسرجين في الفلاحة لتنمية الزرع وقالوا: ولايكون النابت نجس عين؛ ولكنه ينجس بملاقاة النجاسة، فيظهر بالغسل. (الموسوعة الفقهية ٢٠٤/٢٣ الكويت)

كره بيع العذرة لا السرقين؛ لأن المسلمين يتمولون السرقين وانتفعوا به في سائر البلاد والأمصار غير نكير؛ فإنهم يلقونه في الأراضي لاستكثار الريع بخلاف العذرة. (البحرا لرائق، كتاب الكراهة / فصل في الكراهة ٣٦٥/٨ كوئٹہ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دودھ پیتے بچے کا جھوٹا پاک ہے

سوال (۱۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا تین مہینے کے بچے کا جھوٹا اُس کے والد کھا سکتے ہیں؟ (جیسے کہ بچے کے منہ میں کچھ دیا، پھر باپ نے اس کے منہ کا کھالیا) ہم نے سنا ہے کہ وہ ماں کا دودھ پیتا ہے؛ اس لئے اس کے والد یا کسی اور کے لئے اُس کا جھوٹا کھانا منع ہے؟ جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- دودھ پیتے بچے کے جھوٹے کو محض اس بنیاد پر ممنوع قرار دینا کہ وہ ماں کا دودھ پیتا ہے صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ انسان کا جھوٹا بہرحال پاک ہے، چاہے بچے کا ہو یا بڑے کا۔

أما السؤر الطاهر المتفق على طهارة فسؤر الآدمي بكل حال مسلمًا كان أو مشركًا صغيرًا أو كبيرًا. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / أحكام السور ۲۰۱/۱ زكريا، البحر الرائق، كتاب الطهارة / قوله: وسؤر الآدمي والفرس الخ ۲۲۲/۱ زكريا، الموسوعة الفقهية / تحت لفظ: سؤر ۱۰۰/۲٤ الكويت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل کی اسکرین پر قرآنِ کریم کے حروف کو چھونے کا حکم

سوال (۱۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر موبائل پر قرآنِ پاک کی تلاوت کی جارہی ہو تو کیا یہ پورا موبائل عین قرآنِ مجید کے حکم میں ہوکر اُس کو بلاوضو چھونا درست نہ ہوگا؟ یا صرف اسکرین پر نظر آنے والی آیت ہی کو چھونا منع ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر موبائل میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی جارہی ہے اور قرآنِ مجید کے حروف نمایاں ہوکر اسکرین پر آرہے ہوں، تو ایسے موبائل کی عموماً دو شکلیں ہوتی ہیں: ایک تو یہ کہ اُس پر کوئی ایسا کور چڑھا ہوا ہو کہ اُس کو جب چاہیں تو ہٹایا جاسکے، تو ایسے موبائل کور کی مثال جزدان کی ہے اور جزدان کے اُوپر سے قرآنِ کریم کو چھونا جائز ہے؛ اس لئے ایسے موبائل کو کور کے اُوپر سے چھونا بھی جائز ہوگا۔ دوسری صورت موبائل کی یہ ہے کہ اُس پر ایسا کوئی کور نہ ہو تو اَب موبائل کا حکم قرآنِ کریم کی طرح ہوگا اور موبائل کی دوسری پشت کی مثال قرآنِ کریم کی ایسی جلد کی ہوگی جو قرآنِ کریم کے ساتھ جڑی ہوئی ہو اور اُس کو الگ کرنا مشکل ہو؛

اِس لئے ایسے موبائل کو اب چھونا ممنوع ہوگا؛ لیکن اگر قرآنِ کریم کے حروف نمایاں طور پر اسکرین پر نہ آرہے ہوں تو اب وہ موبائل قرآنِ کریم کے حکم میں نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۴/۸۰-۸۲)

یحرم مسها: أي الآية: لقوله تعالىٰ ﴿لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ سواء كتب على قرطاس أو درهم أو حائط إلا بغلاف متجاف عن القرآن والحائل كالخريطة في الصحيح ويكره بالكم تحريمًا لتبعيته للابس. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / كتاب الطهارة ١٤٣ دار الكتاب ديوبند)

ولا يجوز لمحدث مس مصحف إلا بغلافه المنفصل لا المتصل في الصحيح (ملتقى الأبحر) وفي الدر المنتقى: قوله في الصحيح وعليه الفتوىٰ وكره المس بالكم أو بشيء من الثوب الذي على الماس؛ لأنه تبع وقيل لا يكره وجعله في المحيط قول الجمهور. (الدر المنتقى على الملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر / كتاب الطهارة ٤٢/١ دار الكتب العلمية بيروت)

ومسه ولو مكتوبًا بالفارسية في الأصح إلا بخلافه المنفصل. وفي الشامية: قوله إلا بغلافه المنفصل أي كالجراب والخريطة دون المتصل كالجلد المشرز هو الصحيح وعليه الفتوىٰ؛ لأن الجلد تبع له. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الحيض ٤٨٨/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۷/۶/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موبائل میں تلاوت کے وقت کیا پورا موبائل قرآنِ کریم کے حکم میں ہوتا ہے؟

سوال (۱۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر موبائل میں قرآنِ پاک کی تلاوت کی جارہی ہو، تو کیا یہ پورا موبائل سیٹ قرآنِ مجید

کے حکم میں ہو کر اُس کو بلا وضو چھونا درست نہ ہوگا، یا صرف اسکرین پر نظر آنے والی آیات کو ہی چھونا درست نہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: - مسئولہ صورت میں اگر موبائل پر ایسا کور چڑھا ہوا ہے جسے بہ آسانی الگ کیا جاسکتا ہے تو اسکرین پر قرآنِ پاک کھلے ہوئے رہنے کی حالت میں کور کے اُوپر سے موبائل کو چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ومسه إلا بغلافه المنفصل أي كالجراب والخريطة دون المتصل كالجلد المشرز هو الصحيح وعليه الفتوىٰ لأن الجلد تبع له. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الحيض ٤٨٨/١ زكريا)

اور اگر موبائل کور سے خالی ہو اور اسکرین پر قرآنِ کریم کے حروف نمایاں ہوں تو اس بارے میں تین قول ہیں: (۱) اس اسکرین اور موبائل کو بلا وضو چھونا درست ہے؛ کیوں کہ اسکرین پر جو حروف نمایاں ہورہے ہیں وہ مکتوب نہیں ہیں؛ بلکہ موبائل میں محفوظ چپ سے نکلنے والی مرکب شعاعیں ہیں؛ لہٰذا اُن پر لکھے ہوئے قرآن کا حکم صادر نہیں کیا جائے گا۔

فإن الصور لاتنقش على الشريط وإنما تحفظ فيها الأجزاء الكهربائية التي ليس فيها صورة فإذا ظهرت هذه الأجزاء على الشاشة ظهرت مرة أخرىٰ بذلك الترتيب الطبيعي ولكن ليس لها ثبات ولا استقرار على الشاشة وإنما هي تظهر وتفنى. (المستفاد: تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة / باب تحريم تصوير صورة الحيوان: التلفزيون ٩٨/٤ زكريا، ١٦٤/٢-١٦٥ المكتبة الأشرفية ديوبند)

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ صرف اسکرین پر نمایاں قرآنی حروف پر بلا وضو ہاتھ لگانا گناہ ہوگا؛ لیکن موبائل کے دیگر حصوں پر ہاتھ لگانے میں کوئی حرج نہ ہوگا، اس قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے دراہم ودنانیر جیسی اشیاء پر لکھی ہوئی آیات کے بارے میں یہ صراحت فرمائی ہے کہ صرف مکتوب حصہ کو بے وضو چھونا منع ہے اور اس کے علاوہ حصہ کو بے وضو مس کیا

جاسکتا ہے، یہی حکم موبائل کا بھی ہونا چاہئے

قوله: ومسه أي القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائط؛ لكن لا يمنع إلا من مس المكتوب بخلاف المصحف. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الحيض ۴۸۸/۱ زكريا)

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ قرآن پاک اسکرین پر نمایاں ہونے کی صورت میں پورے موبائل کو مکتوبہ قرآن پاک کے درجہ میں رکھا جائے اور اس حالت میں اسکرین اور موبائل کے دیگر حصوں پر بھی ہاتھ لگانا جائز نہ ہو، اس قول کے قائلین کا دعویٰ ہے کہ جس وقت موبائل میں قرآن کھول کر پڑھا جاتا ہے تو عرف میں اسے قرآن پاک ہی کے درجہ میں سمجھا جانا، تعظیم قرآن کے زیادہ لائق ہے۔ اور فقہاء نے مطبوعہ قرآن کی جلد اور خالی حصوں کو بھی بلا وضو چھونے سے تعظیماً منع فرمایا ہے؛ جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہے:

ويحرم مسها أي الآية لقوله تعالىٰ: ﴿لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ سواء كتب على قرطاس أو درهم أو حائط إلا بغلاف متجاف عن القرآن. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة / باب الحيض والنفاس والاستحاضة ۱۴۳ المكتبة الأشرفية ديوبند)

ويمنع مسه إلا بغلافه المنفصل ...... دون المتصل كالجلد المشرز هو الصحيح وعليه الفتوىٰ؛ لأن الجلد تبع له. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الحيض ۴۸۸/۱ زكريا)

اِن تین اقوال میں آخری قول پر عمل کرنے میں احتیاط زیادہ ہے اگرچہ دوسرے قول کی بھی بالکلیہ نفی نہیں کی جاسکتی؛ لیکن پہلا قول ہماری سمجھ سے بالاتر اور احتیاط کے منافی ہے؛ اِس لئے کہ آلات کا زیادہ تر مدار عرف پر ہوتا ہے اور جس وقت آیات قرآنیہ اسکرین پر نمایاں ہوتی ہیں تو اگرچہ ان کی داخلی کیفیت کچھ بھی ہو؛ لیکن عرفاً دیکھنے والا اسے قرآن ہی سمجھتا ہے؛ لہٰذا اَدب کا تقاضا یہی ہے کہ کم از کم اسکرین پر بلا وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۱/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''تبدیلِ ماہیت'' کی تحقیق

''تبدیل ماہیت کی تحقیق'' سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے گیارہویں فقہی اجتماع (منعقدہ ''دارالعلوم حیدرآباد'' ۱۴۳۶ھ) کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ (از: مرتب)

یہ بات اربابِ فقہ وفتاویٰ سے مخفی نہیں ہے کہ آج کل انسانی اور حیوانی مرکب ماکولات ومشروبات اور اَدویہ جات میں ایسی اشیاء کی شمولیت کی بحث وقتاً فوقتاً اٹھتی رہتی ہے جن کا استعمال شریعت میں ممنوع ہے، مثلاً: الکحل، بہتا ہوا خون، مردار کی چربی، یا خنزیر کے اجزاء وغیرہ، اس کا جواب عام طور پر دارالافتاء سے یہی دیا جاتا ہے کہ ''جب تک اس بات کی تحقیق نہ ہو کہ جو حرام اشیاء مذکورہ چیزوں میں شامل ہیں، وہ ان میں بعینہٖ ملائی گئی ہیں یا ماہیت بدل کر انہیں شامل کیا گیا ہے؟ اس وقت تک کسی بھی ایسی چیز پر حرمت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا''۔ یہ جواب اپنی جگہ پر درست ہے؛ لیکن اُصولی طور پر اِس بات کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ:

سوال (۱/۱۲۱):- فقہ کی روشنی میں تبدیل ماہیت کی حقیقت اور واضح تعریف کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق (۱):- تبدیلِ ماہیت کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی شئ اپنی ذات یا صفات کے اعتبار سے ایسی تبدیل ہوجائے کہ شئ اول باقی نہ رہے۔

ذات کی تبدیلی کی مثال یہ ہے کہ جیسے شیرہ شراب بن جائے یا شراب سرکہ بن جائے، یا نمک کی کان میں گر کر کوئی جانور سراپا نمک بن جائے، یا لید وغیرہ جل کر راکھ بن جائے، وغیرہ۔

اورصفات میں تغیر کی مثال یہ ہے کہ ناپاک کشمش سے بنے ہوئے شیرہ کو پکا کر گاڑھا کرلیا جائے یاناپاک تِل کوپیس کرحلوہ بنالیاجائے، بشرطیکہ اصل شئ کا رنگ، بواورذائقہ باقی نہ رہے۔

تواس طرح کی ذاتی یا صفاتی تبدیلی کی وجہ سے ماہیت کی تبدیلی کاحکم لگےگا، جوحضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موجبِ طہارت ہے، اورعموم بلویٰ کی وجہ سے اسی پر متأخرین فقہاءاحناف کافتویٰ ہے۔

ويطهر زيت تنجس بجعله صابونًا به يفتى للبلوى (الدر المختار) وفي الشامية تحته : ثم هذه المسئلة قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذي عليه الفتوى واختاره أكثر المشائخ خلافاً لأبي يوسف، ثم اعلم أن العلة عند محمد هي التغير وانقلاب الحقيقة وأنه يفتى به للبلوى كما علم مما مر، ومقتضاه عدم اختصاص ذلک الحكم بالصابون، فيدخل فيه كل ما كان فيه تغير وانقلاب حقيقة وكان فيه بلوى عامة، فيقال كذالک فى الدبس المطبوخ إذا كان زبيبه متنجسا، وعلى هذا إذا تنجس السمسم ثم صار طحينة يطهر، وقاسه على ما إذا وقع عصفور في بئر حتى صار طينا لايلزم إخراجه لاستحالته، قلت : لكن قد يقال إن الدبس ليس فيه انقلاب حقيقة لأنه عصير جمد بالطبخ وكذا السمسم إذا درس واختلط دهنه بأجزائه ففيه تغير وصف فقط. كلبن صار جبنا وبُرّ صار طحينا وطحين صار خبزا، بخلاف نحو خمر صار خلا وحمار وقع في مملحة فصار ملحا وكذا دردي خمر صار طرطيرا وعذرة صارت رماد أوحمأة فإن ذلک كله انقلاب حقيقة إلى حقيقة لامجرد انقلاب وصف. (رد المحتار ۱/ ۵۲۰- ۵۱۹ زكريا)

وجه قول محمد : أن النجاسة لما ستحالت وتبدلت أوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة لأنها اسم لذات موصوفة فتنعدم بانعدام الوصف

وصارت كالخمر إذا تخللت ...... (بدائع لصنائع ۱/۲٤۳)

وكثير من المشائخ اختاروا قول محمد وهو المختار؛ لأن الشارع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة وتنتفي بإنتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل فإن الملح غير العظم واللحم فإذا صار ملحا ترتب حكم الملح ونظيره في الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهي نجسة وتصير مضغة فتطهر. (فتح اقدير ۱/۲۰۲)

محض صورت بدلنے سے ماہیت نہیں بدلتی

سوال (۱۲۲/۲):- کیا محض صورت بدلنے سے ماہیت کی تبدیلی کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق (۲):- شریعت میں احکام کی تبدیلی کا مدار حقیقت بدلنے پر ہے محض صورت بدلنے سے حلت یا حرمت کا حکم تبدیل نہیں ہوتا۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ یہودیوں پر اونٹ وغیرہ کی چربی حرام کی گئی تھی پھر اُنہوں نے اس حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے چربی کو پگھلا کر بیچنا شروع کر دیا جس پر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درج ذیل الفاظ سے ناگواری کا اظہار فرمایا:

قاتل اللّٰه اليهود، إن اللّٰه عزوجل لما حرم عليهم شحومها أجملوه، ثم باعوه، فأكلوا ثمنه. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب تحريم بيع الخمر رقم: ۱۵۸۱)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ محض نام بدلنے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، اسی طرح موجودہ دور میں اگر کسی پاک چیز میں ناپاک شئ ملا کر اس کا نام بدل دیا جائے اور حقیقت تبدیل نہ ہو تو وہ شئ پاک نہ کہلائے گی۔

قال الشيخ محمد تقي العثماني – حفظه اللّٰه تعالىٰ –: في شرح

الحديث التالي: (قوله : ثم باعوه) وإنما فعلوا ذلک ليزول عنه اسم الشحم ويصير ودكا فإن العرب إنما تسميه شحما قبل الإذابة وأما بعد الإذابة فهو دک، ودل الحديث على أن مجرد تغير الاسم لايؤثر في حال الشئ وحرمته مالم تتغير حقيقته. (تكملة فتح الملهم ٥٦٢/١)

نجس اشیاء کی مشینوں کے ذریعہ صفائی

سوال (۱۲۳/۳):- آج کل ماحولیات کی درستگی کے عنوان پر جانوروں سے نکلنے والی غلاظتوں کو بوائلر مشینوں کے ذریعہ صفائی کرنے کا جوسلسلہ جاری ہے، تو نجس اشیاء کے اس طرح کی مشینوں سے گذرنے کی وجہ سے کیا ماہیت کی تبدیلی کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق (۳):- نجس اشاء کا محض بوائلر مشینوں کے ذریعہ پکادینا ان کی طہارت کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ حقیقت اشیاء نجسہ کی تبدیلی لازم ہے، اور بوائلر مشینیں کئی طرح کی رائج ہیں:

(۱) دباغت کے کارخانوں میں صورت یہ ہے کہ چمڑے کو دباغت دیتے وقت جو پانی استعمال ہوتا ہے، وہ کیمیکل اور جانور کی کھال میں لگی رہ جانے والی رطوبتوں سے مل کر جب باہر آتا ہے تو اسے بوائلر مشین میں ڈال کر اس طرح پکایا جاتا ہے کہ اس کا کثیف حصہ برادے کی شکل میں الگ ہوجاتا ہے اور پانی سب نچڑ کر الگ ہوجاتا ہے، پھر اس پانی کو مختلف مراحل سے گذار کر بالکل صاف کردیا جاتا ہے، اس میں بظاہر جو چیز برادہ بنی ہے وہ کھال کے ہی اجزاء ہیں، تو ان پر شئ مدبوغ کا حکم جاری ہوگا؛ البتہ ان سے نکلنے والے سیال پانی کو پاک کہنا مشکل ہے؛ تاہم اگر تحقیق سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ اِس نکالے گئے پانی میں نجاست کا کوئی اثر موجود نہیں ہے، تو اُس پر طہارت کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔

(۲) اور سلاٹر ہاؤس والوں سے تحقیق کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہاں جانور سے

نکلنے والی چربی اور معدہ وغیرہ کو بوائلر مشینوں میں ڈال کر ان سب کو پگھلا کر سیال مادہ بنالیا جاتا ہے، جو صابون وغیرہ اشیاء میں استعمال ہوتا ہے؛ گویا کہ یہ بوائلر مشین صرف جامد چیز کو پگھلانے کا کام کرتی ہے، تو ایسی صورت میں اگر حلال جانوروں کی چربی کو پگھلایا گیا ہے تو وہ پاک رہے گی اور ناپاک جانوروں کی چربی کو پگھلایا گیا تو وہ ناپاک ہی رہے گی؛ کیوں کہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

ولا تظن أن كل ما دخلته النار يطهر كما بلغني عن بعض الناس أنه توهم ذلك، بل المراد أن ما استحالت به النجاسة بالنار أو زال أثرها بها يطهر. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۵۱۹/۱ زكريا)

(وكل إهاب) ومثله المثانة والكرش، قال القهستاني: فالأولى وما (دبغ) ولو بشمس (وهو يحتملها طهر) فيصلي به ويتوضأ منه (ومالا) يحتملها (فلا). (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المياه ۳۵۵/۱-۳۵۶ زكريا)

ناپاک چیز کو سُکھا دینا

سوال (۱۲۴/۴):- کیا کسی ناپاک چیز کو محض سکھا دینے یا کوئی کیمیکل مادّہ ملا کر اس کی بو اور ذائقہ بدل دینے سے ماہیت تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق (۴):- اگر ناپاک چیز کا تعلق کسی عین سے ہے مثلاً جانور کا چمڑہ یا معدہ یا آنتیں وغیرہ تو ان پر دباغت کے احکام جاری ہوں گے؛ خواہ دباغت حقیقی ہو یعنی کوئی کیمکل مادہ ملا کر اسے سکھا دیا جائے یا دباغت حکمی ہو کہ بغیر کوئی چیز ڈالے ہوئے اسے قصداً سکھایا جائے تو ان دونوں طرح کے عمل میں دباغت کے ذریعہ وہ ناپاک شی حسبِ ضابطہ پاک قرار پائے گی۔

اور اگر وہ ناپاک شئ سیال ہے مثلاً خون یا قے وغیرہ تو وہ محض سوکھنے سے پاک نہیں

ہوگی بلکہ اس کی طہارت کے لئے اولاً تبدیل ماہیت لازم ہے؛ لہٰذا اگر جمے ہوئے دم مسفوح کو پیس کر پاؤڈر بنالیا جائے تو وہ پاک نہ ہوگا؛ لیکن اگر اولاً خون کو اس طرح جلادیا جائے کہ خون کی حقیقت تبدیل ہوجائے تو اب اس کی راکھ پاک قرار دی جائے گی۔

(وكل إهاب) ومثله المثانة والكرش، قال القهستاني: فالأولى وما (دبغ) ولو بشمس (وهو يحتملها طهر) فيصلي به ويتوضأ منه (ومالا) يحتملها (فلا) (الدر المختار) تحته في الشامية: (دبغ) الدباغ يمنع النتن والفساد. والذي يمنع على نوعين: حقيقي كالقرظ والشب والعفص ونحوه. وحكمي كالتتريب والتشميس والإلقاء في الريح، ولو جف ولم يستحل لم يطهر، زيلعي. والقرظ بالظاء المعجمة لا بالضاد: ورق شجر السلم بتحتين. والشب بالباء الموحدة وقيل بالثاء المثلثة، وذكر الأزهري أنه تصحيف، وهو نبت طيب الرائحة مر الطعم يدبغ به. أفاد في البحر. قوله: (ولو بشمس) أي ونحوه من الدباغ الحكمي، وأشار به إلى خلاف الإمام الشافعي وإلى أنه لا فرق بين نوعي الدباغة في سائر الأحكام، قال البحر: إلا في حكم واحد، وهو أنه لو أصابه الماء بعد الدباغ الحقيقي لا يعود نجسًا باتفاق الروايات، وبعد الحكمي فيه روايتان هـ. والأصح عدم العود. قهستاني عن المضمرات. وقيد الخلاف في مختارات النوازل بما إذا دبغ بالحكمي قبل الغسل بالماء، قال: فلو بعده لا تعود نجاسته اتفاقًا. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المياه ۱/۳۵۵-۳۵۶ زكريا)

ناپاک شئ کے اختلاط کی وجہ سے نجاست کا حکم

سوال (۵/ ۱۲۵):- اگر کسی پکائی جانے والی چیز میں معمولی سی ناپاک چیز گر کر اس طرح رَل مل جائے کہ اسے الگ کرنا ممکن نہ ہو، تو اس کی وجہ سے کیا وہ پوری شئ پاک قرار پائے گی؟ یا ناپاک ہی رہے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق (۵):- اگر کسی پکائی جانے والی سیال چیز میں تھوڑی بہت ناپاک چیز مل جائے تو وہ سب ناپاک قرار پائے گی اِلا یہ کہ ساری شئ کی ماہیت تبدیل ہوجائے تو ضمناً وہ ناپاک جزو بھی پاک ہوجائے گی۔

وكثير من المشائخ اختاروا قول محمد وهو المختار؛ لأن الشارع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة وتنتفي بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل فإن الملح غير العظم واللحم، فإذا صار ملحًا ترتب حكم الملح ونظيره في الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهي نجسة وتصير مضغة فتطهر. (فتح القدير ۲۰۲/۱)

وأما القليل فينجس وإن لم يتغير. (الدر المختار ۳۳۲/۱ زكريا)

وإذا كان قليلاً فهو بمنزلة الحباب والأواني يتنجس بوقوع النجاسة فيه، وإن لم يتغير أحد أوصافه. (المحيط البرهاني ۲۴۱/۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۶/۳/۲۲ھ

منظور شدہ تجویز: تبدیلِ ماہیت کی تحقیق

گیارہواں فقہی اجتماع اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ: ۲۳-۲۴-۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۳-۱۴-۱۵/ فروری ۲۰۱۵ء

بمقام: دارالعلوم حیدرآباد

اِدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے گیارہویں فقہی اجتماع میں ''تبدیلِ ماہیت کی تحقیق'' کے موضوع پر بحث ومناقشہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) ماہیت بدل جانے سے ناپاک اشیاء پاک ہوجاتی ہیں۔

(۲) تبدیلی ماہیت شئے کی بنیادی اوصاف کی تبدیلی سے متحقق ہوجائے گی، مادّہ کی تبدیلی ضروری نہیں۔

(۳) بنیادی اوصاف کی معرفت کا مدار اَدلۂ شرعیہ پر ہے، اگر ادلۂ شرعیہ سے معرفت حاصل نہ ہوسکے تو عرفِ عام میں جن اوصاف کے بدلنے کو شئے کی تبدیلی سمجھا جاتا ہے وہی اوصاف بنیادی اوصاف ہوں گے؛ البتہ جن چیزوں کے اوصاف کا علم عرفِ عام سے بھی نہ ہوسکے تو اُن میں ان کے ماہرین سے رائے لی جائے گی۔

(۴) بوائلر مشینوں کے ذریعہ تصرف کے بعد مذکورہ معیار کے مطابق جن چیزوں میں تبدیل ماہیت کا تحقق ہوجائے، ان میں پاکی کا حکم ہوگا، بصورتِ دیگر پاکی کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، البتہ اگر ان مشینوں سے گزرنے والی ناپاک چیز تجزیہ وتحلیل اور کیمیکل کے استعمال کے ذریعہ ناپاک اجزا کو بالکلیہ الگ کردیا جائے تو اسے بھی استحالہ کے درجہ میں رکھ کر استعمال کی گنجائش ہوگی۔

(۵) بعض اشیاء کا محض سکھادینا سبب طہارت تو ہے مگر تبدیلِ ماہیت نہیں؛ البتہ کیمیکل کے ذریعہ تجزیہ واستحالہ ممکن ہے۔

ہر سہ عنوان پر تجاویز اتفاقِ رائے سے منظور کی گئیں؛ البتہ اجتماع کے بعد مولانا مفتی محمد نعمان صاحب سیتاپوری (معین مفتی دارالعلوم دیوبند) نے تجویز نمبر (۱) کے ضمن (الف، ب، د، اور س) سے اور تجویز نمبر (۲) کے ضمن (۵، ۶، اور ۷) سے اسی طرح تجویز نمبر (۳) کے ضمن (۲، اور ۴) سے اپنے دلائل کی روشنی میں عدمِ اتفاق کی تحریر اِرسال کی۔

❍❖❍

وضواور غسل کے مسائل

سولر سسٹم سے گرم کئے ہوئے پانی سے وضو

سوال (۱۲۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حدیث میں سورج سے گرم شدہ پانی سے وضو کی کراہت وارد ہے؛ لیکن ہماری مسجد کے ذمہ دار حضرات پانی گرم کرنے کے لئے سولر سسٹم لگانا چاہ رہے ہیں، جس میں سورج کی روشنی کے توسط سے پانی گرم ہوگا۔ تو سوال یہ ہے کہ اِس طرح گرم شدہ پانی کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ ماءِ شمس میں داخل قرار دیا جائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سولر سسٹم کے ذریعہ پانی گرم کرکے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ ماءِ شمس میں داخل نہیں ہے؛ اِس لئے کہ سورج کی روشنی سے اَولاً بیٹری چارج ہوتی ہے، پھر اُس کے ہیٹرے سے پانی گرم ہوتا ہے، براہِ راست سورج کی تپش سے پانی گرم نہیں ہوتا۔ اور جو پانی براہ راست سورج کی گرمی سے گرم کیا جائے اُس کے استعمال کی کراہت بعض آثار اور فقہی جزئیات میں منقول ہے؛ لیکن یہ کراہت تنزیہی ہے یا محض طبی ہے، شرعی نہیں؛ اِس لئے اُس پانی سے شرعی طور پر غسل یا وضو کے صحیح ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

عن حسان بن أظهر أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: لا تغسلوا بالماء المشمس فإنه يورث البرص، قال في هامشه إسناده حسن.

(سنن الدار قطني ۱/ ۳٤)

قال الشامي بحثًا: فقد علمت أن المعتمد الكراهة عندنا لصحة الأثر وأن عدمها رواية والظاهر أنه تنزيهة عندنا أيضًا. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المياه ۳۲۵/۱ زكريا)

وهذه الكراهة طبية لا شرعية؛ لأنها لا تمنع من إكمال الوضوء أو الغسل. (الموسوعة الفقهية ۳۶٤/۳۹ رقم المادة: ۱۳-۱٤ الكويت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۵/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زم زم کے پانی کو مجبوری میں استنجے میں استعمال کرنا

سوال (۱۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ایسی جگہ ہے جہاں اُس کے پاس صرف زمزم کا پانی ہے اور کوئی پانی نہیں ہے، تو کیا زمزم کے پانی سے استنجاء کرسکتا ہے۔ اِسی طرح اتفاق یہ ہوا کہ فلائٹ میں بھی اُس کے پاس کوئی پانی نہیں اور نہ فلائٹ کے ٹوئیلیٹ میں پانی ہے؛ البتہ ٹیشو پیپر ہے اور زمزم ہے، تو کیا وہ ٹیشو پیپر سے پوچھے گا یا پھر زمزم کے پانی سے استنجاء کرے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - ماءِ زمزم ایک متبرک پانی ہے، اگر دوسرا پانی موجود ہو تو زمزم سے نجاست دور کرنا بے ادبی اور مکروہ ہے؛ لیکن اگر سخت مجبوری ہو جیسا کہ سوال میں لکھا گیا ہے کہ استنجاء کے لئے زمزم کے علاوہ کوئی پانی دستیاب نہ ہو، تو ایسی حالت میں اگر زمزم سے استنجاء کرلیا جائے تو پاکی حاصل ہوجائے گی، پھر بھی پوری کوشش کی جائے کہ عین نجاست سے زمزم کا پانی نہ مل جائے۔

لہٰذا اگر ٹشو پیپر موجود ہو تو اولاً ٹشو پیپر سے صفائی کرلی جائے اُس کے بعد ہی زمزم کا پانی بقدرِ ضرورت استعمال کیا جائے۔ (مستفاد: انوار مناسک ص: ۳۹۹)

وجزم الشيخ محب الدين الطبري بتحريم إزالة النجس به وإن حصل به التطهير وأخذ ذلک من قول الماوردي: إن لماء زمزم حرمة تمنع الاستنجاء به مع حرمته أجزاه إجماعًا. (البحر العميق، الباب العاشر / فصل ما يستحب للحاج في مدة مقامه بمكة ١٣٦٢/٣ مؤسسة الريان)

ويكره الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال فاستفيد منه أن نفي الكراهة خاص في رفع الحدث بخلاف الخبث. (غنية الناسك / مطلب في شرب ماء زمزم ص: ١٨٣ مكتبه يادگار شيخ سهارنفور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

زم زم اور وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پیا جائے یا بیٹھ کر؟

سوال (۱۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: **الف:** - کتب فتاویٰ اُردو اور عربی میں کہیں سنت کہیں مستحب کہیں کراہت اور کہیں بلا کراہت کہیں قائماً اور کہیں قاعداً کہیں دونوں مستحب اور کہیں استحباب کا انکار۔ اِس سلسلہ میں چند سوالات درپیش ہیں، آپ حضور والا سے قوی اُمید ہے کہ مدلل انداز میں یہ واضح فرمائیں گے کہ دلائل کے اعتبار سے اور اِمام بخاری امام ترمذی رحمہما اللہ وغیرہ محدثین کے انداز بیان سے کیا چیز نکل کر سامنے آتی ہے؟

ب: - کیا عام پانی سے استثناء کا ثبوت کسی اِمام سے منقول ہے؟

ج: - مسئلہ ہذا میں کیا حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے علاوہ بھی کوئی حدیث ہے۔

د: - علم کراہت کی وجہ فتاوی شامی میں "**لأن ماء زمزم شفاء وكذا فضل وضوء**"، منقول ہے، تو کیا اِس طرح استحباب کی بھی وجہ ہے یا نہیں؟

ہ:- کسی غیر ضروری چیز کو اگر ضروری سمجھا جائے تو ترک اولیٰ ہے، کیا یہ مفتیانِ کرام کا بنایا ہوا ضابطہ ہے؟ اور اگر ہے تو اُس کی دو مثالیں درپیش ہیں؟

و:- اگر شامی میں کچھ اور تقریر رافعی میں کچھ اور ہو جیسا کہ ماء زمزم کے مسئلہ میں ہے تو فتویٰ کے لئے کیا کیا جائے؟ اِس سلسلہ میں کسی ضابطہ کی رہنمائی فرمائیں۔

باب الشرب قائما اَحادیث ممانعت اور احادیث جواز اور موجودہ اَحادیث کی کتب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی رائے ضرور تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- **الف:-** زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کے سلسلہ میں تمام روایات اور عباراتِ فقہیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر چہ عام حالات میں بلا عذر کھڑے ہوکر پانی پینا خلاف ادب یعنی مکروہ تنزیہی ہے؛ لیکن اس کراہت سے زمزم کا پانی اور وضو کا بچا ہوا پانی مستثنیٰ ہے؛ گویا کہ اِن پانیوں کو کھڑے ہوکر پینا خلافِ اَدب نہیں ہے، اِس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پانیوں کا بحالت قیام نوش فرمانا ثابت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اگر کوئی شخص کھڑے ہوکر یہ پانی نوش کرے تو اسے مستحب بھی کہا جا سکتا ہے؛ جیسا کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے؛ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اِن پانیوں کو بیٹھ کر پینا مکروہ ہے؛ بلکہ دونوں طرح پینے میں کوئی کراہت نہیں ہے؛ چناں چہ درج ذیل عبارات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نهى أن يشرب الرجل قائمًا فقيل الأكل؟ قال: ذاك أشد. هذا حديث صحيح. (سنن الترمذي، أبواب الأشربة / باب ما جاء في النهي عن الشرب قائمًا ۲/۱۰ رقم: ۱۸۷۹)

وأن يشرب بعده من فضل وضوئه كماء زمزم مستقبل القبلة قائمًا أو قاعدًا، وفيما عداهما يكره قائمًا تنزيهًا. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب الطهارة ۲۵۳/۱-۲۵٤ زكريا)

عن الشعبي أن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما حدثه قال: سقيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من زمزم فشرب وهو قائمٌ. (صحيح البخاري، كتاب الحج / باب ما جاء في زمزم ٢٢٠/١ رقم: ١٦٣٧، سنن الترمذي ١٠/٢ رقم: ١٨٨٢)

ومن الأدب أن يشرب فضل وضوئه أو بعضه مستقبل القبلة إن شاء قائمًا وإن شاء قاعدًا، وذكر الإمام خواهر زاده أنه يشرب ذلك الماء قائمًا، وقال: لا يشرب الماء قائمًا إلا في موضعين: أحدهما هنا، والثاني عند زمزم. (الفتاویٰ التاترخانية، كتاب الطهارة / الفصل الأول في الوضوء ٢٢٨/١ رقم: ١٢٨ زكريا، البحر الرائق، كتاب الطهارة / قوله: ومسح رقبته ٥٧/١ زكريا)

وأما آدابه ...... ويشرب فضل وضوئه مستقبل القبلة قائمًا وخيّره الحلواني بين القيام والقعود وروي عن علي رضي اللّٰه عنه أنه فعل ذلك، وقيل: لا يستحب ذلك، وإنما فعله إشارة إلیٰ أنه لا يكره شرب الماء قائمًا، وقيل: لا يشرب قائمًا إلا في هذا وعند زمزم. (البناية شرح الهداية / كتاب الطهارات ٢٥٠/١ دار الكتب العلمية بيروت)

ب:- درج ذیل عبارات میں زمزم اور وضو کے پانی کا استثنیٰ صراحۃً موجود ہے، ملاحظہ فرمائیں:

والحاصل أن انتفاء الكراهة في الشرب قائمًا في هذين الموضعين محل كلام فضلا عن استحباب القيام فيهما، ولعل الأوجه عدم الكراهة إن لم نقل بالاستحباب؛ لأن ماء زمزم شفاء، وكذا فضل الوضوء. (رد المحتار، كتاب الطهارة / مطلب في مباحث الشرب قائمًا ٢٥٥/١ زكريا)

ج:- زمزم کا پانی کھڑے ہوکر پینے سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی صحیح روایت کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت ہے جو معجم طبرانی میں

موجود ہے جو کہ سنداً ضعیف ہے؛ جب کہ وضو کا پانی کھڑے ہوکر پینے سے متعلق صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہمارے علم میں ہے۔

قال سعيد بن جبير حدثني أبوهريرة رضي اللّٰه عنه أنه رأى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يشرب من هذا البئر قائمًا، وأومأ بيده إلى زمزم. لم يرو هذا الحديث عن داؤد بن أبي هند إلا أبو يونس الخصاف ولا عن أبي يونس إلا قرة بن العلاء تفرد به الحسن بن محمد النحاس. (المعجم الأوسط للطبراني ٣٧٢/٣ رقم: ٣٤٣٢)

عن علي ابن أبي طالب رضي اللّٰه عنه أنه صلى الظهر ثم قعد في حوائج الناس في رجبة الكوفة حتى حضرت صلاة العصر ثم أتي بماء فشرب وغسل وجهه ويديه وذكر رأسه ورجليه ثم قام فشرب فضله وهو قائم، ثم قال: إن ناسًا يكرهون الشرب قائمًا وأن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم صنع مثل ما صنعت. (صحيح البخاري / كتاب الأشربة ٨٤٠/٢ رقم: ٥٦١٦)

د:- ملا علی قاری رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت میں زمزم اور وضو کے پانی کھڑے ہوکر نوش کرنے کے استحباب کی وجہ بیان کردی گئی ہے کہ اِن دونوں پانیوں کو خوب پیٹ بھر کر پینا مطلوب ہے، اور یہ مقصد کھڑے ہوکر پینے میں زیادہ آسانی سے حاصل ہوجاتا ہے۔

ويمكن الجمع أيضًا بأنه لم يثبت النهي عند علي كرم اللّٰه وجهه أو النهي عنده ليس على إطلاقه فإنه مخصص بماء زمزم وشرب فضل الوضوء، كما ذكره بعض علمائنا، وجعلوا القيام فيهما مستحبًا وكرهوه في غيرهما إلا إذا كان ضرورة، ولعل وجه تخصيصهما أن المطلوب في ماء زمزم التضلع ووصول بركته إلى جميع الأعضاء، وكذا فضل الوضوء مع إفادة الجمع بين طهارة الظاهر والباطن وكلاهما حال القيام أعم وبالنفع أتم. (مرقاة المفاتيح، كتاب الأطعمة / باب الأشربة ١٦٥/٨-١٦٦ دار الكتب العلمية بيروت)

ہ:- واضح رہنا چاہئے کہ فقہاء اور مفتیانِ کرام نے کوئی بھی ضابطہ اپنی طرف سے نہیں بنایا؛ بلکہ فقہاء کا بنایا ہوا ہر ضابطہ بحیثیت مجموعی معتبر نصوص وآثار سے مأخوذ ہوتا ہے۔ بریں بناء کسی غیر ضروری چیز کو ضروری سمجھے جانے کے خطرہ سے اُس کو ترک کرنے کا قاعدہ بھی نصوص وآثار سے مأخوذ ہے؛ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت مسلم شریف میں موجود ہے کہ آپ نے نمازوں کے بعد امام کے لئے دائیں طرف بیٹھنے کے اہتمام کو ناپسند سمجھا اور اُسے شیطان کا اثر قرار دیا، اور واضح فرمایا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی ایک جانب بیٹھنے کو ضروری نہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح آج اگر کوئی شخص اَذان کے بعد صلوٰۃ یعنی خاص انداز میں درود شریف پڑھنے کا اہتمام کرنے لگے تو اس سے بھی منع کیا جائے گا، یہ بھی غیر ضروری امر کو ضروری سمجھنے کے قبیل سے ہے، ورنہ درود شریف فی نفسہٖ منع نہیں ہے۔

من أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب الدعاء في التشهد ٣٥٣/٢ المكتبة الأشرفية ديوبند، ٧٥٥/٢ تحت رقم: ٩٤٦ دار الفكر بيروت)

عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: لا يجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزء لا يرى إلا أن حقًا عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه أكثر ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينصرف عن شماله. (صحيح مسلم / باب جواز الانصراف من الصلاة ٢٤٧/١ رقم: ٧٠٧)

فما يفعله المؤذنون الآن عقيب الأذان من الإعلان بالصلاة والسلام مرار أصله سنة والكيفية بدعة؛ لأن رفع الصوت في المسجد ولو بالذكر فيه كراهة.

(مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب فضل الأذان وإجابة المؤذن ٣٢٨/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

و:- عموماً شامی کی عبارت پر رافعی کا استدراک باوزن ہوتا ہے اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے؛ تاہم یہ کوئی اُصول کلی نہیں ہے، حتمی فیصلہ مسئلہ اور عبارت پر دقیق نظر کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے، اور زیر بحث مسئلہ میں علامہ رافعی کی بات راجح معلوم ہوتی ہے۔

قـال الـرافـعي: قـوله: أفاد أن المقصود من قوله قائمًا عدم الكراهة، فيه أن صـريح كلام المصنف أن الشرب قائمًا مستحب؛ لأنه في صدد عدّ المستحبات لا في بيان عدم الكراهة. (تقريرات الرافعي على رد المحتار ۱۸/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۵/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

درد کو دُور کرنے کے لئے باندھی گئی پٹی پر مسح کا حکم

سـوال (۱۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک طریقہ علاج ہے جس کو seedtheropy کہتے ہیں، اگر بدن میں کہیں بھی درد یا تکلیف ہو تو ہاتھ یا پیر کی کسی اُنگلی پر دوا رکھ کر اُوپر سے بینڈج (bandage) باندھ دیتے ہیں، یہ پٹی ۲-۳/ دن تک بندھی رہتی ہے۔ واضح رہے کہ اِس پٹی کے نیچے کوئی زخم یا درد نہیں ہوتا؛ بلکہ درد کسی اور جگہ ہوتا ہے، بطور علاج یہاں پر باندھا جاتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ وضو یا غسل میں اس پٹی پر مسح کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: - صحیح سالم اُنگلی وغیرہ پر دَوا کی پٹی باندھنے سے اُس پر مسح کافی نہ ہوگا؛ کیوں کہ مسح کی شرط یعنی پٹی کے نیچے زخم وغیرہ کا پایا جانا یہاں مفقود ہے، اِس لئے اگر مذکورہ طریقۂ علاج سے فائدہ اُٹھانے کا اِرادہ ہو تو اِس طرح کی پٹی مغسولہ اَعضائے وضو۔ پر نہ لگائی جائے؛ بلکہ بدن کے دیگر حصہ پر پٹی باندھی جائے؛ تاکہ وضو میں خلل نہ پڑے۔

يـجـوز الـمسح على الخرقة الزائدة ويقوم المسح عليها مقام غسل ما تـحتهـا كـالمسح على الخرقة التي تلاصق الجراحة، وإن كان ذلك لا يضر بـالجرح عليه أن يحل، ويغسل حوالي الجراحة، ولا يجوز المسح عليها ......

ومن شرط جواز المسح على الجبيرة أيضًا أن يكون المسح على عين الجراحة مما يضربها، فإن كان لا يضربها لا يجوز المسح إلا على نفس الجراحة، ولا يجوز على الجبيرة. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة / شرط جواز المسح ۱/۱۰ زكريا، ۱/۱۳ دار الكتب العلمية بيروت)

وقال الحنفية عملاً بما ذكر الحسن بن زياد: إن كان حل الخرقة وغسل ما تحتها من حوالي الجراحة مما يضر بالجرح يجوز المسح على الخرقة الزائدة، ويقوم المسح عليها مقام غسل ما تحتها كالمسح على الخرقة التي تلاصق الجراحة، وإن كان ذلك لا يضر بها لا يجوز المسح إلا على الجراحة نفسًا ولا يجوز على الجبيرة؛ لأن الجواز على الجبيرة للعذر، ولا عذر. (الفقه الإسلامي وأدلته، العبادات / شرائط المسح على الجبيرة ۱/۵۰۳ دار الفكر سورية دمشق) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وضواور غسل میں فیوی کوئک کو اُنگلیوں سے چھڑانے کا حکم

سوال (۱۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص حیدرآبادی کڑے اور چوڑی میں رنگ لگانے کا کام کرتا ہے، جسے چپکانے کے لئے ’’فیوی کوئک‘‘ کا استعمال کیا جاتا ہے، بسا اَوقات یہ اُنگلیوں پر لگ جاتی ہے، اور اِس کا چھٹانا بہت مشکل ہوتا ہے، تو ایسے شخص کے لئے وضواور غسل کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسؤلہ صورت میں اگر ممکن ہو تو دستانے پہن کر رنگ چپکانے کا کام کرنا چاہئے؛ تا کہ فیوی کوئک اُنگلی پر نہ لگ سکے؛ تاہم اگر بغیر دستانہ کے کام کیا اور

اُنگلی پر فیوی کوئک لگ گیا، تو اَولاً اُسے چھڑانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اوراگر کوشش کے باوجود کچھ حصہ لگا رہ جائے تو وہ معاف ہوگا اور اسی حالت میں وضوو غسل اور نماز سب درست ہوجائیں گی۔

وفي الجامع الصغير سئل أبو القاسم عن وافر الظفر الذي يبقى في أظفاره الدرن أو الذي يعمل عمل الطين أو المرأة التي صبغت أصبعها بالحناء أو الصرام أو الصباغ قال: كل ذلک سواء يجزيهم وضوء هم إذ لا يستطاع الامتناع عنه إلا بحرج، والفتوى على الجواز من غير فصل بين المدني والقروي، كذا في الذخيرة. (الفتاوىٰ الهندية / كتاب الطهارة ۱/۱۲-۱۳ مكتبة الاتحاد ديوبند، ۱/٤ دار الفكر بيروت)

وإذا كان في أظفاره درن أو طين أو عجين أو المرأة تضع الحناء جاز في القروي والمدني وهو صحيح وعليه الفتوى. (البحر الرائق، كتاب الطهارة / أحكام الوضوء ۱/۲۹ زكريا، ۱/۱٤ دار الكتب العلمية بيروت)

ويعفى أثر شق زواله بأن يحتاج في إخراجه إلى نحو الصابون. (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۱/۹۰ مكتبة فقيه الأمة ديوبند، ۱/٦۰ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اگر اُنگلیوں پر ایلفی لگ جائے تو وضو کیسے کریں؟

سوال (۱۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص رنگ وغیرہ چپکانے کا کام کرتا ہے جس میں ایلفی کے ذریعہ ہی زیادہ تر کام ہوتا ہے۔ اور کام کے دوران اُس کا ہاتھوں اور اُنگلیوں میں لگنا ناگزیر ہے اور دستانے چڑھا کر کام

کرنا بھی ممکن نہیں، تو صورت مذکورہ میں وہ شخص وضو وغیرہ کیسے کرے؟ واضح ہو کہ اُنگلیوں پر لگنے والی ایلفی کا بروقت چھٹانا بہت مشکل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں مذکورہ شخص پر لازم ہے کہ حتی الامکان احتیاط سے کام لے اور اِس بات کی پوری کوشش کرے کہ اُس کی انگلیوں پر ''ایلفی'' لگ جائے تو اُسے مٹی کے تیل یا کسی اور کیمیکل سے چھٹانے کی کوشش کرے۔ اگر بالفرض کوشش کے باوجود وہ پوری طرح نہ چھوٹ سکے تو اِسی حالت میں وضو اور غسل کرنے سے طہارت حاصل ہوجائے گی اور اُس کے لئے نماز وغیرہ پڑھنا جائز اور درست ہوگا۔

وفي الجامع الصغير: سئل أبو القاسم عن وافر الظفر الذي يبقى في أظفاره الدرن، أو الذي يعمل عمل الطين أو المرأة التي صبغت إصبعها بالحناء أو الصرام أو الصباغ، قال: کل ذلک سواء يجزيهم وضوء هم إذ لا يستطاع الامتناع عنه إلا بحرج والفتویٰ على الجواز. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الباب الأول ۴/۱ زكريا قديم)

وإذا كان في أظفاره درن أو طين أو عجين أو المرأة تضع الحناء جاز فی القروي والمدني وهو صحيح وعليه الفتویٰ. (البحر الرائق، كتاب الطهارة / تحت قوله: ويديه بمرفقيه ۲۹/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نیند کے ناقض وضو ہونے نہ ہونے کی تفصیل

سوال (۱۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲) اور یہ بھی پڑھا ہے کہ مقعد (سرین) زمین سے لگی رہے اور ٹیک لگا کر سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

(۳) اور پھر یہ بھی پڑھا ہے کہ ٹیک لگا کر اِس طرح سو جائے کہ ٹیک والی چیز کو ہٹا دیا جائے، تو وہ گر پڑے، اِس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اِن تمام صورتوں کی ہر نقطۂ نظر سے وضاحت فرما دیں، نیز ''نورالایضاح'' میں لکھا ہے ''**ونوم لم تتمكن فيه المقعدة**'' (اور ایسی نیند جس میں مقعد (سرین) زمین سے لگی ہوئی نہ ہو (یعنی زمین پر ٹکی ہوئی نہ ہو) وضو کو توڑ دیتی ہے۔ اس عبارت کا مطلب بھی واضح فرما دیں؛ کیوں کہ آدمی بسوں، ٹرینوں اور کرسیوں پر بیٹھتا ہے، جس میں سرین ٹکی رہتی ہے، اٹھی نہیں رہتی ہے، تو اِس صورت میں وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟ اِسی طرح اگر کوئی کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو جائے یا صوفہ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے سو جائے تو وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- واضح رہنا چاہئے کہ شریعت کی نظر میں نیند اپنی ذات کے اعتبار سے ناقض وضو نہیں ہے؛ بلکہ خروجِ ریح کے احتمال کی بنیاد پر نیند کو ناقض وضو قرار دیا گیا ہے؛ پس اگر نیند اس ہیئت پر ہو کہ بلا اِرادہ خروجِ ریح کا احتمال نہ ہو، تو وہ اُصولاً ناقض وضو نہ ہوگی۔ اسی بات کو ''نورالایضاح'' کی اِس عبارت میں بیان کیا گیا ہے: ''**ونوم لم تتمكن فيه المقعدة**'' اور اَحناف کے نزدیک یہی قول ''ظاہر الروایۃ'' ہے؛ لیکن حضرات متأخرین نے لوگوں کے جسمانی ضعف کو ملحوظ رکھتے ہوئے احتیاطاً یہ فتویٰ دیا ہے کہ مقعد زمین یا کرسی یا گاڑی کی سیٹ وغیرہ پر ٹکی ہوئی رہنے کی حالت میں اگر نیند اتنی گہری ہو کہ سہارا ہٹانے پر آدمی گر جائے اور سنبھل نہ سکے، تو اُس کا وضو ٹوٹ جائے گا، اور اگر اتنی گہرائی نیند نہ ہو، تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ اب اِس کا فیصلہ خود ''**مبتلیٰ بہ**'' ہی کر سکتا ہے کہ اُس کی نیند کس قدر گہری ہے؟ اُسی کی رائے پر وضو کے ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا مدار رکھا جائے گا، اور نرم صوفے اور آرام دہ گاڑی کی نرم

سیٹ پر گہری نیند سے مطلقاً وضوٹوٹنے کا حکم دیا جائے گا؛ کیوں کہ اُس میں عموماً قوت متماسکہ آدمی کے قابو میں نہیں رہتی۔

وفيه التنبيه: على أن الناقض ليس النوم؛ لأنه ليس حدثًا، وإنما الحدث ما لا يخلو عنه النائم فأقيم السبب الظاهر مقامه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة / فصل في نواقض الوضوء ص: ۹۰-۹۱ دار الكتب العلمية بيروت)

قال المحقق ابن الهمام: ظاهر المذهب عن أبي حنيفة عدم النقص بهذا الاستناد مادامت المقعدة مستمسكة للأمن من الخروج، والانتقاض مختار الطحطاوي اختاره المصنف والقدوري؛ لأن مناط النقض الحدث لا عين النوم، فلما خفي بالنوم أدير الحكم على ما ينتهض مظنة له، ولذا لم ينقض نوم القائم والراكع والساجد، ونقض في المضطجع؛ لأن المظنة منه ما يتحقق معه الاسترخاء على الكمال وهو في المضطجع لا فيها، وقد وجد في هذا النوع من الاستناد إذ لا يمسكه إلا السند، وتمكن المقعدة مع غاية الاسترخاء لا يمنع الخروج إذ قد يكون الدافع قويًا خصوصًا في زماننا لكثرة الأكل فلا يمنعه إلا مسكة اليقظة. (فتح القدير، كتاب الطهارة / فصل في نواقض الوضوء ۱/۴۸-۴۹ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انبیاء علیہم السلام کی نیند ناقض وضو ہے یا نہیں؟

سوال (۱۳۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نیند ناقض وضو ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو بخاری کی حدیث نمبر ۱۸۳/جس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں: ''**في حديث طويل فنام رسول الله ﷺ**

صلى الله عليه وسلم حتى إذا انتصف الليل أو قبله بقليل أو بعده بقليل استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلس يمسح النوم عن وجهه بيده ثم قرأ العشر الآيات الخواتم من سورة آل عمران" سے غیر متوضی کے قرآنِ کریم کی تلاوت کے جواز پر استدلال کیوں کر درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- عام لوگوں کے لئے نوم کو ناقضِ وضو قرار دینے کی علت یہ ہے کہ استرخاء مفاصل اور دماغی غفلت کی وجہ سے خروجِ ریح کا غالب گمان پایا جاتا ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام چوں کہ بحالت نوم دماغی اور قلبی اعتبار سے ہوشیار رہتے ہیں اور خروجِ ریح ہونے یا نہ ہونے کا کامل اِدراک رکھتے ہیں، بایں وجہ اُن کی نوم اپنی ذات کے اعتبار سے ناقض وضو نہیں ہے؛ لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں کہ بحالتِ نوم اُن سے خروجِ ریح کا امکان ہی نہ ہو؛ بلکہ یہ امکان بہرحال موجود ہے۔ اور حضرت امام بخاریؒ کی جس روایت کا آپ نے سوال میں ذکر فرمایا ہے اس میں اگلی سطروں میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں: "ثم قام إلى شن معلقة فتوضأ منها فأحسن وضوءه" اِس سے یہ اِشارہ ضرور مل رہا ہے کہ بحالت نوم خروجِ ریح کا ناقض پیش آ گیا ہوگا، جس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا اہتمام فرمایا اور اسی سے اِمام بخاریؒ کا مدعا ثابت ہو جاتا ہے کہ بحالتِ حدث تلاوتِ قرآن کی گنجائش ہے۔

قال ابن بطال ومن تبعه: فيه دليل على رد من كره قراءة القرآن على غير طهارة؛ لأنه صلى الله عليه وسلم قرأه هذه الآيات بعد قيامه من النوم قبل أن يتوضأ، وتعقبه ابن المنير وغيره بأن ذلك مفرع على أن النوم في حقه ينقض وليس كذلك لأنه قال: "تنام عيناي ولا ينام قلبي" وأما كونه توضأ عقب ذلك فلعله جدد الوضوء أو أحدث بعد ذلك فتوضأ، قلت: وهو تعقيب جيد بالنسبة إلى قول ابن بطال: بعد قيامه من النوم؛ لأنه لم يتعين كونه

أحدث في النوم، لكن لما عقب ذلك بالوضوء كان ظاهرًا في كونه أحدث، ولا يلزم من كون نومه لا ينقض وضوئه أن لا يقع منه حدث وهو نائم، نعم خصوصيته أنه إن وقع شعر به بخلاف غيره. (فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الطهارة / باب قراءة القرآن بعد الحدث وغيره ۱/۳۴۵-۳۴۶، دار البيان العربي، ۲۸۸/۱ دار المعرفة بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کو پیشاب پائخانہ نکلنے کا احساس نہ ہو

سوال (۱۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص اِس طرح کا بیمار ہے کہ اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں کوئی نس کٹ گئی ہے، جس کی وجہ سے نہ خود لیٹ سکتا ہے اور دوسرے کے سہارے کے بغیر نہ کروٹ لے سکتا ہے، اور نہ بیٹھ ہی سکتا ہے، اور نہ اُس کو پیشاب پائخانہ نکل جانے کا کوئی احساس ہوتا ہے، بایں وجہ پیشاب کے لئے تو ہر وقت تھیلی اور پائخانہ کی جگہ پر کپڑے کی گدی بندھی رہتی ہے اور یہ شخص تحصیل میں سرکاری نوکری کرتا ہے؛ اِس لئے اُس کی اہلیہ روزانہ اُس کو صبح کے وقت نہلا دھلا کر کپڑے بدل کر تقریباً ۱۱-۱۲/ بجے اُس کو تحصیل کے لئے رکشا میں بیٹھا کر روانہ کردیتی ہے کہ اُس کو ایک آدمی رکشا میں بیٹھا کر چلا کر تحصیل تک پہنچا دیتا ہے اور شام کو مغرب بعد وہاں سے گھر واپس لے آتا ہے اور اُس کی اہلیہ کا یہ کہنا ہے کہ اُن کے وزن کی وجہ سے صبح ہی کو اُن کو نہلانے اور دھلانے میں میری حالت بہت بری ہوجاتی اور تھک کر پریشان ہوجاتی ہوں، اِس لئے میں اُن کا یہ کام ایک دن میں ایک وقت سے زیادہ نہیں کرسکتی ہوں، اور میں تو جب بھی اُن کے جسم کو دن میں دیکھتی ہوں تو اُن کے جسم پر گندگی ضرور لگی ہوئی ملتی ہے، تو ایسی جسم کی گندگی اور کپڑے خراب ہونے کی صورت میں پانچوں وقت کی نمازیں کس طرح اَدا کریں؟ یا گندگی لگی رہنے کی صورت ہی میں نمازیں اَدا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریرِ سوال مذکورہ شخص بلاشبہ شرعاً معذور ہے، اُس کے لئے حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے الگ وضو کرے گا، اور ایک وضو سے پورے وقت میں جتنی چاہے نمازیں پڑھ سکتا ہے، اور سبیلین سے نکلنے والی نجاست اُس کے حق میں مانع صلوٰۃ نہ ہوگی؛ البتہ اگر کوئی اور ناقض وضو پایا جائے تو حسبِ قاعدہ طہارت ضروری ہوگی۔

(کتاب النوازل ۴/۴۹۳-۴۹۴، کتاب المسائل ۱/۲۱۰)

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه أو استطلاق بطن أو انفلات ريح إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضةٍ بأن لا يجد في جميع وقتها زمنًا يتوضأ ويصلي فيه خاليًا عن الحدث ...... وحكمه: الوضوء لا غسل ثوبه ونحوه لكل فرض ...... ثم يصلي به فرضا ونفلاً فإذا خرج الوقت بطل. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الحيض ۱/۵۰٤-۵۰۵ زكريا)

مريض مجروح تحته ثياب نجسة إن كان بحال لا يبسط تحته شيء إلا تنجس من ساعته له أن يصلي على حاله، وكذا لو لم يتجنس الثاني إلا أنه يزداد مرضه له أن يصلي فيه. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الحيض ۱/۵۰۷ زكريا)

ولو كان المحل الذي أصابه ذلک الدم بحال لو غسله يتنجس قبل الفراغ من الصلاة ثانيًا جاز له أن لا يغسل هذا هو المختار للفتوى. (حلبي كبير / فصل في نواقض الوضوء ۱ مكتبة دار العلوم ديوبند، ص: ۱۳۵ المكتبة الأشرفية ديوبند، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة / ما يوجب الوضوء ۱/۲۳۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

صاحبِ عذر کے وضو کی میعاد

سوال (۱۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: شرعاً معذور شخص کسی بھی نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے وضو نہیں کرسکتا اور جس نماز کا وقت شروع ہونے پر معذور نے وضو کیا تو وقت ختم ہونے پر معذور کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، اگر معذور نے اشراق، چاشت یا عیدین کے لئے وضو کیا تو اُس وضو سے ظہر کی نماز پڑھ سکتا ہے، تو ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے معذور کا وضو کیسے معتبر ہوگیا؟ اور اشراق، چاشت، عیدین کا وضو اِن مذکورہ اَوقات کے ختم ہوتے ہی ٹوٹ گیا، اِس کی وضاحت فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مفتی بہ قول کے مطابق معذور شخص کا وضو صرف خروجِ وقت سے ٹوٹتا ہے، اور کسی نماز کے وقت کا شروع ہونا اس کے وضو کے لئے ناقض نہیں، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ ''اشراق'' سے لے کر ''ظہر'' تک کا وقت کسی نماز کے لئے خاص نہیں ہے؛ پس جو معذور شخص اِس دوران وضو کرے، تو وہ اُس وضو سے ظہر کی نماز اَدا کرسکتا ہے؛ کیوں کہ خروجِ وقت کا تحقق نہ ہوگا۔

وصاحب عذر ...... وحكمه: الوضوء ...... لكل فرض، اللام للوقت ...... فإذا خرج الوقت بطل (الدر المختار) قوله: فإذا خرج الوقت بطل، أفاد أن الوضوء إنما يبطل بخروج الوقت فقط، لا بدخوله. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور ۱/۵۰۵ زكريا، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة / باب المسح على الخفين ص: ۱۳۰ دار الكتب العلمية بيروت)

وأفاد أنه لو توضأ بعد الطلوع، ولو لعيد أو ضحى، لم يبطل إلا بخروج وقت الظهر. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور ۱/۵۰۶ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قے سے متعلق بعض احکام

سوال (۱۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) وضو میں قے کے کیا احکام ہیں؟ یعنی کون سی قے سے وضو ٹوٹے گا؟ اور کب ٹوٹے گا؟

(۲) نیز چھوٹے بچے کی قے کا کیا حکم ہے؟ اگر بچہ دودھ پیتے وقت قے کرے اور وہ ماں کے کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو اس کا دھونا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: - (۱) وضو میں قے کے متعلق احکامات درجِ ذیل ہیں: -

الف: - اگر منہ بھر کر خون یا غذا کی قے ہو تو بہر حال اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

ب: - ایک ہی دفعہ کی متلاہٹ برقرار رہتے ہوئے متعدد مرتبہ اگر تھوڑی تھوڑی قے ہوئی ہو اور وہ اتنی زیادہ ہو کہ اگر اُسے جمع کرلیا جائے تو وہ منہ بھر کر کے برابر ہو جائے تو اُس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

ج: - اور اگر خالص بلغم یا تھوک کی قے ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر بلغم کے ساتھ غذا کی آمیزش ہو تو دیکھا جائے گا کہ اس میں غلبہ کس کا ہے؟ اگر بلغم غالب ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا اور اگر غذا غالب ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

وينقضه قيء ملأ فاه من مرة أو علق أو طعام أو ماء ...... لا ينقضه قيء من بلغم على المعتمد أصلا إلا المخلوط بطعام فيعتبر الغالب ...... ويجمع متفرق القيء لاتحاد السبب وهو الغثيان عند محمد وهو الأصح (الدر المختار) قوله: ويجمع متفرق القيء أي لو قاء متفرقا بحيث لو جمع صار ملء الفم. (رد المحتار / كتاب الطهارة ۲٦۹/۱-۲٦۵ زكريا)

(۲) اگر بچے کی قے منہ بھر کر ہو اور وہ بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو اُس کو دھونا

ضروری ہوگا؛ کیوں کہ وہ نجس ہے؛ لیکن اگر معدے تک پہنچنے سے پہلے بچے کے منہ سے کچھ دودھ باہر آجائے تو وہ نجس نہیں ہے۔

وهو نجس مغلظ ولو من صبي ساعة ارتضاعه هو الصحيح لمخالطة النجاسة، ولو هو في المريء فلا نقض اتفاقًا (الدر المختار) قوله: ولو هو في المريء: محترز قوله إذا وصل إلى معدته. قال ح: المريء بفتح الميم مهموز الآخر، مجرى الطعام والشراب. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الطهارة ۲۶۶/۱ زكريا)

(۳) روزے میں قے کے احکام درج ذیل ہیں:

الف:- اگر خود بخود قے آجائے تو بہر صورت روزہ نہیں ٹوٹے گا (خواہ تھوڑی ہو یا منہ بھر کر)

ب:- اگر روزہ یاد ہونے کی حالت میں قصداً منھ بھر کر غذا یا خون وغیرہ کی قے کی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

ج:- اگر قصداً قے کی؛ لیکن وہ منہ بھر کر نہ ہوئی تو اس میں اختلاف ہے، حضرت اِمام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی روزہ ٹوٹ جائے گا؛ جب کہ اِمام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ یہی قول صحیح ہے، جب کہ اِمام محمد کا قول احوط ہے۔

د:- اور اگر ایک مجلس میں قصداً متعدد مرتبہ تھوڑی تھوڑی قے کی، تو یہ دیکھا جائے گا کہ قے کی مقدار کتنی ہے؟ اگر وہ ساری قے منہ بھر کی مقدار تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

ہ:- اگر روزے کی حالت میں قصداً منہ بھر کر بلغم کی قے کی، تو یہ دیکھا جائے گا کہ یہ بلغم دماغ سے نکلا ہے یا پھیپھڑے کی جانب سے؟ اگر دماغ کی طرف سے نکلا ہے تو یہ بالاتفاق روزے کے لئے مفسد نہیں ہے، اور اگر پھیپھڑے کی طرف سے نکلا ہے تو اس میں اختلاف ہے، طرفین کے نزدیک اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا؛ جب کہ حضرت اِمام اَبو یوسف کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا۔

وإن ذرعه القيء وخرج لا يفطر مطلقًا ملأ أو لا، فإن عاد بلا صنعه وهو ملأ الفم مع تذكره لصوم لا يفسد، وإن أعاده أو قدر حمصة منه أفطر إجماعًا إن ملأ الفم وإلا لا هو المختار، وإن استقاء أي طلب القيء عامدًا أي متذكرًا لصومه إن كان ملء الفم فسد بالإجماع مطلقًا، وإن أقل لا عند الثاني، وهو الصحيح؛ لكن ظاهر الرواية كقول محمدؒ إنه يفسد كما في الفتح عن الكافي: وهذا كله في قيء طعامٍ أو ماء ...... فإن كان بلغمًا فغير مفسد مطلقًا خلافًا للثاني واستحسنه الكمال (الدر المختار) قوله فإن كان بلغمًا: أي صاعدًا من الجوف، أما إذا كان نازلا من الرأس فلا خلاف في عدم إفساده الصوم؛ كما لا خلاف في عدم نقضه الطهارة الخ. قوله: خلافًا للثاني؛ فإنه قال: إن استقاء ملء الفم فسد، قوله واستحسنه الكمال حيث قال: وقول أبي يوسف هنا أحسن، وقولهما بعدم النقض به أحسن، لأن الفطر إنما نيط بما يدخل أو بالقيء عمدًا من غير نظر إلى طهارة ونجاسة، فلا فرق بين البلغم وغيره، بخلاف نقض الطهارة وأقره في البحر والنهر والشرنبلالية. (الدر المختار، كتاب الصوم / باب ما يفسد صوم وما لا يفسده ۳۹۲/۳-۳۹٤ زكريا، الهداية، كتاب الصوم / باب ما يوجب القضاء والكفارة ۲۳٦/۱ مكتبه بلال ديوبند)

تنبيه: لو استقاء مرارًا في مجلس ملأ فمه أفطر، لا إن كان في مجالس أو غدوة ثم نصف النهار ثم عشية، كذا في الخزانة الخ. (رد المحتار، كتاب الصوم / باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده ۳۹۳/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اِس زمانہ میں ہر شخص کے لئے استبراء ضروری ہے؟

سوال (۱۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید کا کہنا ہے کہ موجودہ دور میں عوام الناس عموماً اور کچھ حضرات ائمہ مساجد خصوصاً چھوٹے استنجے کے بعد حکم استبراء میں بڑی کوتاہی کررہے ہیں؛ حالاں کہ حسبِ تصریح فقہائے احناف استبراء واجب یا واجب سے بڑھ کر لازم ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر لوگوں کو نہ ہی استبراء کی تعریف کی کوئی خبر ہے اور نہ اُس کی حقیقت کا صحیح اِدراک ہے، بایں وجہ اُن لوگوں سے دریافت کرنے پر کبھی تو اس سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں، تو کبھی اسے محض مسنون ومستحب قرار دیتے ہیں۔ الغرض نہ اسے کوئی اہمیت دیتے ہیں اور نہ ہی اس کا اہتمام اُن حضرات سے ظاہر ہوتا ہے، جب کہ استبراء کی تاکید اور اُس پر عمل نہ کرنے والے شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھنے پر ہمارے اکابر دیوبند (کثر اللہ سوادہم) کے فتاویٰ اور تحریرات شاہد وناطق ہیں:

(۱) چناں چہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں: کہ آج کل عام طور پر ضعف مثانہ کی شکایت ہے اور پیشاب کے بعد قطرہ ضروری آتا ہے، جس کا جب جی چاہے تجربہ کرکے دیکھ لے، یعنی پیشاب کے بعد ڈھیلے سے طہارت حاصل کرکے کھڑا ہو اور قدمچہ سے نیچے پاؤں رکھے، عموماً اسی وقت قطرہ آتا ہے، اسی بناء پر غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے لئے میں کہا کرتا ہوں کہ نماز لوٹائے؛ کیوں کہ غیر مقلدین ڈھیلے سے استنجاء نہیں سکھاتے پس جب قطرہ سے پایجامہ کا رومال نجس ہوگیا، تو جب امام ہی کی نماز نہ ہوگی تو مقتدی کی کیا ہوگی۔ (تذکرۃ الرشید لعاشق الٰہی میرٹھی ۱۷۵/۱)

(۲) اور مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی قدس سرہٗ غیر مقلدین کی اقتداء میں نماز پڑھنے نہ پڑھنے کے حوالے سے جواب دیتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں کہ اُن کے بعض اعمال ایسے ہیں جو مفسد صلوٰۃ ہوتے ہیں، مثلاً: وہ لوگ ڈھیلے سے استنجاء نہیں کرتے، اور اِس زمانہ میں قطرہ کا آنا عموماً یقینی ہوگیا ہے، اِس لئے ایسے لوگوں کے پائجامے اکثر ناپاک ہوتے ہیں، بایں وجہ اُن کی امامت سے احتراز چاہئے۔ فقط (ملخصاً جواہر الفقہ ۳۲/۲)

(۳) اور مفتی اعظم ہند حضرت اقدس مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی قدس سرہ پیشاب

کے بعد صرف پانی سے طہارت حاصل کرنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں کہ جو شخص پیشاب کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء نہیں کرتا؛ بلکہ فوراً پانی سے دھولیتا ہے۔ تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا کپڑا ناپاک رہتا ہے، آج کل ڈاکٹروں اور طبیبوں کا تجربہ یہ ہے کہ عامۃً قطرہ پیشاب کے بعد ضرور آتا ہے؛ اس لئے ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۲۲۱ میرٹھ)

(۴) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ ''اِمداد الفتاویٰ'' میں حضرت اَقدس تھانوی قدس سرہٗ کے ایک جواب پر (جو کہ غیر مقلدین کی اِمامت کے متعلق ہے) بطور حاشیہ کے اِرشاد فرماتے ہیں کہ نیز اِس لئے کہ یہ حضرات (غیر مقلدین) اکثر پیشاب کرکے کلوخ نہیں لیتے اور بوجہ ضعف قوت ماسکہ کے قطرہ آجانا غالب ہے، جس کی بعض اَوقات خبر بھی نہیں ہوتی، پس چار پانچ بار میں غالب یہ ہے کہ نجاست قدر درہم سے زیادہ پائجامہ میں لگ جاتی ہوگی جو کہ مانع صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے منافی صحت اِمامت بھی ہے۔ (حاشیہ اِمداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیہ ۲/۲۴۶)

لہٰذا مذکورہ بالا تحریرات اکابر علیہ الرحمہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ پیشاب کے بعد بوجہ ضعف قوت ماسکہ قطرات کا آنا تقریباً یقینی ہے اور غیر مقلدین چوں کہ اعتقاداً استبراء کے قائل ہی نہیں؛ اِس لئے جب ان حضرات کے پیچھے نماز درست نہیں، تو اِسی طرح جو مقلد اعتقاداً تو استبراء کا قائل ہو؛ لیکن عملاً اس سے دور ہو تو اسے بھی ناپاک قرار دیتے ہوئے اُس کی اِمامت کو غیر درست قرار دینا چاہئے۔ ''لاشتراک العلۃ'' انتہیٰ کلام زید۔

اَب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) استبراء کے لئے کسی جاذب شئ مثلاً ٹیشو پیپر وغیرہ کی پابندی ضروری ہے؛ جیسا کہ اکابر کی تحریرات میں ڈھیلے کی قید سے بظاہر مترشح ہورہا ہے، یا کسی بھی طریقے سے اطمینان قلب حاصل کرلینا کافی ہوگا؟

(۲) حکم استبراء کے حوالے سے عوام یا خواص کالعوام کی لاعلمی کو سامنے رکھ کر (مثلاً

اُن سے دریافت کرنے پر جب کہ وہ استبراء کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کریں یا یہ کہیں کہ وہ محض پسندیدہ یا مسنون عمل ہے) اُن کے بارے میں کسی شخص کا یہ کہنا کہ یہ لوگ ناپاک ہیں شرعاً کیسا ہے؟

(۳) حسبِ تصریحات فقہائے حنفیہ علیہم الرحمہ استبراء لازم ہے، یعنی اطمینان قلب کا حاصل ہو جانا خواہ وہ کسی بھی طریقے سے ہو؛ لیکن فی زماننا قوت ماسکہ میں مزید ضعف پیدا ہو جانے کی وجہ سے (جیسا کہ اَکابر کی تحریرات سے بھی واضح ہو رہا ہے) ظاہر ہے کہ استبراء کے حکم میں مزید تاکید پیدا ہو گئی ہے؛ لہٰذا اَب ہر شخص کے لئے استبراء پر عمل کرنے کے لئے کیا کسی جاذب شئ کے استعمال کو لازمی قرار دیا جانا چاہئے؟

(۴) کیا استبراء کے لئے وقت کی کوئی تحدید ہے، نیز کسی شخص کو بیت الخلاء سے بہت ہی مختصر وقت میں فارغ ہو کر نکلتا ہوا دیکھ کر اُس کے تئیں استبراء کے عدمِ عمل کا تصور قائم کرتے ہوئے اُس کی طہارت کو مشکوک قرار دینا کیسا ہے؟

(۵) اگر کوئی شخص استبراء کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرے یا اُسے کوئی خاص اہمیت نہ دے؛ لیکن پیشاب کے بعد قطرات کے نہ آنے کا اقرار کرتے ہوئے اپنے کو پاک قرار دے تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی یا اُسے اِس بات کا پابند سمجھا جائے گا کہ وہ اَولاً کسی جاذب شئ کو استعمال کر کے دیکھے کہ اُسے قطرہ آتا ہے یا نہیں، اُس کے بعد اس کے فیصلے کو قابل قبول سمجھا جائے ،تو اِس طرح کی پابندی عائد کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۶) استبراء کے بارے میں عام کوتاہی کو سامنے رکھتے ہوئے کیا ہم اِس بات کے مکلّف ہیں کہ کسی بھی مسجد میں اولاً تحقیق کریں کہ وہاں کے اِمام کا استبراء کے بارے میں عمل کیا ہے؟ یا ہم بلا تحقیق نماز پڑھ سکتے ہیں؟

(۷) استبراء کے بارے میں عمومی بے احتیاطی کے پیش نظر اگر کوئی شخص اس طرح کا معمول بنالے کہ خوف کی وجہ سے بلا تحقیق جماعت سے نماز پڑھ لے؛ تاہم ہر نماز کو دہرانے کا

التزام کرے جب کہ عصر وفجر بعد نفل ہونے کا احتمال اور مغرب بعد نفل تین رکعات ہونے کا احتمال کی وجہ سے کراہت کا بھی شبہ ہے، تو اِس طرح کے معمول کا شرعاً کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- استبراء بہرحال واجب ہے، اِس کے لئے ڈھیلے یا ٹشو پیپر کا استعمال ضروری نہیں؛ بلکہ محض مستحب ہے، اگر کوئی شخص پیشاب کے بعد عضو کو اچھی طرح نچوڑ لے اور حسبِ عادت کھنکھارنے یا ایک دو قدم چلنے کے بعد قطرے سے دل اطمینان حاصل کرلے اور طہارت کے لئے صرف پانی کا استعمال کرے تو اُسے ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا اور ہمارے علم کے مطابق کوئی بھی نماز کا پابند شخص اطمینانِ قلب حاصل کئے بغیر طہارت حاصل نہیں کرتا؛ البتہ اِس میں لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں کسی کو جلدی اطمینان حاصل ہوجاتا ہے اور کسی کو قدرے تاخیر ہوتی ہے؛ لہٰذا محض جلدی فارغ ہونے کی بنا پر کسی کی طہارت میں شک کرنا اور اُس کی اِمامت سے ناگواری محسوس کرنا یا اُس کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد اپنی نماز دہرانا یہ سب وہم اور وسوسے کی باتیں ہیں، جن سے احتراز لازم ہے۔ اور آنجناب نے حضراتِ اکابر کے جو فتاویٰ نقل فرمائے ہیں اُن کا تعلق ایسے لوگوں سے ہے جو واقعۃً پیشاب کے قطرات سے بچنے کا اہتمام نہ کرتے ہوں، سب لوگوں پر اُن کا انطباق زیادتی کی بات ہوگی۔

والاستبراء واجب حتی یستقر قلبہ علی انقطاع العود، کما في الظھریۃ. قال بعضھم: یستنجي بعد ما یخطو خطوات، وقال بعضھم: یرکض برجلہ علی الأرض ویتنحنح الخ، والصحیح أن طباع الناس مختلفۃ فمتی وقع في قلبہ أنہ تم استفراغ ما في السبیل یستنجی. (الفتاویٰ الھندیۃ، کتاب الطھارۃ / الفصل الثالث في الاستنجاء ۴۹/۱ زکریا)

أما نفس الاستبراء حتی یطمئن قلبہ بزوال الرشح فھو فرض وھو المراد

بالوجوب الخ، فلا يصح له الشروع في الوضوء حتى يطمئن بزوال الرشح. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس، فروع في الاستباء ۱/۵۵۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۲/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پیشاب کا قطرہ روکنے کی خاطر پھایہ رکھنا

سوال (۱۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مشہور عالم جن سے مجھ سے گفتگو ہوئی وہ اِمام تھے، وہ کہتے تھے کہ مجھ کو بھی عرصہ تک پیشاب کا قطرہ آتا تھا، وضو سے پہلے وہ روئی کا پھایہ (بتی) رکھتے تھے، ایسی صورت میں اِمام نماز پڑھا سکتا ہے؟ نماز درست ہوگی یا نہیں؟ مجھ کو پیشاب کا قطرہ آتا ہے، میں اِمام نہیں؛ لیکن مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر پیشاب کا قطرہ روکنے کے لئے روئی کا پھایہ رکھا اور پیشاب کا اثر باہر نہیں آیا تو نماز اور اِمامت درست ہوگی، اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وإن احتشى الرجل إحليله بقطنة خوفًا من خروج البول، والحال أنه لولا ذلك القطن الذي احتشى به لكان يخرج منه البول فلا بأس به، ولا كراهة بل يستحب إن كان يريبه الشيطان، ويجب إن كان لا ينقطع مقدار ما يتوضأ ويصلي إلا به. (حلبي كبير، كتاب الطهارة / فصل في نواقض الوضوء ص: ۱۲۶ سهيل اكيڈمی لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۷/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پیشاب پاخانہ کے راستہ سے نجاست نکلنے اور بدبو آنے کا وہم

سوال (۱۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید کا گذر اللہ کے ایک بندے پر ہوا جو بڑے الحاح وزاری سے اللہ کے حضور دعائیں مانگ رہا تھا کہ جو میں نمازیں پڑھا چکا ہوں اُسے قبول کرلیں ورنہ میں ہلاک ہوجاؤں گا، اُن کو دیکھ کر مجھے رونا آگیا، اُن سے دریافت کیا کہ ایسی دعا کیوں کرتے ہیں، اُنہوں نے کہا کہ میں معذور تھا، جب اِمام مسجد نہ ہوتے تو نماز کے لئے کھڑا کردیا جاتا تھا، مجبوراً میں نماز پڑھا دیتا، اَب جیسے جیسے عمر گذر رہی ہے، تشویش میں اِضافہ ہوتا جارہا ہے، اُن کی بیماری یہ تھی کہ اُنہیں آتشزدگی کی بیماری تھی جس سے معدہ میں سوزش اور ورم رہتا تھا، جس کی وجہ سے بعض اَوقات مقعد سے بوآتی رہتی تھی، اور پیشاب کا قطرہ بھی آتا تھا، ایسی صورت میں مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اَحادیثِ شریفہ کی روشنی میں مسئلہ بتائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت پیشاب کا قطرہ نکلنے کے محض شک اور وہم کا کوئی اعتبار نہیں اور مخرج کو اچھی طرح دھودینے کے بعد اگر اُس سے کچھ بوآتی ہے تو اُس سے بھی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ البتہ اگر آپ کو واقعۃً کسی وقت کی نماز کے باطل ہونے کا یقین ہو تو حساب لگا کر اُس کی قضا کرلیں اور مقتدیوں کو مطلع کردیں اور توبہ واستغفار کریں۔

من شک في الحدث فهو علی وضوءه؛ ولو کان محدثًا فشک في الطهارة فهو علی حدثه ولا یعمل بالتحري، کذا في الخلاصة. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطهارة / آخر الفصل الخامس في نواقض الوضوء ۱۳/۱ زکریا)

ومن اقتدیٰ بإمام ثم علم أن إمامه محدث أعاد لقوله علیه السلام: من أم قومًا ثم ظهر أنه کان محدثًا أو جنبًا أعاد صلاته وأعادوا. (الهدایة، کتاب الصلاة / باب الإمامة ۱۲۷/۱ المکتبة الأشرفیة دیوبند)

کما یلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب أو فاقد

شرطٍ أو ركن وهل عليهم إعادتها إن عدلا؟ نعم! وإلا ندبت. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۲/ ۳٤٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۷/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زخم کا پیپ پانی پڑنے سے پھیل گیا

سوال (۱۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے ہاتھ میں زخم ہے اس زخم کے اندر پیپ ہے، مگر دائیں بائیں نہیں بہا، اچانک زخم پر گلاس کا پانی گرا جس سے زخم کا پیپ دائیں بائیں اتنا بہہ گیا، جو مقدار ممنوعہ کو پہنچ گیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس سے وضو ٹوٹے گا اور کپڑے یا بدن پر لگنے سے بدن اور کپڑا ناپاک ہوگا؟ جب کہ زخم کا پیپ خود نہیں بہا؛ بلکہ پانی گرنے سے بہا ہے۔

(۲) پاؤں میں زخم ہے اس پر پٹی باندھ لی ہے وضو میں مسح کر لیتے ہیں، پٹی پر، مگر جب نماز پڑھتے ہیں یا پاؤں میں حرکت ہوتی ہے تو زخم سے پیپ نکل کر پٹی کے اندر ہی رہتا ہے اور مقدار ممنوعہ تک اندر ہی بہہ جاتا ہے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کیا دوبارہ وضو کریں تو اس پٹی پر جس کے نیچے پیپ بہہ گیا ہے مسح کرنا صحیح ہوگا اور اس ناپاکی کے رہتے ہوئے نماز صحیح ہو جائے گی یا ایسی پٹی کو کھولنا اور زخم کے دائیں بائیں سے ناپاکی کو دھونا پھر پاک پٹی باندھ کر وضو اور اس پٹی پر مسح کر کے نماز پڑھنا ضروری ہوگا، ایسا کرنے میں بڑی دشواری ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) مسئولہ صورت میں جب کہ زخم کا پیپ اپنی جگہ سے تجاوز کر گیا ہے، خواہ خود بخود تجاوز کیا ہو یا گلاس کے پانی کے زور سے تجاوز ہوا ہو بہر حال وضو ٹوٹ جائے گا اور وہ پیپ اور اس سے ملا ہوا پانی سب ناپاک ہے، وہ بدن یا کپڑے کے جس حصہ پر لگے اس کا دھونا لازم ہے۔

المعاني الناقضة للوضوء ...... الدم والقيح إذا خرجا من البدن فتجاوزا إلى موضع يلحقه حكم التطهير ...... لأن خروج النجاسة مؤثر في زوال الطهارة الخ. (الهداية / كتاب الطهارة ٢٤/١ مكتبه بلال ديوبند)

ثم المراد بالخروج من السبيلين مجرد الظهور وفي غيرهما عين السيلان. (الدر المختار، كتاب الطهارة / مطلب: نواقض الوضوء ٢٦٢/١ زكريا)

ما ينقض خروجه الطهارة يكون نجسا في نفسه. (رسائل ابن عابدين / رسالة: الفوائد المخصصة بأحكام كي الحمصة ٥٥/١ سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) اگر پٹی بندھے رہنے کی حالت میں زخم سے اتنی زیادہ مقدار میں خون وغیرہ نکلا کہ زخم کی جگہ سے اِدھر اُدھر پھیل گیا، یا پٹی میں جذب ہوکر اُس کا اثر پٹی کے اُوپری حصہ پر آ گیا تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اِس حالت میں نماز پڑھنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ پٹی کو کھول کر پاک وصاف کر کے نیا وضو کرنے کے بعد ہی نماز پڑھی جائے گی۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بحث کر کے اِسی کو راجح قرار دیا ہے۔

بخلاف ما لاقى الموضع الصحيح مما ورائها فإنه سيلان إلى ما يلحقه حكم التطهير بلا ريب، فيكون ناقضًا وإن لم يسل من أطرافها ويحكم بنجاسته وإن لم تنزع تلك العصابة عن محلها إذا زاد على قدر الدرهم، ولا تجوز الصلاة معه حتى يزيله. (رسائل ابن عابدين / رسالة: الفوائد المخصصة بأحكام كي الحمصة ٦٥/١ سهيل اكيڈمى لاهور)

ولو ألقى على الجرح الرماد أو التراب فتشرب فيه أو ربط عليه رباطًا فابتل الرباط ونفذ قالوا يكون حدثًا؛ لأنه سائل. وكذا لو كان الرباط ذا طاقين فنفذ إلى أحدهما. (رد المحتار، كتاب الطهارة / مطلب: في حكم كي الحمصة ٢٦٨/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حوض کے اُوپر چھت ڈال دینے سے دہ دَردہ کے حکم میں رہے گا یا نہیں؟

سوال (۱۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں ایک حوض بنایا گیا، اس کا پورا رقبہ ۲۵۰/مربع فٹ ہے، مگر بعد میں اُس حوض پر پانی کی سطح سے ایک بالشت اُوپر چھت بنادی گئی، اُس پر لوگ لیٹتے بیٹھتے ہیں اور چاروں کنارے کی طرف وضو کرنے کے لئے جگہ خالی رکھی گئی ہے، اُس خالی جگہ کا کل رقبہ تقریباً سو فٹ ہے۔تو سوال یہ ہے کہ یہ حوض دہ دَردہ شمار ہوگا یا نہیں؟ یعنی رقبہ میں کل پانی کا رقبہ شامل ہوگا یا صرف جو حصہ وضو کے لئے کھلا ہوا ہے صرف اُسے شمار کیا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریرِ سوال چوں کہ حوض میں پانی کی سطح سے ایک بالشت اُوپر چھت بنائی گئی ہے، اِس لئے چھت کے نیچے کا حصہ اور کھلا ہوا حصہ دونوں حوض کے رقبہ میں شامل ہوں گے اور یہ حوض دہ دَردہ کہلائے گا اور ماء جاری کے حکم میں ہوگا۔

لو جمد ماء ہ فثقب إن الماء منفصلا عن الجمد جاز ؛ لأنہ کالمسقف وإن متصلاً، لا ؛ لأنہ کالقصعۃ. (الدر المختار، کتاب الطہارۃ / باب المیاہ ۳٤٤/۱ زکریا، ۱۹٤/۱ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۲/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناپاک چھینٹوں کے ساتھ گیلے چپل پہن لئے

سوال (۱۴۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پیر پر ناپاک چھینٹیں آئی ہوئی تھیں، جب یہ شخص غسل خانہ میں گیا تو پیر دھوئے بغیر اُس نے گیلے چپل پہن لئے تو یہ چپل ناپاک کہلائیں گے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر ناپاکی کا اثر چپل میں ظاہر ہوجائے تو چپل ناپاک سمجھے جائیں گے۔

مشی علی نجاسة إن ظهر عينها تنجس وإلا لا. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ٥٦٠/١ زكريا، الفتاویٰ الهندية ٤٧/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۳۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جنبی کا بالٹی میں ہاتھ ڈالنا

سوال (۱۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حالتِ جنابت میں اگر ہاتھ پر کوئی نجاست نہ لگی ہو اور بالٹی اُٹھاتے وقت وہ ہاتھ پانی میں پڑجائے یا بالٹی میں ڈبہ اندر چلا جائے اور اُس کو نکالنے کی ضرورت ہو تو جنبی کے ہاتھ ڈالنے سے وہ پانی ناپاک ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر ہاتھ پر کوئی ظاہری نجاست نہ لگی ہو تو جنبی شخص کے بالٹی میں محض ہاتھ ڈالنے سے پانی ناپاک نہ ہوگا۔ (کتاب المسائل ۹۹/۱)

المحدث أو الجنب إذا أدخل يده في الإناء للاغتراف وليس عليها نجاسة لا يفسد الماء يعني لا ينجس ولا يصير مستعملا. (غنية المتملي، كتاب الطهارة / فصل في الماء المستعمل ٣٢٤/١ مكتبة دار العلوم ديوبند، خانية على هامش الهندية، كتاب الطهارة / فصل في الماء المستعمل ١٥/١ زكريا، الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الفصل الثاني فيما لا يجوز به الوضوء ٢٢/١ زكريا جديد، ٥/١ مكتبة الاتحاد ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۵/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کنویں میں بارش سے سڑکوں کا پانی داخل ہوگیا

سوال (۱۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں مدرارس میں بارش بہت زیادہ ہورہی ہے، جس کی وجہ سے سڑک کا پانی کنووں میں داخل ہوگیا ہے، یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ صرف بارش کا پانی ہے یا گٹر وغیرہ کا ناپاک پانی بھی ہے، کنویں کے علاوہ کوئی دوسرا پانی بھی نہیں ہے، ایسی صورت میں اس پانی کا کیا حکم ہے؟ کھانے پینے اور وضوو غسل وغیرہ کے لئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں جب کہ دوسرا پانی مہیا نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر پانی میں نجاست کا اثر (بو، مزہ اور رنگ وغیرہ) غالب نہ ہو تو یہ پانی مائے جاری کے حکم میں ہوکر پاک ہے، اِس سے وضو، غسل وغیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

يجوز التوضي بالماء الجاري الخ، مالم يتغير طعمه أو لونه أو ريحه وفي النصاب: وعليه الفتوىٰ. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱/۲۹۳ رقم: ٤٥٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دھات کی بیماری سے غسل واجب نہیں

سوال (۱۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خاتون کو دھات کا مرض ہے، بار بار غسل کرنا پڑتا ہے، ایسی صورتِ حال میں وہ نماز تلاوت وغیرہ کیسے کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- دھات نکلنے سے غسل فرض نہیں ہوتا؛ بلکہ صرف

وضوٹوٹتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ خاتون کو چاہئے کہ جب دھات (لیکوریا) نکلنے کا یقین ہو تو وضو کر کے نماز اور تلاوت وغیرہ انجام دیا کریں؛ البتہ اگر یہ مرض اِس قدر شدت اختیار کر جائے کہ نماز کے پورے وقت میں فرض کی اَدائیگی کا موقع نہ ملے تو وہ خاتون معذور شمار ہوگی اور اُس کے لئے اِس عذر کی وجہ سے نماز کے وقت میں ایک وضو کافی ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۲۳-۲۲۴ ڈابھیل)

وینقضه خروج کل خارج نجس الخ من السبیلین. (الدر المختار، کتاب الطهارة / مطلب: نواقض الوضوء ۲٦۰/۱ زکریا)

وصاحب عذر من به سلس بول لا یمکنه إمساکه الخ إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضه الخ. (الدر المختار، کتاب الطهارة / باب الحیض ۵۰٤/۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

پیٹھ اور پیٹ پر پٹی بندھی ہونے کی حالت میں غسل جنابت کا حکم

سوال (۱۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ریڑھ کی ہڈی کے مرض میں مبتلا ہے، ڈاکٹر نے اُس کے لئے پیٹھ اور پیٹ پر باندھنے کے واسطے ایک پٹی تجویز کی ہے جو ایک مرتبہ باندھنے کے بعد تقریباً ۱۵/ دن مسلسل بندھی رہتی ہے، بیچ میں کھولنے کی اِجازت نہیں ہوتی۔ اَب اِس درمیان اُس شخص کو غسل جنابت کی صورت پیش آجائے تو غسل کیسے کرے گا؟ پٹی کھولنے سے تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں جن اَعضاء پر بہ آسانی پانی بہایا جاسکے اُن کو دھولیا جائے اور پٹی وغیرہ پر مسح کرلیا جائے۔

تیمم لو كان أكثره مجروحًا أو به جدري اعتبارًا للأكثر، وبعكسه يغسل الصحيح ويمسح الجريح، وكذا إن استويا غسل الصحيح ومسح الباقي منها وهو الأصح؛ لأنه أحوط فكان أولىٰ. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب التيميم ۴۲۹/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بار بار دھات نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے؟

سوال (۱۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خاتون کو دھات کا مرض ہے، بار بار غسل کرنا پڑتا ہے، ایسی صورت میں وہ نماز، تلاوت وغیرہ کیسے کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- دھات نکلنے سے غسل فرض نہیں ہوتا؛ بلکہ صرف وضو ٹوٹتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ خاتون کو چاہئے کہ جب دھات (لیکوریا) نکلنے کا یقین ہو تو وضو کر کے نماز اور تلاوت وغیرہ انجام دیا کرے؛ البتہ اگر یہ مرض اِس قدر شدت اختیار کر جائے کہ نماز کے پورے وقت میں فرض کی اَدائیگی کا موقع ہی نہ ملے تو وہ خاتون معذور شمار ہوگی، اور اُس کے لئے اِس عذر کی وجہ سے نماز کے وقت میں ایک وضو کافی ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۲۳-۲۲۴ ڈابھیل)

وينقضه خروج كل خارج نجس الخ، من السبيلين. (الدر المختار، كتاب الطهارة / مطلب: نواقض الوضوء ۲۶۰/۱ زكريا)

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه الخ، إن استوعب عذره تمام وقت صلاته مفروضة الخ. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الحيض ۵۰۴/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۱/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مردے کو چھونے سے غسل واجب ہے؟

سوال (۱۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مردہ کو ہاسپیٹل سے لاتے وقت اگر اسے کوئی چھولے یا اپنے ہاتھوں سے اُٹھائے اور مردہ عام حالت میں ہو، مطلب خون وغیرہ نہ بہہ رہا ہو، تو کیا چھونے والے پر غسل واجب ہو گا؟ اور اگر مردہ خون سے لت پت ہو تو ایسے میں کیا حکم ہے؟ مردہ کو غسل دینے والے کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مردے کو چھونے سے (خواہ خون میں لت پت ہو یا نہ ہو) نیز مردے کو نہلانے سے غسل واجب نہیں ہوتا؛ البتہ غسل دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ بعد میں غسل کرلے۔

وأما الغسل المفروض فثلاثة: الغسل من الجنابة والحيض والنفاس. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة / فصل في أحكام الغسل ۴۵/۱ زكريا، ۲۷۳/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

وقال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتًا فليغتسل ...... والأمر فيه للندب. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب أحكام الجنائز ۵۷۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۸/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خواتین کے لئے غسل کے فرائض

سوال (۱۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت کے لئے غسل کے فرائض کتنے ہیں؛ اِس لئے کہ بعض حضرات عورت کے لئے چار فرائض شمار کرتے ہیں۔ چوتھا فرض عورت کو اپنی شرم گاہ کو صاف کرنا شمار کرتے ہیں، تو کیا اُن

کا اس کو فرائض شمار کرنا صحیح ہے؟ یا فرائض جتنے مرد کے لئے ہیں اتنے ہی عورتوں کے لئے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) اور پورے بدن پر پانی بہانا۔ غسل میں یہ کل تین فرائض ہیں، جن میں مرد وعورت کا حکم یکساں ہے اور عورت کے لئے شرم گاہ کے ظاہری حصہ کا دھونا کوئی الگ فرض نہیں ہے؛ بلکہ پورے بدن پر پانی بہانے کے تحت یہ بھی داخل ہے، جیسے کان، ناف، بغل وغیرہ کا دھونا؛ لیکن چوں کہ اُن تک پانی پہنچنا دشوار ہوتا ہے، اِس وجہ سے اہتمام کے پیش نظر اُن کو مستقل ذکر کر دیا جاتا ہے۔

وفرض الغسل ...... غسل كل فمه ...... وأنفه حتى ما تحت الدرن، وباقي بدنه. (الدر المختار، كتاب الطهارة / مطلب في أبحاث الغسل ٢٨٤/١-٢٨٥ زكريا)

يفترض في الاغتسال من حيض أو جنابة أو نفاس أحد عشر شيئا وكلها ترجع لواحد هو عموم الماء ما أمكن من الجسد بلا حرج؛ ولكن عدت للتعليم. منها: غسل ...... الفرج الخارج؛ لأنه كالفم لا الداخل؛ لأنه كالحلق كما تقدم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / كتاب الطهارة ١٠٢-١٠٣ المكتبة الأشرفية)

ويجب ...... غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرج مرة ...... كفرج خارج؛ لأنه كالفم لا داخل؛ لأنه باطن، ولا تدخل إصبعها في قبلها، به يفتى. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة / مطلب في أبحاث الغسل ٢٨٥/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بریل رسم الخط والے مصحف کو بلا وضو چھونا

سوال (۱۵۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بریل رسم الخط کے مصحف کو بغیر وضوء کے چھو سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بریل رسم الخط میں لکھے گئے قرآن کو چوں کہ عرف میں قرآن ہی کہا جاتا ہے، اِس لئے بہتر یہی ہے کہ اُسے بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾. [الواقعة: ٧٩] **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۸/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

○❖○

تیمّم کے مسائل

وضواور غسل میں نیت شرط نہیں تو تیمّم کیوں شرط ہے؟

سوال (۱۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حنفیہ کے نزدیک وضو، غسل اور دیگر طہارت کے لئے نیت شرط نہیں ہے؛ لیکن تیمّم کے لئے نیت کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ تیمّم بھی طہارت کی ایک قسم ہے، تو اس میں نیت کولازم قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- فقہاء نے تیمّم میں نیت کے ضروری ہونے کی دو وجوہات لکھی ہیں: اول یہ کہ لفظ تیمّم میں خود قصد واِرادہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مٹی اپنی ذات کے اعتبار سے مطہر نہیں ہے؛ بلکہ بوقتِ ضرورت حسبِ شرائط اسے مطہر قرار دیا گیا ہے، اِس لئے اِس میں نیت کولازم قرار دینا مناسب ہے۔

وهكذا نقول في التيمم إنه ليس بعبادة أيضًا إلا أنه إذا لم تتصل به النية لا يجوز أداء الصلاة به لا لأنه عبادة؛ بل لانعدام حصول الطهارة؛ لأنه طهارة ضرورية جعلت طهارة عند مباشرة فعل لا صحة له بدون الطهارة، فإذا عرى عن النية لم يقع طهارة بخلاف الوضوء؛ لأنه طهارة حقيقية فلا يقف على النية. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة / سنن الوضوء ١٠٧/١ زكريا)

فالنية في الوضوء سنة عندنا – إلىٰ قوله – بخلاف التيمم؛ لأن التراب غير مطهر إلا في حال إرادة الصلاة؛ لأن التراب لم يعتبر شرعًا مطهرًا إلا

للصلاة لا في نفسهٖ فكانت التطهير به تعبدًا محضًا وفيه يحتاج إلى النية أو هو أي التيمم ينبئ لغة عن القصد فلا يتحقق دونه بخلاف الوضوء. (فتح القدير / كتاب الطهارة ۱/۳۳-۳٤ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۶/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پانی قریب ہوتے ہوئے چور کے ڈر سے تیمّم کرنا

سوال (۱۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر پانی تھوڑی دوری پر ہو اور وہاں رات کے وقت جانے میں چور کا اندیشہ ہو، تو کیا تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں پانی لانے میں مال ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے وقت میں تیمّم کرنے کی گنجائش ہے۔

من عجز عن استعمال الماء لبعده أو خوف عدو كحية أو نار على نفسه ولو من فاسق أو حبس غريم أو ماله ولو أمانة (الدر المختار) قوله: أو ماله، ولم أر من قدر المال بمقدار، وسنذكر عن التاترخانية ما يفيد تقديره بدرهم كما يجوز له قطع الصلاة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة / باب التيمم ۱/۳۹۵-۳۹۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۷/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نائم متیمم کے پانی کے پاس سے گذرنے پر بطلان تیمّم کا مطلب

سوال (۱۵۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: الھدایۃ کی ایک عبارت ہے ”و خائف السبع والعدو والعطش، عاجز حكمًا والنائم عند أبي حنيفة – رحمه الله تعالىٰ – قادر تقديرًا، حتى لو مر النائم المتيمم على الماء بطل تيممه عنده، والمراد: ما يكفي للوضوء؛ لأنه لا معتبر بما دونه ابتداء فكذا انتهاءً ا“.

ہدایہ میں اِس مسئلے کے متعلق اِمام صاحبؒ کے نزدیک یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر ایک شخص تیمّم سے سوتا رہا اور پانی اُس کے پاس سے گذرا یا وہ پانی کے پاس سے نیند میں گذرا دراں حالیکہ وہ پانی کے استعمال پر قدرت رکھتا ہو تو اِس صورت میں اُس کا تیمّم باطل ہو جائے گا۔

اَب سوال یہ ہے کہ نیند سے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے تو تیمّم بھی ٹوٹ جانا چاہئے جب سونے کی صورت میں تیمّم باطل ہو گیا اور پھر پانی اس پر سے یا وہ پانی پر سے گذرا تو تیمّم کو اس صورت میں باطل کہا جارہا ہے؛ حالاں کہ تیمّم کو پہلے سونے کی وجہ سے ٹوٹ جائے گا، تو پھر نیند میں پانی کے گذرنے پر تیمّم کے باطل ہونے کا حکم کیوں دیا گیا؟ کیا سونے سے تیمّم باطل نہیں ہوتا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئلہ مذکورہ کے بارے میں ہدایہ کی عبارت مجمل ہے، جس کی بنا پر آپ کو اشکال ہو رہا ہے، اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول میں جس نوم کو ناقض تیمّم قرار دیا جارہا ہے وہ مطلق نوم نہیں ہے؛ بلکہ وہ ”نوم متمکن“ ہے جو فی ذاتہ ناقض وضو نہیں ہے جس کو اردو میں اونگھنے سے تعبیر کرتے ہیں، اس طرح کی نیند گو کہ وضو کے لئے ناقض نہیں؛ لیکن اگر متیمم شخص ایسی نوم کی حالت میں پانی کے پاس سے گذر جائے تو امام صاحب کے ایک قول کے مطابق اس کا تیمّم باطل ہو جائے گا، اس کی وضاحت شروحات اور دیگر کتب فقہ میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیں:

قوله والنائم: أي على غير صفة توجب النقض كالنائم ماشيًا أو راكبًا إذا مر على ماء مقدور الاستعمال انتقض تيممه عند أبي حنيفةؒ خلافًا لهما.

(فتح القدير، كتاب الطهارة / باب التيمم ١٣/٤ دار الفكر بيروت)

واعلم أن مرور الناعس على الماء ينقض تيممه سواءٌ كان عن حدث أو عن جنابةٍ، متمكنًا أو لا، ومرور النائم مثله لكن لو كان غير متمكن مقعدته وكان تيممه عن حدث يكون الناقض النوم لا المرور، كما يعلم من البحر وبه يعلم ما في كلام الشارح فكان الصواب أن يقول: ومرور ناعس مطلقًا أو نائم متيمم عن جنابة أو عن حدث وكان متمكنًا. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب التيمم ٤٢٩/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ڈائلیسس والے مریض کا تیمّم کرنا اور نماز پڑھانا

سوال (۱۵۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی گردے کا مریض ہے، ہر دو تین روز کے بعد اُس کا ڈائلسس ہوتا ہے، اِس کے لئے ڈاکٹروں نے اُس کی گردن کی نس میں ایک آلہ لگا رکھا ہے جس میں پانی لگنا سخت خطرناک ہے، اَب اُسے غسل کی حاجت پیش آگئی، اِس حالت میں اُس کے لئے سر سے پانی ڈالنا گویا کہ موت کو دعوت دینا ہے تو کیا وہ تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے یا اور کوئی شکل ہے؟ نیز اُس کے ہاتھ میں بھی ڈرپ ڈالنے کا آلہ لگا ہوا ہے، اُس پر بھی پانی بہانا مضر ہے، نیز ایسا شخص تیمّم کرکے مسجد میں نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں مذکورہ شخص کے لئے رفع جنابت کی نیت سے تیمّم کرنا درست ہے اور اُس کی اِمامت بھی جائز ہے۔

إذا كان عامة بدن الجنب جريحًا وشيء منه صحيحًا أو عامة أعضاء

المحدث جريحًا وشيء منه صحيحًا؛ فإنه يتيمم ولا يستعمل الماء فيما كان صحيحًا ...... ويمسح على الجراحة إن أمكنه أو فوق الخرقة إن كان المسح يضره ولا يتيمم ...... إذا كان برأسه ووجهه ويديه جراحة والرجل صحيح؛ فإنه يتيمم سواء كان الأكثر من الأعضاء المجروحة جريحًا أو الأقل ...... وإن عجز عن التيمم في الأكثر أو النصف سقط التيمم ويصلي إذا صح. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة / الفصل الخامس في التيمم ۳۸۰/۱ رقم: ۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳ زكريا)

وصح اقتداء متوضئ ...... بمتيمم. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۵۸۸/۱ كراچی، ۵۵۰/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آنکھوں کے آپریشن کی بنا پر تیمّم

سوال (۱۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خالد نے اپنی آنکھوں کا آپریشن کرایا ہے، ڈاکٹر نے چہرے پر پانی استعمال کرنے سے منع کیا ہے تو سوال یہ ہے کہ خالد نماز، قرآن وغیرہ کے لئے تیمّم کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر خالد کو چہرے کے علاوہ دیگر اَعضاء کو دھونے میں کوئی پریشانی نہیں ہے تو اُس کے لئے تیمّم درست نہ ہوگا؛ بلکہ اُسے چاہئے کہ ہاتھ اور پیروں کو دھوئے اور سر اور چہرے پر مسح کرلے، اور اگر چہرے پر مسح سے نقصان کا اندیشہ ہو تو اُسے چھوڑ دے، اِس کے بغیر بھی اُس کا وضو درست ہوجائے گا۔

رجل به رمد فداواه وأمر أن لا يغسل فهو كالجبيرة. (رد المحتار، كتاب الطهارة / مطلب في لفظ كل إذا دخلت على منكر أو معرف ۴۷۲/۱ زكريا)

ویترک المسح کالغسل إن ضر وإلا لا. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الطهارة / باب المسح علی الخفین ۱/ ٤٧٠ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۷/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وقت نکلنے کے خطرہ سے جلدی جلدی تیمّم کرکے نماز پڑھ لی

سوال (۱۵٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم لوگ بلند شہر کے حالیہ تبلیغی اجتماع میں گئے تھے، وہاں شام کے وقت پانی بالکل ختم ہو گیا، مغرب کی نماز کا وقت نکلا جا رہا تھا اور تلاش کے باوجود ہمیں قریب میں پانی نظر نہیں آیا تو ساتھیوں کے کہنے پر ہم نے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی، صبح کو پتہ چلا کہ قریبی بستی؛ بلکہ اجتماع گاہ کے دیگر حصوں میں پانی موجود تھا تو ایسی صورت میں ہماری تیمّم سے پڑھی گئی نماز اَدا ہوئی یا نہیں؟ قرآن واَحادیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں جن لوگوں نے مذکورہ اجتماع میں پانی دستیاب نہ ہونے کی بنا پر مغرب کی نماز تیمّم کرکے اَدا کی ہے انہیں احتیاطاً وہ نماز دہرا لینی چاہئے؛ اِس لئے کہ تیمّم کے جواز کی شرائط پائے جانے میں شبہ پیدا ہوگیا ہے؛ کیوں کہ جب اجتماع گاہ کے قریب آبادیاں موجود ہیں تو وہاں جاکر پانی تلاش کئے بغیر پانی کے مفقود ہونے کے خطرے کے باوجود پانی کی طلب کو ضروری قرار دیا ہے اور حسبِ تحریر سوال میں اِس حکم کا خیال نہیں رکھا گیا؛ بلکہ جلد بازی میں وقت نکلنے کے اندیشہ سے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی گئی، اس لئے نماز کو دہرانا چاہئے تاکہ یقینی طور پر فرض ذمہ سے ساقط ہوجائے۔

من عجز عن استعمال الماء لبعده میلا تیمم (تنویر الأبصار) قوله: لبعده: قید بالبعد؛ لأنه عند عدمه لا یتیمم وإن خاف خروج الوقت في صلاة

لها خلف خلافًا لزفر، وسيذكر الشارح أن الأحوط أن يتيمم ويصلي ثم يعيد.

(رد المحتار، كتاب الطهارة / باب التيمم ۱/۴۰۱-۴۹۵ زكريا)

وروي عن محمد أنه يبلغ به ميلاً فإن طلب أقل من ذلک لم يجز التيمم وإن خاف فوت الوقت وهو رواية عن أبي حنيفة والأصح أنه يطلب قدر ما لا يضر بنفسه ورفقته بالانتظار وكذلک إذا كان بقرب من العمران يجب عليه الطلب، حتى لو تيمم وصلى ثم ظهر الماء لم تجز صلاته؛ لأن العمران لا يخلو عن الماء ظاهرًا وغالباً، والظاهر ملحق بالمتيقن في الأحكام، ولو كان بحضرته رجل يسأله عن قرب الماء فلم يسأله حتى تيمم وصلى ثم سأله فإن لم يخبره بقرب الماء فصلاته ماضية وإن أخبره بقرب الماء توضأ وأعاد الصلاة؛ لأنه تبين أن الماء بقرب منه ولو سأله لأخبره، فلم يوجد الشرط وهو عدم الماء.

(بدائع الصنائع، شرائط ركن التيمم / كتاب الطهارة ۱/۱۶۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک پیر میں پٹی مسح کرنے اور دوسرے پیر میں خفین پر مسح کرنے کا حکم

سوال (۱۵۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی کے پیر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے پٹی بندھی ہوئی ہے جس کی بنا پر وہ مسح کرتے ہیں اور دوسرے پیر میں اُنہوں نے خف پہن لیا، اُس پر مسح کر لیتے ہیں، تو اُن کا اِس طرح وضو کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں ایک پیر میں پٹی کے اوپر مسح

کرنے اور دوسرے پیر میں موزے پر مسح کرنے سے وضو درست نہ ہوگا؛ کیوں کہ بہ یک وقت ایک عضو پر غسل (دھونے) اور مسح کے احکام جاری نہیں کیے جاسکتے اور پٹی پر مسح کرنا اُس کے دھونے کے قائم مقام ہے جب کہ خف پر مسح کرنا ایک مستقل حکم ہے، اَب وضو درست ہونے کی شکل یہ ہے کہ پٹی والے پیر پر مسح کرکے دوسرے پیر کو باقاعدہ دھویا جائے اِس کے بغیر وضو صحیح نہ ہوگا۔

ویجمع مسح جبیرة رجل معه أي مع غسل الأخریٰ لا مسح خفها بل خفیه (الدر المختار) **قوله: لا مسح خفها أی لایجمع مسح جبیرة رجل مع مسح خف الأخریٰ الصحیحة؛ لأن مسح الجبیرة حیث کان کالغسل یلزم منه الجمع بین الغسل والمسح ...... لکن لو لم یقدر علی مسح الجبیرة له المسح علی خف الصحیحة.** (رد المحتار، کتاب الطهارة / باب المسح علی الخفین ۴۷۰/۱ زکریا)

وینقضه (أي المسح) أیضًا نزع الخف لسرایة الحدث إلی القدم حیث زال المانع، وکذا نزع أحدهما لتعذر الجمع بین الغسل والمسح في وظیفة واحدة. (الهدایة / باب المسح علی الخفین ۵۸/۱، تبیین الحقائق علی کنز الدقائق، کتاب الطهارة / باب المسح علی الخفین ۱۴۸/۱ دار الکتب العلمیة بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۷/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زخم ٹھیک ہوئے بغیر پٹی کھل گئی

سوال (۱۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کو جنابت لاحق ہوئی، اس کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس نے ہاتھ پر مسح کیا اور بقیہ حصۂ بدن پر پانی بہایا، غسل کرنے کے بعد اس کی پٹی کھل گئی، جب کہ ابھی زخم باقی ہے، سوکھا نہیں ہے، تو کیا اسے پٹی کی جگہ پر پانی بہانا ضروری ہوگا؟ یا پہلا مسح کافی ہو چکا ہے؟ اور اگر اِس صورت میں زخم ٹھیک ہوکر پٹی کھلی ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر زخم باقی ہونے کی حالت میں پٹی کھلی ہے تو مذکورہ صورت میں غسل صحیح ہوچکا ہے اور پٹی کی جگہ پر دوبارہ مسح یا غسل (دھونے) کی کوئی ضرورت نہیں؛ لیکن اگر زخم سوکھنے اور شفا ہونے کے بعد پٹی کھلی ہے تو اَب اُس جگہ کو دھونا لازم ہوگا، اِس کے بغیر غسل تام نہ ہوگا۔

ولا يبطل المسح بسقوطها قبل البرء لقيام العذر والجنابة والحدث سواء فيها، قوله: بسقوطها قبل البرء ولو في الصلاة ...... وإذا وجد البرء ولم تسقط: ذكر الكرابيسي أن المسح يبطل. قال في النهر: وينبغي أن يقيد بما إذا لم يضره إزالة الجبيرة، أما إذا ضره لشدة لصوقها فلا، وإذا سقطت عن برء في الصلاة قبل القعود قدر التشهد أفسدت، وبعده تكون من الإثني عشرية. (طحطاوي على المراقي: ١٣٦،١٣٧، فصل في الجبيرة و نحوها/ قبيل باب الحيض والنفاس زكريا ديوبند)

وإذا سقطت الجبائر لا عن برء لا يلزمه الغسل أصلا وإن سقطت عن برء يجب غسل ذلک الموضع خاصةً. (المحيط البرهاني، كتاب الطهارة / الفصل السادس في المسح على الخفين ٣٦١/١ المجلس العلمي)

والمسح يبطله سقوطها أي الجبيرة أو الخرقة وكذا سقوط الدواء عن برء وإلا لا، أي بأن سقطت لا عن برء. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المسح على الخفين ٤٧٢/١ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ٤٢٦/١) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱؍۷؍۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

○❖○

حیض ونفاس کے مسائل

حیض کی ابتداء کب سے ہوئی اور اُس پر عورت کو کیا اَجر ملتا ہے؟

سوال (۱۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت کو حیض آنے کی وجہ سے کچھ اجر وثواب ملے گا یا نہیں؟ اور حیض آنے کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ یعنی حیض کیوں آتا ہے؟ جواب مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحم مادر میں انسان کی تخلیق کے لئے خواتین میں حیض کا نظام جاری فرمایا ہے، یہ وہ فاضل خون ہے جو استقرارِ حمل کے بعد جنین کی نشو ونما میں استعمال ہوتا ہے اور جب حمل نہ ہو تو یہ خون ماہواری کی شکل میں باہر نکال دیا جاتا ہے؛ گویا کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقرر کردہ تخلیق انسانی کے دستور کا ایک اہم جزو ہے اور صحیح روایت کے مطابق یہ سلسلہ خاتونِ اول حضرت حوا علیہا السلام کے دنیا میں نزول کے وقت سے ہی جاری ہے، پس جو عورت اسے اپنے لئے مقدر سمجھ کر اس پر بخوشی راضی رہے تو اسے تسلیم ورضا کا ثواب ملے گا؛ لیکن چوں کہ ایام حیض میں نماز اور تلاوت وغیرہ اعمال اس کے لئے ممنوع ہیں، اس لئے مجموعی اعتبار سے اگر اعمال کی تعداد کا حساب لگایا جائے تو مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے اعمال کے تعداد کم ہو جائے گی، اسی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی اعتبار سے عورتوں میں نقص کی بات ارشاد فرمائی ہے، بہر حال خواتین کو اپنے لئے اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہئے اور احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: حدثنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهو الصادق المصدوق، قال: إن أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يومًا ثم يكون

علقة مثل ذلک، ثم يكون مضغة مثل ذلک، ثم يبعث الله إليه ملكًا بأربع كلمات.
(صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء / باب خلق آدم صلوات الله عليه وذريته رقم: ٣٣٣٢)

باب كيف كان بدء الحيض: وقول النبي صلى الله عليه وسلم: هذا شيء كتبه الله على بنات آدم، وقال بعضهم: كان أول ما أرسل الحيض على بني اسرائيل، وحديث النبي صلى الله عليه وسلم أكثر. (صحيح البخاري، كتاب الحيض / باب كيف كان بدء الحيض رقم: ٢٩٤)

قال الحافظ بن حجر بحثًا: وروى الحاكم وابن المنذر بإسناد صحيح عن ابن عباس أن ابتداء الحيض كان على حواء بعد أن اهبطت من الجنة، وإذا كان كذلک فبنات آدم بناتها، والله أعلم. (فتح الباري، كتاب الحيض / باب كيف كان بدء الحيض ٤٠٠/١ دار المعرفة بيروت)

وفي الحديث الطويل: ...... ما رأيت من ناقصات عقل ودين أذهب للب الرجل الحازم من إحداكن، قلن: وما نقصان ديننا وعقلنا يا رسول الله؟ قال: أليس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل؟ قلن: بلى! قال: فذلک من نقصان عقلها، أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم؟ قلن: بلى! فذلک من نقصان دينها. (صحيح البخاري، كتاب الحيض / باب ترك الحائض الصوم رقم: ٣٠٤)

قال الحافظ: الحائض لا تأثم بترک الصلاة زمن الحيض؛ لكنها ناقصة عن المصلي، وهل تثاب على هذا الترک لكونها مكلفة به كما يثاب المريض على النوافل التي كان يعملها في صحته وشغل بالمرض عنها؟ قال النووي: الظاهر أنها لا تثاب، والفرق بينها وبين المريض أنه كان يفعلها بنية الدوام عليها مع أهليته، والحائض ليس كذلک، وعندي في كون هذا الفرق مستلزمًا لكونها لا تثاب وقفة. (فتح الباري، كتاب الحيض / باب تقضي الحائض أي تؤد المناسك كلها إلا الطواف بالبيت ٤٠٧/١ دار المعرفة بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۱/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ حیض میں ذکر واَذکار

سوال (۱۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حالتِ حیض میں عورتیں اَذکار کرسکتی ہیں یا مجلس اذکار میں جاسکتی ہیں؟ کیا عورتیں حالتِ حیض میں آیتِ کریمہ کا ختم کرسکتی ہیں، اوراگر کسی عورت نے حالتِ حیض میں آیتِ کریمہ یا کسی اوراذکار میں شرکت کی یا پڑھ لیا، تو اس کی آیتِ کریمہ کی تعداد مکمل ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - حیض کی حالت میں عورتوں کے لئے ذکر واذکار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اِسی طرح قرآنِ پاک کی کسی آیت کوبطور ذکر ودعا پڑھنا بھی اُن کے لئے جائز ہے۔

وأما قراءة القرآن قالوا: إن القرآن يخرج عن كونه قرآنًا بالقصد فجوزوا للجنب والحائض قراءة ما فيه من الأذكار بقصد الذكر والأدعية بقصد الدعاء. (الأشباه والنظائر / القاعدة الأولىٰ: لا ثواب إلا بالنية ص: ۹۷ المكتبة الأشرفية ديوبند)

إنما يجوز التلاوة للجنب وأختيه بقصد التبرك لا بقصد التلاوة. (نور الأنوار ١٤٤/١ المكتبة المدنية)

ولو أنه قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء أو شيئًا من الآيات التي فيها معنى الدعاء ولم يرد به القراءة فلا بأس به. (البحر الرائق، كتاب الطهارة / باب الحيض ٣٤٦/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خواتین حالتِ حیض میں کیا کیا پڑھ سکتی ہیں؟

سوال (۱۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم خواتین حالتِ حیض میں ذکر سے متعلق کیا کیا اَذکار کرسکتی ہیں؟ اورقرآنِ کریم کے

علاوہ کون کون سی کتابیں چھو سکتے ہیں؟ حدیث کی روشنی میں مشورہ سے نوازیں، اِس مضمون سے متعلق کوئی کتاب ہوتو اُس کا نام بتائیے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حالتِ حیض میں قرآنِ کریم کی آیات کے علاوہ دیگر اَذکار مثلاً: دعائیں، استغفار، درود شریف وغیرہ سب پڑھ سکتی ہیں، نیز ذکر ودعا کی نیت سے قرآنِ کریم کی دعاؤں والی آیات بھی پڑھ سکتی ہیں، اور خواتین کے متعلق اِس طرح کے مسائل فقہ وحدیث کی بہت سی کتابوں میں تحریر ہیں۔ (کتاب المسائل ۱/۲۲۲)

ولا بأس لحائض وجنب بقراء ة أدعية ومسها وحملها وذكر اللّٰه تعالىٰ وتسبيح. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الحيض ۱/٤۸۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

حمل ساقط ہونے کے بعد پیلے رنگ کا خون آنا

سوال (۱۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کا ۲۸/دن کا حمل ساقط ہوگیا، تین دن خون آیا، پھر ایک دن انقطاع رہا، اُس کے بعد ۳۰/دن مسلسل پیلے رنگ کا دھبہ آتا رہا، پھر ڈاکٹرنی کو دکھایا، اس نے دوائی دی جس کے بعد باقاعدہ خون آنے لگا اور ۵۰/دن ہوگئے ہیں، مسلسل خون جاری ہے، تو اس عورت کے لئے نماز اور روزہ وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں ۲۸/دن کے حمل کے ساقط ہونے کے بعد جو خون آیا ہے، وہ نفاس کا خون نہیں؛ بلکہ حیض کا خون ہے۔ اور چوں کہ حسبِ تحریر سوال مسلسل جاری ہے اگر چہ پیلے رنگ کی شکل میں ہو، اِس لئے اُس عورت کے لئے حکم یہ

ہے کہ اگر اُسے حمل سے پہلے کی عادت یاد ہے کہ کتنے دن حیض آتا تھا تو اتنے دن حیض شمار کر کے بقیہ ایام استحاضہ کے سمجھے جائیں گے۔ ایام حیض میں نماز، روزہ ترک کرے گی اور ایامِ استحاضہ میں ہر نماز کے وقت کے لئے الگ وضو کر کے نماز پڑھے گی اور حسبِ سہولت روزہ رکھے گی، پھر اگر خون جاری رہے تو اگلے مہینوں میں بھی اُسی حساب سے ایام حیض اور ایام استحاضہ شمار کرتی رہے گی۔ اور اگر اُس کو پرانی عادت یاد نہ ہو تو دس دن ایامِ حیض اور بقیہ استحاضہ شمار ہوں گے اور ہر مہینہ یہی حساب ہوگا؛ تا آں کہ خون منقطع ہو جائے۔

والمرئي حيض إن دام ثلاثًا وتقدمه طهر تام وإلا استحاضة (الدر المختار) وفي الشامي قوله: والمرئي أي الدم المرئي مع السقط الذي لم يظهر من خلقه شيء. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الحيض، مطلب في أحوال السقط وأحكامه ۱/۵۰۱ زكريا)

وإن جاوز العشرة ففي المبتدأة حيضها عشرة أيام. وفي المعتادة معروفتها في الحيض حيض والطهر طهر. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الفصل الثاني في النفاس ۱/۳۷ زكريا)

الأحكام التي يشترك فيها الحيض والنفاس ثمانية: منها أن يسقط عن الحائض والنفساء الصلاة فلا تقضي ...... ومنها: أن يحرم عليهما الصوم فتقضيانه ...... ودم الاستحاضة كالرعاف الدائم لا يمنع الصلاة ...... يتوضؤون لوقت كل صلاة و يصلون بذلك الوضوء في الوقت ماشاؤوا من الفرائض والنوافل. هكذا في البحر الرائق. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة ۱/۳۸-۴۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱/۱۴۳۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ حمل میں جاری ہونے والی رطوبت کا حکم

سوال (۱۶۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: جو عورت حمل سے ہے اور اسے حمل کے آخری ایام یعنی نواں مہینہ جاری ہو اور ڈلیوری سے پہلے پہلے اسے سفید پانی جاری ہو جائے اور عورت کو سفید پانی ڈلیوری سے پہلے جاری ہو جاتا ہے، کسی عورت کو تین دن پہلے کسی کو آٹھ دن پہلے وغیرہ وغیرہ۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ عالمہ آپائیں یہ کہتی ہیں کہ جب ڈلیوری سے پہلے سفید پانی جاری ہو جائے تو عورت ناپاکی کے ایام میں آجاتی ہے، یعنی جس طرح ایام حیض میں عورت نماز نہیں پڑھ سکتی، اسی طرح وہ ڈلیوری سے پہلے جب سفید پانی جاری ہو جائے تو وہ ڈلیوری تک بلکہ ختم دم نفاس تک نماز وغیرہ ادا نہیں کرسکتی ہے، تو کیا ان عالمہ آپاؤں کا اس طرح کہنا درست ہے؟ براہِ کرم رہنمائی فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حالتِ حمل میں جو رطوبت خارج ہوتی ہے وہ حیض نہیں؛ بلکہ بیماری کی رطوبت ہے، اِس درمیان میں نماز نہیں چھوڑی جائے گی اور ہر وقت کے لئے نیا وضو کر کے نماز پڑھے گی اور سوال میں مذکورہ آپاؤ کی بات شرعاً درست نہیں ہے۔

وما تراہ حامل استحاضۃ. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الطھارۃ / باب الحیض ۱/۴۷۷ زکریا)

وحکمہ الوضوء الخ، لکل فرضٍ الخ. (الدر المختار، کتاب الطھارۃ / باب الحیض ۱/۵۰۵ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

عادت کے خلاف ۳؍ مہینے سے پہلے خون ظاہر ہوا

سوال (۱۶۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کو ۳؍ مہینے گذرنے پر کچھ خون دکھائی دیتا تھا، اس مرتبہ ۳؍ مہینے سے کم پر ہی خون دکھائی دیا، تو اُس عورت کے لئے نماز روزہ کی کیا ترتیب ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر یہ خون ۳۰؍دن سے زیادہ جاری رہا تو وہ حیض شمار ہوگا اور اِس دوران وہ نماز روزہ ترک کرے گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ اُس کی سابقہ عادت بدل گئی ہے۔

وأقل الطهر بين الحيضتين أو النفاس والحيض خمسة عشر يومًا ولياليها إجماعًا، ولا حد لأكثره وإن استغرق العمر. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الحيض ۴۷۷/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴؍۱۱؍۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ حمل میں جاری ہونے والے خون کا حکم

سوال (۱۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حاملہ عورت کی شرم گاہ سے خون جاری ہے؛ جب کہ ولادت بالکل قریب ہے، یہ خون نفاس کا کہلائے گا یا بیماری کا؟ وہ اس حال میں نماز پڑھے یا نہ پڑھے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - بحالتِ حمل جاری ہونے والا خون نفاس کا نہیں؛ بلکہ استحاضہ کا ہوتا ہے؛ لہٰذا اِس حالت میں نماز وغیرہ ممنوع نہیں ہے۔ بریں بنا ہر وقت کے لئے وضو کر کے جیسے بھی ہوسکے نماز پڑھتی رہے اور قضا نہ کرے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲۳۴/۱)

وما تراه حامل استحاضة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الحيض ۴۷۷/۱ زكريا)

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه – إلىٰ قوله – أو استحاضة. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الحيض ۵۰۴/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸؍۱۱؍۱۴۳۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتابُ الصلوٰۃ

اَوقاتِ نماز

طلوع آفتاب کے وقت ذکر ودعا کرنا

سوال (۱۶۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں فجر کی نماز کے بعد گٹھلیوں پر آیت کریمہ پڑھنے کے بعد اِمام صاحب دعا کراتے ہیں، اور دعا کراتے وقت طلوع آفتاب کا وقت ہوجاتا ہے، کیا اس وقت دعا کرنا صحیح ہے، کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- طلوع آفتاب کے وقت ذکر ودعا کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے؛ اس وقت میں صرف نماز پڑھنا منع ہے۔

وفي البغية: الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم في الأوقات التي تكره فيها الصلاة والدعاء والتسبيح أفضل من قراءة القرآن الخ. (البحر الرائق / كتاب الصلاة ٤٣٧/١ زكريا، ٢٥١/١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا انٹرنیٹ پر موجود اَوقاتِ نماز معتبر ہیں؟

سوال (۱۶۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حیدرآباد سے شائع ہونے والی قدیم جنتری ''اَوقاتِ پنج گانہ'' میں درج شدہ اوقاتِ

نماز اور اب جدید ذرائع انٹرنیٹ وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے بنائے گئے اوقاتِ صلوٰۃ کے ایپ وجنتریوں (جن میں بعض جنتریاں وایپ علماء کرام کی نگرانی میں تیار ہوئے ہیں، مثلاً ''کشکول ایپ'' اور ''دینیات'' ممبئ والوں کی طرف سے ''اَوقاتِ صلوٰۃ'' وغیرہ) کے درمیان کافی تفاوت پایا جاتا ہے، خاص طور پر غروبِ آفتاب وطلوعِ آفتاب اور ابتدائے فجر واِنتہاء میں مثلاً: (۱) آج ۲۲/دسمبر کونرمل تلنگانہ میں قدیم جنتری کے مطابق غروب ۵:۵۴ پر ہے، جب کہ جدید جنتریوں کے مطابق ۵:۴۴ پر ہے۔ (دس منٹ کا فرق)

(۲) قدیم جنتری کے مطابق طلوع ۶:۳۶ پر ہے جب کہ جنتری کے مطابق ۶:۴۵ پر ہے۔ (نومنٹ کا فرق)

(۳) قدیم جنتری کے مطابق ابتدائے فجر ۵:۳۷ پر ہے، جب کہ جدید جنتر کے مطابق ۵:۲۷ پر ہے (دس منٹ کا فرق)

(۴) قدیم جنتری کے مطابق سحر وتہجد کی انتہاء ابتدائے فجر سے ۲۲/منٹ قبل ہوتی ہے؛ جیسا کہ مذکورہ جنتری میں یہ عبارت درج ہے ''نماز تہجد وسحر کے وقت کی انتہائی ابتدائے وقت فجر سے ۲۲/منٹ قبل ہوتی ہے'' جب کہ جدید جنتریوں میں انتہائے سحر کے ساتھ فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا از روئے شرع انتہائے سحر وابتدائے فجر کے درمیان واقعۃً کچھ فصل ہے یا احتیاطاً یہ ۲۲/منٹ ہیں، اگر یہ احتیاطاً تو بہت زیادہ احتیاط معلوم ہوتی ہے اور اگر واقعۃً ۲۲/منٹ کا فصل ہے تو اِن ۲۲/منٹ میں بندہ نہ سحر کرسکتا ہے اور نہ ہی فجر کی نماز اَدا کرسکتا ہے۔ اِسی طرح قدیم وجدید جنتریوں کے درمیان طلوع وغروب میں بھی کافی فرق پایا جاتا ہے، جیسا کہ اُوپر ظاہر کیا گیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر جدید ذرائع انٹرنیت وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے جنتری ترتیب دی جائے اور غروب میں احتیاطاً ۲-۳ منٹ کی تاخیر کرلی جائے اور سحر میں میں احتیاطاً

۵/منٹ کی تعجیل کرلی جائے تو کیا قباحت ہے؟ جب کہ نئی نسل قدیم جنتری اور انٹرنیٹ سے اخذ کردہ اَوقات کے درمیان اتنا فرق دیکھ کر اُلجھن کا شکار ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- موجودہ دور میں انٹرنیٹ وغیرہ پر نماز کے اَوقات کے سلسلے میں جو تفصیلات جاری شدہ ہیں، وہ تجربہ سے صحیح ثابت ہیں اور علم ہیئت کے ماہر علماء نے اُن کی تائید کی ہے؛ جیسا کہ اِدارہ اِشاعت دینیات کی طرف سے جاری کردہ ’’اوقات الصلوٰۃ‘‘ کے شروع میں متعدد علماء کی تقریظات درج ہیں۔ بریں بنا نماز اور روزہ وغیرہ میں اِن جدید جنتریوں پر اعتماد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور سوال میں جن قدیم جنتریوں کا ذکر ہے، اُن میں حد سے زیادہ احتیاط کا پہلو معلوم ہوتا ہے، بالخصوص فجر کے وقت میں ختم سحری اور وقت اَذان فجر کے درمیان جو طویل وقفہ دیا گیا ہے یہ بے اصل ہے؛ اُس میں اِس بات کا بھی خطرہ ہے کہ کسی جگہ لاعلمی کی وجہ سے ان جنتریوں میں درج شدہ ختم سحر کے وقت کے فوراً بعد فجر کی اَذان دے دی جائے اور نماز پڑھ لی جائے جو بجائے خود احتیاط کے خلاف ہوگا؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ علاقہ کے اربابِ افتاء اور اہل علم حضرات متفق ہوکر جدید ذرائع سے استفادہ کرتے ہوئے معمولی احتیاط کے ساتھ اوقات الصلوٰۃ مرتب فرمائیں؛ تاکہ کوئی انتشار نہ رہے، اور سب عبادات یقینی طور پر اپنے اپنے وقت میں انجام پائیں۔

فینبغي الاعتماد في أوقات الصلاۃ وفي القبلۃ علی ما ذکرہ العلماء الثقاۃ في کتب المواقیت، وعلی ما وضعوہ لها من الآلات کالربع والإسطرلاب؛ فإنها وإن لم تفد الیقین تفد غلبۃ الظن للعالم بها وغلبۃ الظن کافیۃ في ذلک.

(رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب شروط الصلاۃ ۲/۱۱۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۸/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تہاڑ جیل میں اَوقاتِ نماز سے متعلق مسائل

سوال (۱۶۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) ہم اسیرانِ تہاڑ ہیں، جیل انتظامیہ حسب قوانین بارہ بجے دوپہر اپنی اپنی بیرکوں میں بند کردیتی ہے اور تین بجے کھول دیتی ہے، گرمیوں میں اور سردیوں میں یہی نظام ہے، ایک کمرہ جسے ''سیل'' کہتے ہیں اُس میں یا تو ایک یا تین یا پانچ قیدی رہتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز ظہر تین بجے سے قبل اپنی اپنی سیل میں اَدا کریں یا تین بجے کے بعد باہر نکل کر تمام لوگ با جماعت اَدا کریں اور نماز پڑھنے کی صورت میں تنہا شخص منفرد ہی پڑھے گا اور بقیہ کمروں میں تین یا چار چار اَفراد کی جماعت ہوگی۔

اَز روئے ثواب اول وقت میں پڑھنا بہتر ہے یا کثرت جماعت زیادہ باعث اجر و ثواب ہے؟

(۲) اگر احناف تین بجے نماز ظہر اَدا کریں گے تو غیر مقلدین شریک جماعت نہیں ہوں گے؛ چوں کہ موسم گرما میں اُن کے نزدیک تاخیر زیادہ ہوجائے گی اور موسم سرما میں اُن کا وقت عصر شروع ہوجائے گا، تو اُن حضرات کی رعایت کرتے ہوئے بند ہوتے ہی اول وقت میں نماز ظہر اَدا کرلیں یا گرمی میں ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھیں اور سردیوں میں تعجیل کے ساتھ اَدا کریں۔

(۳) دہلی جیسے شہر میں موسم شتاء میں نماز ظہر کو جلدی اَدا کرنے والی حدیث پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کس وقت نماز اَدا کی جائے گی اور گرمی میں ''أبردوا بالظهر'' پر عمل کرتے ہوئے کس وقت نماز ظہر اَدا کی جائے؟

(۴) جیل میں مقید بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بروز جمعہ جیل میں نماز ظہر با جماعت اَدا نہیں کرنا چاہئے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس دن تمام مسجدوں میں نماز اَدا ہوجانے کے بعد نماز ظہر اَدا کرنی چاہئے، کیا ایسا حکم شریعت میں موجود ہے؟

(۵) ہمارے اکثر ساتھی روزانہ نماز تہجد اَدا کرتے ہیں، جس کے سبب جلد بیدار

ہوجاتے ہیں، وضوء اور نیند دونوں کی وجہ سے نماز فجر صبح صادق ہوتے ہی اَدا کرتے ہیں اور موسم شتاء میں بھی اسفار میں نماز اَدا نہیں کرتے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اَحناف کو اسفار میں نماز اَدا کرنی چاہئے ،؟ یا تہجد کا لحاظ کرتے ہوئے اول وقت میں اَدا کرنا بہتر ہے، اَجر وثواب کس صورت میں زیادہ ہے؟ دلائل واضحہ سے مبرہن فرمائیں۔

(٦) موسم گرما میں تو چوں کہ ہم لوگوں کو صبح پونے چھے بجے کھولا جاتا ہے، اِس لئے اس موسم میں تو کمروں میں ہی نماز اَدا کرنا مجبوری ہے؛ لیکن موسم شتاء میں جماعت باہر اَدا کی جاتی ہے؛ لیکن اگر اَحناف اسفار میں نماز فجر اَدا کریں گے تو سلفی شریک جماعت نہیں ہوں گے، تاخیر کا عذر پیش کریں گے تو کیا تکثیر جماعت کو ترجیح دیتے ہوئے سردی کے موسم میں بھی نماز فجر غلس ابتداء صبح صادق میں اَدا کریں یا ’’**اسفروا بالفجر فإنه أعظم بالأجر**‘‘ پر عمل کرتے ہوئے اسفار میں پڑھیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱-۲-۳) جتنی کثیر جماعت ہوگی اُسی اعتبار سے ثواب زیادہ ملے گا؛ لیکن مصلحۃً اگر الگ الگ یا چند لوگ جماعت سے نماز پڑھ لیں تو اِس میں بھی مذکورہ حالات میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے اور جیل کی پابندیاں وغیرہ برقرار رہتے ہوئے موسم کے اعتبار سے ظہر کی نماز میں تعجیل وتاخیر کو بنیاد بنا کر بحث ومباحثہ کرنا مناسب نہیں ہے؛ بلکہ وہاں کے ماحول کو دیکھتے ہوئے جو صورت مناسب ہو اُسے اختیار کرلیا جائے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أمني جبرئيل عند البيت مرتين فصلى بي الظهر حين زالت الشمس – إلىٰ قولهٖ – فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله وصلى بي العصر حين كان ظله مثليه. (سنن أبي داؤد ١/٥٦ رقم: ٣٩٣)

(۴) فقہی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ بروز جمعہ جیل میں نماز ظہر باجماعت اَدا کرنا

مکروہ تحریمی ہے، چاہے دیگر مساجد میں نماز جمعہ ہونے سے پہلے ظہر با جماعت اَدا کی جائے یا بعد میں؛ لیکن جیل میں ہماری نظر میں کراہت تحریمی کی علتیں مفقود ہونے کی وجہ سے قیدیوں کے لئے جمعہ کے دن ظہر با جماعت کو مکروہ تحریمی قرار دینا محل نظر ہے، زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کہا جاسکتا ہے۔

وكره تحريمًا لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة. (الدر المختار) قوله: وكذا أهل مصر، قال الشامي: الظاهر أن الكراهة هنا تنزيهية لعدم التقليل والمعارضة المذكورين ويؤيده ما في القهستاني عن المضمرات يصلون وحدانًا استحبابًا، قال في الولوالجية: لا يصلي يوم الجمعة جماعة بمصر ولا يؤذن ولا يقيم في سجن وغيره في صلاة الظهر. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٣/٣٣ زكريا)

ويكره أن يصلي المعذورون بجماعة يوم الجمعة في المصر وكذا أهل السجن لما فيه من الإخلال بالجمعة إذ هي جامعة للجامعات (الهداية) وقال في فتح القدير: قوله: لما فيه من الإخلال الخ، هذا الوجه هو مبني عدم جواز تعدد الجمعة في المصر الواحد وعلى الرواية المختارة عند السرخسي وغيره من جواز تعددها، فوجهه أنه ربما يتطرق غير المعذور إلى الاقتداء بهم وأيضًا فيه صورة معارضة الجمعة فيه بإقامة غيرها. (الهداية مع فتح القدير، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ٢/٦٥ دار الفكر بيروت)

(۵-۶) حسب تحریر سوال جب کہ اکثر ساتھی تہجد کے وقت ہی سے بیدار رہتے ہیں تو اُن کے لئے صبح صادق ہوتے ہی اول وقت فجر کی نماز پڑھنا بہتر ہے؛ اِس لئے کہ کثرتِ جماعت اُسی صورت میں ممکن ہوگی اور اسفار کے وقت پڑھنے میں تقلیل جماعت کا قوی اندیشہ ہے۔

وقد علمت فيما سبق أن بطأ الناس وتعجيلهم مما قد راعاه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أيضًا فلو اجتمع الناس اليوم أيضًا في الغلس لقلنا به أيضًا كما في المبسوط للسرخسي في باب التيمم أنه يستحب التغليس في الفجر والتعجيل في الظهر إذا اجتمع الناس. (فيض الباري، كتاب مواقيت الصلاة / باب وقت الفجر ۱۷۷/۲ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۶/۱۴۳۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بورڈ پر لکھے اَوقاتِ نماز کی رعایت کرنا

سوال (۱۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مساجد میں پنج وقتہ نمازوں کی جماعتوں کے اَوقات کے بورڈ لگے ہوئے ہیں، اُن کے شروع میں یہ آیت: ﴿اِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا﴾ لکھی ہوئی ہے (بے شک مسلمانوں پر مقررہ وقتوں میں نماز فرض کی گئی ہے) اِس آیت سے مراد مسجد کی پنج وقتہ نماز جماعت ہے یعنی مسجد میں جو وقت جماعت کا متعین ہوگیا ہے، اس وقت پر ہی جماعت کا کھڑا کرنا فرض ہے اور ایسا فرض ہے کہ اگر مسجد کا پنج وقتہ نماز کا امام بھی چند سکنڈ لیٹ ہوجائے تو فوراً مقتدی حضرات دوسرے کو اِمام بنا کر کھڑا کردیں، کیا اِمام صاحب کا کچھ انتظار نہیں کرنا چاہئے؟ مفتی صاحب آپ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات سے نوازیں:

(۱) کیا مقررہ وقت ہوتے ہی اِمام کی عدم موجودگی میں مقتدیوں کو فوری اِمام بنا کر کسی دوسرے کو کھڑا کرنے کا اختیار ہوجاتا ہے؟

کیا یہ طریقہ مقتدیوں کا شریعت کے مطابق ہے؟ یا اِمام صاحب کے آنے کے چند منٹ انتظار کرکے جماعت کھڑی کرنی چاہئے یا نہیں؟ یا فوراً کھڑی کردینی چاہئے یا انتظار کریں تو کتنے منٹ؟ اِس میں شرعی کیا حکم ہے؟

(۲) کچھ مقتدیوں کا کہنا ہے جو آیت بورڈ میں لکھی ہے، اسی کے مطابق جماعت کا کھڑا ہونا فرض ہے؟ ورنہ یہ بورڈ پر جو وقت لکھا ہوا ہے اُس کو اُتار دو اور اُس کو ختم کردو، کیا کسی مفسر قرآن یا کسی محدث یا فقہاء میں سے کسی نے اس کو فرض قرار دیا ہے کہ اس آیت سے مراد مقررہ وقت پر جماعت کا کھڑا کرنا فرض ہے کہ اَب جماعت کھڑی کرنے میں بالکل تاخیر نہیں ہوسکتی ہے؟

(۳) کیا اِمام مسجد بننے کے بعد اِمام کے لئے کوئی بشری تقاضہ مثلاً: بیماری اور انسانی ضروریات نہیں رہتی ہیں؟ کیا اِمام بننے کے بعد اس کو فرشتہ صفت بن جانا چاہئے کہ اس سے کبھی ۲-۴/ دن یا ہفتہ وغیرہ بھی کسی وقت میں بھی تاخیر نہیں ہونی چاہئے، اور نہ اس کا کسی وقت ۲-۴/ منٹ کا انتظار کیا جاسکتا ہے؟ اور یہی حال جمعہ کی تقریر کا ہے، بعض دفعہ ۲-۴/ منٹ زائد ہوگئے، بات پوری کرنے کی وجہ سے تو اس پر بھی چہ میگوئیاں کرنا، تو کیا امام مقتدیوں کے ہاتھ فروخت ہوجاتا ہے کہ دین کی بات کو بھی پورا نہیں بیان کرسکتا ہے؟

(۴) کیا کبھی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی نماز جماعت میں تاخیر ہوئی ہے یا نہیں؟ نیز کسی موقع پر آپ کی کیا نماز قضاء بھی ہوئی ہے؟ اور ہوئی ہیں تو کس کس موقع پر ہوئی ہیں؟ مفصل مدلل ومحول جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱-۳) آیت: ﴿اِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا﴾ سے یہ مراد نہیں ہے کہ اوقات الصلوٰۃ کے بورڈ پر جو وقت لکھا جائے، اسی وقت نماز پڑھنا فرض عین ہے، بلکہ آیت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پنج وقتہ نمازوں کے الگ الگ اوقات مقرر فرمائے ہیں، مثلاً فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب پر ختم ہوتا ہے، اسی طرح دیگر نمازوں کے اوقات بھی متعین ہیں؛ البتہ نمازیوں کی سہولت کے لئے اوقات مقرر کردئے جاتے ہیں جن کی پابندی کرنا بہتر ہے؛ تاکہ کسی نمازی کو ناگواری نہ ہو اور مسجد میں امامت کا اختیار مقررہ امام کو حاصل ہے، اس کی صراحتاً یا

دلالۃً اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو امامت کا حق نہیں ہے؛ لہٰذا اتفاقاً اگر امام صاحب کے آنے میں کسی عذر کی وجہ سے ایک دومنٹ کی تاخیر ہو جائے تو دوسرے کو امام نہیں بنانا چاہئے بلکہ امام کا انتظار کرنا چاہئے اور خود امام کو بھی چاہئے کہ وہ نماز میں اور جمعہ کی تقریر میں وقت کی پوری پابندی کرے تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ رہے۔ احسن الفتاویٰ ۳/۳۰۱، فتاویٰ محمودیہ ۶/۳۴۵ ڈابھیل، فتاویٰ قاسمیہ ۶/۳۲۷-۳۳۳ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا﴾ ...... واعلم أنه تعالىٰ: بين في هذه الآية أن وجوب الصلاة مقدر بأوقات مخصوصة إلا أنه تعالىٰ أجمل ذكر الأوقات ههنا وبينها في سائر الآيات. (التفسير الكبير [سورة النساء: ١٠٢] ٢٠٨/١١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال ابن عباس رضي الله عنهما: كتابًا موقوتًا أي مفروضًا، وقال أيضًا: إن للصلاة وقتًا كوقت الحج، وقال زيد بن أسلم: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا﴾. قال: منجما كلما مضى نجم جاء نجم يعني كلما مضى وقت جاء وقت. (تفسير ابن كثير ٥٧/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

أما الانتظار قبل الشروع في غير ما يكره تأخيره كمغرب وعند ضيق وقت، فالظاهر عدم الكراهة ولو لمعين إلا إذا ثقل على القوم. (حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢٢٠/١ مكتبة الاتحاد ديوبند، ١٨٠/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي مسعود البدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يؤم القوم أقرؤهم – إلىٰ – ولا يؤم الرجل في بيته، ولا في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته إلا بإذنه. (سنن أبي داؤد / باب من أحق بالإمامة ٨٦/١ رقم: ٥٨٢)

تقديم الأعلم بغير الإمام الراتب، وأما الراتب فهو أحق من غيره وإن كان غيره أفقه منه. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة / فصل: الجماعة سنة مؤكدة ١٠٧/١ دار إحياء التراث العربي بيروت، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٦٠٧/١ زكريا)

(۴) دورِ نبوت میں نماز کے لئے آج کل کی طرح گھنٹہ اور منٹ کے اعتبار سے نماز کا وقت مقرر نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ اَذان کے بعد جب اکثر نمازی جمع ہوجاتے تو نماز شروع کرادی جاتی تھی، اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ سب لوگ جمع ہوگئے؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام کسی مشغولی کی وجہ سے کچھ دیر میں تشریف لائے، اِس دوران سب انتظار کرتے رہے۔ نیز بعض مواقع پر آپ علیہ السلام کی نمازیں قضاء بھی ہوئی ہیں، جیسا کہ "لیلۃ التعریس" میں اور "غزوۂ خندق" کے موقع پر؛ مگر اُس میں آپ کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں تھی؛ بلکہ دینی مصلحت یا غیر اختیاری نیند کی جہ سے قضاء کی نوبت آئی جس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: مكثنا ذات ليلة ننتظر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لصلاة العشاء فخرج إلينا حين ذهب ثلث الليل أو بعده فلا ندري أشيء شغله أم غير ذلك. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب في وقت العشاء ۱/ ٦٠ رقم: ٤٢٠)

عن سعيد بن المسيب أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حين قفل من خيبر أسرى حتى إذا كان من آخر الليل عرَّس، وقال لبلال: إكلأ لنا الصبح، ونام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأصحابه وكلأً بلال ما قدّر له، ثم استند إلى راحلته وهو مقابل الفجر، فغلبته عيناه، فلم يستيقظ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولا بلال ولا أحد من الركب، حتى ضربتهم الشمس، ففزع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال: ما هذا يا بلال! فقال بلال: يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم! أخذ بنفسي الذي أخذ بنفسك، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اقتادوا فبعثوا رَواحلهم واقتادوا شيئًا، ثم أمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بلالاً فأقام الصلاة فصلى بهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الصبح. (موطأ لإمام مالك، كتاب وقوت الصلاة / باب النوم في المسجد ص: ٤٥ رقم: ٢٥ دار الكتب العلمية بيروت)

عن جابر بن عبد اللّٰہ أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰہ عنه جاء یوم الخندق بعد ما غربت الشمس جعل یسب کفار قریش، وقال: یا رسول اللّٰہ! ما کدت أن أصلي حتی کادت الشمس أن تغرب، قال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: واللّٰہ ما صلیتها فنزلنا مع النبي صلی الله علیه وسلم بطحان فتوضأ للصلاۃ وتوضأنا لها فصلی العصر بعد ما غربت الشمس، ثم صلی بعدها المغرب.

(صحیح البخاري، کتاب المغازي / باب غزوۃ الخندق وهي الأحزاب رقم: ٤١١٢، فتح الباري ٥١٥/٧ رقم: ٤١١٢ دار الکتب العلمیة بیروت)

عن أبي عبیدۃ بن عبد اللّٰہ بن مسعود رضي اللّٰہ عنه إن المشرکین شغلوا رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن أربع صلوات یوم الخندق، حتی ذهب من اللیل ما شاء. (سنن الترمذي، أبواب الصلاۃ / باب ما جاء في الرجل تفوته الصلوات بأیتهن یبدأ رقم: ۱۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۵/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر کسی ملک میں شفق غائب ہی نہ ہو تو وہاں عشاء کیسے پڑھی جائے گی؟

سوال (۱۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ملک ایسا ہے جہاں سال کے بعض حصوں میں عشاء کا وقت ہی نہیں آتا، یعنی شفق پوری رات غائب ہی نہیں ہوتی، اور صبح صادق طلوع ہوجاتی ہے، تو اُس ملک کے لوگوں پر نماز عشاء فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو اُس کی دلیل کیا ہے؟ وہ کس انداز سے پڑھی جائے گی؟ مدلل جواب مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال میں مذکورہ علاقوں کے بارے میں مفتی بہ اورمحتاط قول یہ ہے کہ وہاں کے لوگ عشاء کی نماز اندازہ لگا کر پڑھیں گے؟ اور یہ اندازہ دوطرح سے لگایا جاسکتا ہے:

(۱) اول یہ کہ اُس جگہ سال کے متوازن دنوں میں مغرب اورعشاء میں اَوسطاً جتنا وقفہ رہتا ہے، اُس وقفہ کے بعد عشاء کی نماز اَدا کی جائے۔

(۲) اور دوسری صورت یہ ہے کہ اِس بارے میں اُس ملک کے اَقرب ترین متوازن ملک کے وقت کو معیار بنا کر عشاء پڑھی جائے۔

وفاقد وقتهما كبلغار فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق في أربعينية الشتاء، وتحته في الشامية: "صوابه في أربعينية الصيف كما في البـاقـاني" مكلف بهما فيقدر لهما ولا ينوي القضاء لفقد وقت الأداء، به أفتى البرهان الكبير، واختاره الكمال وتبعه ابن الشحنة في ألغازه فصححه. (الدر المختار / أول كتاب الصلاة ۲/۱۸-۱۹ زكريا)

هذا وقد أقرّ ما ذكره المحقق تلميذاه العلامتان المحققان ابن أمير حاج والشيخ قاسم، والحاصل أنهما قولان مصححان ويتأيّد القول بالوجوب بأنه قال به إمام مجتهد وهو الإمام الشافعي. (رد المحتار / أول كتاب الصلاة ۲/۲۲ زكريا)

قوله: ومن لم يجد وقتهما لم يجبا أي العشاء والوتر كما لو كان في بلد يطلع فيه الفجر قبل أن يغيب الشفق ...... لعدم السبب وأفتى به البقالي، وأفتى بعضهم بوجوبها، واختاره المحقق في فتح القدير. (البحر الرائق / كتاب الصلاة ۱/۴۲۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

جہاز میں کس وقت کے حساب سے نماز پڑھے؟

سوال (۱۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص حج کو جارہا ہے، اس کی فلائٹ صبح چار بجے احمد آباد سے ہے جب کہ احمد آباد میں فجر کا وقت ساڑھے چار بجے ہورہا ہے، اَب جہاز اُڑان بھرنے کے بعد جانب مغرب چلے گا، جس کی وجہ سے وقت پیچھے ہوتا چلا جائے گا تو اب وہ فجر کس جگہ کے وقت کے حساب سے پڑھے، احمد آباد کے حساب سے یا سعودیہ کے حساب سے یا کسی اور جگہ کے حساب سے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں نہ تو ہندوستان کے وقت کا اعتبار ہوگا اور نہ سعودی عرب کے؛ بلکہ فلائٹ جہاں سے گذر رہی ہے اُسی مقام کے وقت کے اعتبار سے نماز اَدا کی جائے گی۔ اور آج کل عام طور پر جہازوں میں اسکرین پر یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اِس وقت کس مقام سے جہاز گذر رہا ہے اور وہاں کا مقامی وقت کیا ہے؟ اسی کو معلوم کرکے نماز اَدا کی جائے گی۔

مستفاد: ﴿اِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا﴾ [النساء، جزء آیت: ۱۰۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۳۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دو رکعت والی نماز تہجد میں صبح صادق طلوع ہوگئی

سوال (۱۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تہجد کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھی، سلام کے بعد پتہ چلا کہ دونوں رکعت صبح صادق کے

بعد پڑھی ہیں، اگر ایک رکعت میں صبح صادق ہوئی تو کیا حکم ہے؟ یا دوسری رکعت کا رکوع سجدہ کرنے کے بعد صبح صادق ہوئی تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر وہ دو رکعت مکمل صبح صادق کے بعد اَدا کی گئی ہیں تو وہی فجر کی سنت کی طرف سے کافی ہوجائیں گی، اَب الگ سے سنت نہیں پڑھی جائے گی؛ البتہ اگر صبح صادق سے قبل نماز شروع کی گئی تھی اور درمیان میں صبح صادق ہوگئی تو یہ نماز سنت فجر کے قائم مقام نہ ہوگی؛ بلکہ سنت الگ سے پڑھی جائے گی۔

وتفرع عليه لو صلى ركعتين على ظن أنها تهجد بظن بقاء الليل فتبين أنها بعد طلوع الفجر كانت عن سنة الفجر على الصحيح فلا يصليها بعده للكراهة، وأما من قال: إذا صلى ركعة قبل الطلوع وأخرىٰ بعده كانتا عن السنة فبعيد؛ لأن السنة لا بد من الشروع فيها في الوقت ولم يوجد. (الأشباه والنظائر ١٢٨/١ فيصل بك ڈپو ديوبند، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب: في لفظة ثمانٍ ٤٥٥/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۵/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے عصر کا وقت شروع ہوگیا

سوال (۱۷۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے عصر کا وقت شروع ہوگیا تو ظہر کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں ظہر کی نماز فاسد نہ ہوگی؛ بلکہ

اَداماں لی جائے گی۔

لـو شرع في الوقتية عند الضيق ثم خرج الوقت في خلالها لم تفسد وهو الأصح. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ١٤٦/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وما ذكره من أنه بالتحريمة يكون أداءً عندنا، هو ما جزم به في التحرير وذكـر شارحه أنه المشهور عند الحنفية الخ. (رد الـمحتار، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ٢٠/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اَذان واِقامت

مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا اَذان پڑھنا

سوال (۱۷۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں اَذان پڑھنے کے لئے مؤذن صاحب متعین ہیں؛ لیکن اِس کے باوجود دوسرے محلّہ کے جب کہ اُن کا گھر مسجد کے اطراف میں بھی نہیں ہے اور نہ مسجد کے ممبر ہیں، نہ کوئی عہدہ اُن کے پاس ہے، تو وہ صاحب مسجد میں آکر مؤذن صاحب سے زبردستی کرتے ہیں اور خود دووقت کی اَذان پڑھتے ہیں؛ جب کہ مؤذن صاحب چاہتے ہیں کہ میں ہی پانچوں وقت کی اَذان پڑھوں؛ لیکن وہ صاحب کسی بھی قیمت پر باز نہیں آتے اور نوبت یہاں تک پہنچادیتے ہیں کہ مؤذن صاحب کے منع کرنے پر مار پیٹ پر اُتر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہوجائے دو یا ایک وقت کی اَذان میں ضرور پڑھوں گا اور مؤذن صاحب کو بھگانے کی دھمکی دیتے ہیں، اِس کے علاوہ اور بہت کچھ مؤذن صاحب پر زیادتی کرتے ہیں، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اُن کے اَذان کے اَلفاظ میں غلطی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اُن سے اَذان کے اَلفاظ صحیح اَدا نہیں ہوتے اور متولی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ اپنے محلّہ کی مسجد میں بھی اَذان پڑھتے تھے، وہاں بھی ایسا ہی جھگڑا فساد رہتا تھا اور یہاں بھی یہی شکل بنی ہوئی ہے تو اِس صورت میں اُن صاحب کا مؤذن صاحب کی موجودگی میں اَذان پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں متعین مؤذن صاحب کی رضا مندی کے بغیر کسی دوسرے آدمی کا زبردستی اَذان دینا درست نہیں ہے اور مذکورہ شخص کا اِس

معاملہ پر بے جا اِصرار کرنا اور مؤذن صاحب سے تلخ کلامی حتیٰ کہ مار پیٹ تک کرنا یہ سب نامعقول حرکتیں ہیں، مسجد کی انتظامیہ کمیٹی اور محلّہ کے با اثر اَفراد کو سامنے آکر اُس شخص کو اِن حرکتوں سے روکنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵/۴۰۷ ڈابھیل)

مستفاد: عن زياد بن الحارث الصدائي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أذن فهو يقيم. (سنن ابن ماجة، كتاب الأذان والسنة فيه / باب السنة في الأذان ۱/۵۳ رقم: ۷۱۷)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم. (سنن ابن ماجة، كتاب الأذان والسنة فيه / باب فضل الأذان وثواب المؤذنين ۱/۵۳ رقم: ۷۲٦)

عن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، كتاب الأحكام / باب من بنى في حقه ما يضر بجاره ۱/۱٦۹ رقم: ۲۳٤۱)

ينبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلا صالحًا تقيًا عالمًا بالسنة. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في الأذان ۲/۱٤٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اپنی نماز اَدا کرنے کے بعد دوسری مسجد میں اَذان دینا

سوال (۱۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ایک مسجد میں نماز ظہر باجماعت اَدا کرنے کے بعد کسی ضرورت سے دوسری مسجد میں گیا، جہاں ابھی نماز ظہر نہیں ہوئی تھی، تو یہ شخص اس مسجد میں اَذان دے کر چلا گیا؛ کیوں کہ یہ نماز ظہر اَدا کر چکا تھا۔ تو اَب دریافت یہ کرنا ہے کہ اُس کے اَذان دینے کی وجہ سے

کوئی کراہت تو نہیں آئے گی؟ حکم شرعی تحریر فرما کر ممنون ومشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- جو شخص اپنی ظہر کی نماز اَدا کر چکا ہو، اُس کے لئے کسی مسجد میں جا کر اَذان دینا مکروہ ہے؛ اِس لئے کہ وہ اِس اَذان کے ذریعہ لوگوں کو ایسی عبادت کی طرف بلا رہا ہے، جس میں خود شامل نہ ہوگا؛ تاہم مسجد والوں کے لئے اَذان کا اِعادہ لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۳۹۲/۵)

ويكره أن يوذن في مسجدين ويصلي في أحدهما؛ لأنه إذا صلى في المسجد الأول يكون متنفلا بالأذان في المسجد الثاني، والتنفل بالأذان غير مشروع. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / صفات المؤذن ۳۷۵/۱ زكريا)

يكره له أن يؤذن في مسجدين (وتحته في الشامية): لأنه إذا صلى في المسجد الأول يكون متنفلا بالأذان في المسجد الثاني، والتنفل بالأذان غير مشروع؛ ولأن الأذان للمكتوبة وهو في المسجد الثاني يصلي النافلة، فلا ينبغي أن يدعو الناس إلى المكتوبة وهو لا يساعدهم فيها. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ۷۱/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بے ساختہ اَذان واِقامت کے کلمات میں غلطی ہوجانا

سوال (۱۷٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں جو مؤذن صاحب ہیں، اُنہیں مسجد میں آئے تقریباً ایک مہینہ ہوا ہے، ابتداء میں جب اُن کا تقرر ہوا تو اَذان واِقامت دونوں میں حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح میں لفظ ’’علی‘‘ کے لام پر بجائے فتحہ پڑھنے کے کسرہ یا مائل بہ کسرہ پڑھتے تھے، اِس بنا پر لوگوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں اور فتنہ اُبھرنے لگا، تو مؤذن صاحب نے تنبہ ہونے پر اصلاح کر لی؛ لہٰذا

اَب اَذان میں تو کوئی غلطی نہیں ہوتی ہے؛ البتہ اِقامت میں کبھی کبھار بے ساختہ سابقہ غلطی لوٹ آتی ہے، اِس وجہ سے لوگوں کی چہ می گوئیاں اب بھی باقی ہیں، ایسی صورت میں درجِ ذیل سوالوں کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) اذان واقامت میں اس طرح بے ساختہ غلطی کی وجہ سے کیا اذان واقامت کا اعادہ لازم ہے؟ اور کیا اس سے باجماعت نماز پر کوئی اثر پڑے گا؟

(۲) مؤذن صاحب کی اس طرح کی غلطی پر عوام کا چہ می گوئیاں کرنا اور مؤذن صاحب کو کچھ نامناسب کہنا کیسا ہے؟ جب کہ غلطی کبھی کبھار اور بے ساختہ ہوجاتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) مؤذن کو چاہئے کہ اَذان واِقامت کے الفاظ حتی الامکان درست ہی اَدا کرے؛ لیکن بالقصد الفاظ کا بگاڑنا مکروہ ہے؛ تاہم اگر بلا اِرادہ کوئی معمولی غلطی ہوجائے تو اُس سے باجماعت نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اَذان واِقامت کا لوٹانا لازم نہیں ہوتا ہے۔

ویکره التلحین وهو التطریب والخطأ في الإعراب. (مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلاة / باب الأذان ۱۰۷ قدیم، ۱۹۹ دار الکتاب)

ولا یلحن أن لا یتغنی فیها بأن نقص من الحروف أو من کیفیاتها وهي الحرکات والسکنات أو زاد في شيء منهما. (فتح باب العنایة بشرح النقایة / باب الأذان ۶۰/۱ المکتبة الإعزازیة دیوبند، ۲۰۳/۱ شرکة دار الأرحم بن أبي الأرقم بیروت)

(۲) حسبِ تحریر سوال جب کہ مؤذن صاحب اپنی اصلاح کی برابر کوشش کر رہے ہیں اور کافی حد تک اصلاح بھی ہوگئی ہے؛ لیکن کبھی کبھار بے ساختہ غلطی ہوجاتی ہے تو اس کی وجہ سے عوام کا مؤذن صاحب کے خلاف چہ می گوئیاں کرنا یا نامناسب الفاظ کہنا درست نہیں ہے۔

عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:

كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه. (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة / باب تحريم ظلم المسلم الخ ۳۱۷/۲ رقم: ۲۵٦٤ بيت الأفكار الدولية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۴/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اَذان کے دوران وضوٹوٹ گیا

سوال (۱۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص اَذان دے رہا تھا درمیان میں وضوٹوٹ گیا، تو اَذان دوہرانا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: - اگر دورانِ اَذان وضوٹوٹ جائے تو بہتر یہ ہے کہ اُسی حالت میں اَذان پوری کرے؛ لیکن اگر وضوٹوٹنے کے بعد اَذان چھوڑ کر وضو کرنے چلا گیا تو اَب واپس آکر ابتداء سے اَذان دینی ہوگی۔ اِسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص اس پہلے مؤذن کے بجائے اَذان دینا چاہے تو وہ بھی اَز سرِ نو اَذان دے گا، جہاں سے اُس نے اَذان چھوڑی ہے اُس پر بنا نہیں کرے گا۔

قال مشائخنا: والأولى أن يتم الأذان إن أحدث في الأذان ويتم الإقامة إن أحدث في الإقامة. (المحيط البرهاني كتاب الصلاة / الفصل الخامس عشر ۳٤۸/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

خمس خصال لو وجدت في الأذان أو في الإقامة يوجب الاستقبال منها إذا غشي على المؤذن في الأذان أو في الإقامة ...... أو سبقه الحدث في الأذان أو في الإقامة فذهب وتوضأ يستقبل هو أو غيره. (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الصلاة / الفصل الأول في الأذان ۱٤۹/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند، خلاصة الفتاویٰ مخطوطة ص: ۲٤ المكتبة الأزهرية، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الأذان ٤۵۹/۱ زكريا)

أقـول: إذا عـرض للمؤذن ما يمنعه عن الإتمام وأراد آخر أن يؤذن يلزمه استقبال الأذان من أوله إن أراد إقامة سنة الأذان، فلو بنى على ما مضى من أذان الأول لـم يـصح؛ فلذا قال في الخانية: لو عجز عن الإتمام استقبل غيره، أي لئلا يكون آتيًا ببعض الأذان. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٦١/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۰ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

بے خیالی میں حالتِ جنابت میں اَذان دے دی

سوال (۱۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مؤذن صاحب نے فجر کی اَذان دی، اَذان دینے کے بعد پتہ چلا کہ وہ جنبی تھے، تو اب اَذان کو دہرایا جائے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں بہتر اور مستحب یہ ہے کہ دوبارہ اَذان دی جائے؛ تاہم اگر اَذان نہیں دہرائی پھر بھی نماز پر کوئی اَثر نہیں پڑے گا۔

ويـكـره أذان جـنب – إلىٰ قوله – ويعاد أذان جنب ندبًا وقيل: وجوبًا، وتـحتـه فـي الشـامية: وظـاهـره أن الـكراهة تحريمية ...... وعلل الوجوب في الـكـل بـأنـه غير معتد به، والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص، قال وهو الأصح.

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٦٠/٢-٦١ زكريا)

ويـكره أن يؤذن وهو جنب ...... ولو لم يعد اجزأه يعني الصلاة؛ لأنها جائزة بدون الأذان والإقامة. (الهداية مع العناية ٣٥٢/١ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دورانِ نماز اَذان کا جواب دینا

سوال (۱۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو شخص دورانِ نماز اَذان کا جواب دے تو اُس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- دورانِ نماز اَذان کا جواب دینے سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

ذكر في البحر أنه لو قال مثل ما قال المؤذن إن أراد جوابه تفسد، وكذا لو لم تكن له نية؛ لأن الظاهر أنه أراد به الإجابة. (رد المحتار مع در المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۳۸۰ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۹ زكريا، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة / الفصل الخامس عشر في إدخال التأنيث في أسماء الله تعالىٰ ۱/۳۹۰ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم کی اَذان کا حکم

سوال (۱۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک غیر مسلم پروگراموں میں جاتا ہے اور مسجد میں اَذان بھی دیتا ہے، تو اُس شخص کا اَذان دینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اَذان کی صحت کے لئے مؤذن کا مسلمان ہونا شرط ہے؛ لہٰذا غیر مسلم شخص کی اَذان شرعاً معتبر نہیں ہوگی۔

إسلام المؤذن شرط لصحته فلا يصح أذان الكافر؛ لأنه ليس من أهل العبادة. (الموسوعة الفقهية ۲/۳٦۷ الكويت)

يشترط في الأذان والإقامة ...... أن يكون المؤذن مسلمًا عاقلا مميزًا رجلا، فلا يصح إذان الكافر الخ . (الفقه الإسلامي وأدلته / شروط الأذان ۵۹۹/۱ دار الفكر بيروت)

لأن صاحب البحر جعل العقل والإسلام شرط صحته. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٦١/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پینٹ والے یا غیر مقلد شخص کا تکبیر کہنا

سوال (۱۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام کے پیچھے ایسے آدمی کا کھڑا ہونا جو آدھی بنیائن اور پینٹ پہن کر تکبیر کہے؟

اور اِسی طرح اِمام کے پیچھے ایسے آدمی کا کھڑا ہونا جو غیر مقلد ہو، بغیر ٹوپی کے آدھی بنیائن اور پینٹ پہن کر تکبیر کہے، ان دونوں حضرات کا تکبیر کہنا کیسا ہوگا؟ نیز امام کے پیچھے ایسے لوگ کھڑے ہوں تو کیا حرج ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - نماز میں اقامت ایسے شخص کو کہنی چاہئے جو باشرع اور پرہیزگار ہو، نیز امام کے قریب بھی ایسے لوگ کھڑے ہونے چاہئیں جو سمجھ دار اور دین دار ہوں؛ لہٰذا سوال میں مذکور لوگوں کا اقامت کہنا بہتر نہیں ہے، ان کے بجائے باشرع شخص کو اِقامت کہنی چاہئے۔

من سنن المؤذن كونه رجلا عاقلا صالحًا عالمًا بالسنن والأوقات مواظبًا عليه محتسبًا ثقةً متطهرًا مستقبلا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٦٢/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۶/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے شرائط اور واجبات

ناپاک تیل کا اثر سر میں باقی رہتے ہوئے نماز پڑھنا

سوال (۱۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سر میں تیل لگایا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تیل ناپاک تھا؛ چناں چہ سر کو دھولیا گیا؛ لیکن صابن لگانے کے بعد بھی تیل کی چکنائی سر پر باقی رہی تو اُس چکنائی کے باقی رہتے ہوئے نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سر میں ناپاک تیل لگا ہوا ہوتو اُسے تین بار دھونے سے سر پاک ہوجائے گا اور اَب معمولی چکنائی کے باقی رہتے ہوئے نماز درست ہوگی۔

وإن أصاب الدهن النجس الجلد وتشرب أي سرى الدهن في الجلد ...... إلى قوله...... ثم غسل ثلاث مرات طهر الجلد من النجس المتشرب فيه ......، وإن بقي أثر الدهن فهو عفو. (حلبي كبير: ۱۷۲- ۱۷۳ سهيل اكيڈمي لاهور، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة / باب الأنجاس، مطلب: في حكم الصبغ والختصاب بالصبغ أو الحناء النجس ۲۷۷/۱، الدر المختار مع رد المحتار ۵۳۷/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خون لگے ہوئے کپڑے میں نماز پڑھنا

سوال (۱۸۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: انسان کا اپنا خون اگر کپڑے پر لگ جائے اور وہ اُسی کپڑے میں نماز پڑھ لے تو نماز ہوگی کہ نہیں؟ یہ خون ناک، منہ یا ہاتھ وغیرہ سے نکلا ہو۔ اِسی طرح اگر کسی جانور کا خون لگ جائے یا کسی دوسرے اِنسان کا خون اپنے کپڑوں پر لگ جائے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - انسان یا کوئی بھی ایسا جانور جس میں بہتا ہوا خون پایا جاتا ہو، اس کا خون شرعاً نجاست غلیظہ ہے اور نجاست غلیظہ کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ ایک درہم (تقریباً ساڑھے تین ماشہ) سے زیادہ بدن یا کپڑے پر لگی رہے، تو اس کے ساتھ نماز درست نہیں ہوتی اور اگر ایک درہم یا اس سے کم مقدار ہو تو، کراہت کے ساتھ نماز اَدا ہو جاتی ہے اور اس بارے میں انسان کے اپنے خون یا دوسرے کے خون کے حکم میں کوئی فرق نہیں؛ البتہ اگر کوئی شخص ناسور یا نکسیر وغیرہ کا ایسا مریض ہو کہ شرعاً معذور کے حکم میں آجائے تو اُس کے حق میں اُس کا خون مضر نہ ہوگا۔

وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ كالدم والبول والخمر وخرء الدجاج وبول الحمار جازت الصلاة معه وإن زاد لم تجز ...... ولنا أن القليل لا يمكن التحرز عنه فيجعل عفوًا وقدرناه بقدر الدرهم الخ. (الهداية، كتاب الطهارة / باب الأنجاس وتطهيرها ۷۱/۱ مكتبة بلال ديوبند)

وقدر الدرهم من نجس غليظ كبول و دم و خمر – إلىٰ قوله – يجوز فيه الصلاة. (شرح الوقاية / باب الأنجاس ۱۲۳/۱-۱۲۴ مكتبة بلال ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم کے ہدیہ کئے کپڑے اور گھڑی پہن کر نماز پڑھنا

سوال (۱۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک غیر مسلم نے مسلم نمازی کو ہدیہ میں کپڑا اور گھڑی دی، اسے پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنا درست ہے؛ لہٰذا اگر کوئی اور مانع نہ ہو تو اُس کے دیئے ہوئے کپڑے یا گھڑی پہن کر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

وأما طهارة ثوبه فلقوله تعالیٰ: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ (البحر الرائق ٤٦٤/١ زكريا)

قال الحافظ ابن حجر – رحمه الله –: وقد اشتملت قصة خيبر على أحكام كثيرة منها ...... والأكل من طعام أهل الكتاب وقبول هديتهم. (فتح الباري / قبيل غزوة زيد بن حارثة ٥٧٤/٧ دار البيان العربي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۸/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیت الخلاء کے حوض کے اُوپر بنے کمرے میں نماز پڑھنا

سوال (۱۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس رہنے کے لئے بہت کم جگہ ہے اور زید جگہ کے کم ہونے کی وجہ سے بیت الخلاء کے حوض کے اوپر مکان کی تعمیر کرائے تو کیا اس تعمیر کردہ مکان میں قرآن شریف کی تلاوت اور نماز وغیرہ ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں چوں کہ اوپر نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، اس لئے بیت الخلاء کے حوض سے اوپر بنے ہوئے کمرے یا مکان میں تلاوت اور نماز وغیرہ ادا کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

وإذا أصابت الأرض نجاسة ففرشها بطين أو جص فصلى عليها جاز.

(رد المحتار / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۳۸۷ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في فرائض الصلاة وواجباتها الخ ۲/۳۲ رقم: ۱۵۹۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گندے نالے سے سینچی ہوئی گھاس پر سوکھنے کے بعد نماز پڑھنا

سوال (۱۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک پولیس گراؤنڈ ہے، جس میں ہم عید کی نماز پڑھتے ہیں، اس گراؤنڈ کے متصل ایک گندے پانی کا (گٹر سیوریج) نالہ گذر رہا ہے، اس نالے کے پانی سے گراؤنڈ کی گھاس کو پانی لگا دیا جاتا ہے، عیدین سے ۱۵/ یا ۲۰/ دن پہلے پانی لگانا بند کردیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے گھاس بالکل سوکھ جاتی ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ سردیوں میں رات کو شبنم گرنے کی وجہ سے صبح گھاس گیلی ہو جاتی ہے، نمازیوں کے کپڑے اور مصلیٰ کچھ گیلے ہو جاتے ہیں، اس شبنم کا کیا حکم ہے؟ کہیں شبنم کی وجہ سے گیلا ہونے سے نجاست عود تو نہیں کر جاتی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر سوکھی ہوئی گھاس پر نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہے، تو اُسے زمین کی طرح پاک قرار دیا جائے گا، اور اُس پر شبنم پڑنے سے اُس پر ناپاکی کا حکم نہ ہوگا۔

وشجر وكلأ قائمين في أرض كذلك أي كأرض فيطهر بجفاف. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۱/۵۱۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا شلوار ٹخنے سے اوپر کر کے موزے پہن کر نماز پڑھنا

سوال (۱۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی عورت نے پیر میں موزہ پہن رکھا ہو اور شلوار ٹخنے سے اُوپر ہو، تو اگر اِس حالت میں وہ نماز پڑھے تو اُس کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر موزہ اتنا دبیز ہے کہ اس کو پہن کر پیر کی کھال نظر نہیں آرہی ہے تو یہ موزہ ٹخنہ کے ستر کے لئے کافی ہے، پس اگر موزہ پہننے کے بعد ٹخنہ شلوار سے نہ ڈھکا جائے تو بھی نماز درست ہے؛ لیکن پھر بھی بہتر یہی ہے کہ اَجانب کے سامنے ٹخنہ کو نہ کھولا جائے؛ تاکہ کامل طور پر ستر پوشی ہو سکے۔

يجب أن يكون صفيقًا كثيفًا ...... فالواجب الستر بما يستر لون البشرة ولا يصفها من ثوب صفيق أو جلد أو ورق، فإن كان الثوب خفيفًا أو رقيقًا يصف ما تحته أو يتبين لون الجلد من ورائه فيعلم بياضه أو حمرته، لم تجز الصلاة به؛ لأن الستر لا يحصل بذلك، وإن كان يستر لونها، ويصف الخلقة أو الحجم جازت الصلاة به؛ لأن هذا مما لا يمكن التحرز منه. (الفقه الإسلامي وأدلته، الصلاة / شروط الصلاة ۱/۶۳۳-۶۳۴ دار الفكر بيروت)

أما لو كان غليظًا لا يرىٰ منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئيًا فينبغي أن لا يمنع جواز الصلاة لحصول الستر. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۲/۸۴ زكريا)

وأما المرأة يلزمها أن تستر نفسها من قرنها إلى قدمها ولا يلزمها ستر الوجه والكفين بلا خلاف. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في فرائض الصلاة ۲/۲۳ رقم: ۱۰۴۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں باریک دوپٹہ کو دوہرا کرکے اُوڑھنا

سوال (۱۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل عورتیں جب نماز پڑھتی ہیں تو دوپٹہ کے باریک ہونے کی وجہ سے اُس کو دوہرا کرکے اُوڑھ لیتی ہیں، جس سے وہ چھوٹا ہوجاتا ہے اور وہ اُن کے سر کو اور بدن کے اُوپر کے کچھ حصہ کو ہی ڈھکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ آستینیں اتنی چھوٹی ہوتی ہیں جس سے اُن کی کلائی کا کچھ حصہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ (گٹے کے اُوپر کا کچھ حصہ) تو معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ایسے دوپٹہ کو دوہرا کرکے اور کلائی کا کچھ حصہ ظاہر ہوتے ہوئے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- باریک دوپٹہ کو دوہرا کرکے اُوڑھنے میں تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن اگر دوپٹہ اتنا چھوٹا ہو کہ گٹوں سمیت کلائی کا ایک چوتھائی حصہ کھلا رہ جائے تو نماز درست نہ ہوگی، اِس لئے نماز میں بہرحال مکمل ساتر چادر یا دوپٹہ کا ہی استعمال کرنا چاہئے۔

وفي الحرة الذراعان مع الرسغين الخ. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۸۳/۲ زکریا)

ویمنع حتی انعقادها کشف ربع عضو قدر أداء رکن. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۸۲/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۱۰ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مسجد حرام کس جگہ کا نام ہے؟ اور قبلہ سے کیا مراد ہے؟

سوال (۱۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد حرام کسے کہتے ہیں؟ ﴿**فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**﴾ میں ''**المسجد الحرام**'' سے کیا مراد ہے؟ اگر قبلہ ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا مسجد حرام سے

مطاف اور اُس کے اِردگرد کی عمارت مراد نہیں ہے؟ پھر خاص قبلہ کی طرف رخ کر کے ساری دنیا والوں کے لئے نماز پڑھنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ نیز اُس حدیث پاک کا کیا مطلب ہوگا کہ بیت اللہ قبلہ ہے، مسجد حرام والوں کے لئے، مسجد حرام قبلہ ہے اہل مکہ کے لئے اور حرم قبلہ ہے ساری دنیا والوں کے لئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- آیت: ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا، فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ [البقرة: ١٤٤] میں مسجد حرام سے مراد باتفاق امت ''کعبہ مشرفہ'' ہی ہے، جس کی تائید ایک صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے؛ لیکن چوں کہ آیت میں ''شطر'' یعنی جہت کا لفظ بھی موجود ہے، اس لئے بطور دلالت النص یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کعبہ کے سامنے حاضر نہ ہو؛ بلکہ دور ہو تو اس کے لئے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ جہت کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا کافی ہے، اور جس حدیث کا سوال میں حوالہ دیا گیا ہے وہ اگر چہ سنداً ضعیف ہے؛ لیکن فی الجملہ اُس کا مفہوم اور معنی درست ہے۔

قوله تعالىٰ: ﴿فَوَلِّ﴾ أمر ﴿وَجْهَكَ شَطْرَ﴾ أي ناحية ﴿الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ يعني الكعبة، ولا خلاف في هذا ...... الثانية: لا خلاف بين العلماء أن الكعبة قبلة في كل أفق، وأجمعوا على أن من شاهدها وعاينها فرض عليه استقبالها ...... وأجمعوا على أن كل من غاب عنها أن يستقبل ناحيتها وشطرها وتلقائها. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ١٦٠/٢ دار الكتب المصرية القاهرة)

عن أسامة بن زيد رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم لما دخل البيت دعا في نواحيه كلها، ولم يصل فيه حتى خرج، فلما خرج ركع في قبل البيت ركعتين، وقال: هذه القبلة، قلت له: ما نواحيها؟ أفي زواياها؟ قال: بل

في كل قبلة من البيت. (صحيح مسلم، كتاب الحج / باب استحباب دخول الكعبة للحال الخ رقم: ١٣٣٠ بيت الأفكار الدولية، صحيح البخاري / كتاب الصلاة رقم: ٣٩٨)

وفي رواية عنه عند النسائي قال: هذه القبلة هذه القبلة. (سنن النسائي، كتاب المناسك للحج/ الذكر والدعاء في الميت رقم: ٢٩١٤)

قال الخطابي: أما قوله عليه السلام: هذه القبلة، معناه يحتمل وجها ثالثًا: وهو أن معناه هذه الكعبة هي المسجد الحرام الذي أمرتم باستقباله لا كل الحرم، ولا مكة و لا كل المسجد الذي حول الكعبة؛ بل هي الكعبة نفسها فقط. (المنهاج على شرح صحيح مسلم، كتاب الحج / باب استحباب دخول الكعبة للحاج الخ تحت رقم: ١٣٣٠ بيت الأفكار الدولية)

وأصل ذلك أن الناس في استقبال القبلة على ضربين: فأما من عاين البيت فإن فرضه استقباله خاصة لا يجوز له غير ذلك؛ لأنه معاين للقبلة التي فرض عليه استقبالها، فمن لم يستقبلها تيقن انحرافه عنها، وذلك غير جائز ...... إذا ثبت ذلك فاختلف متأخروا أصحابنا هل يلزمه أن يجتهد في إصابة الجهة أو العين؟ قال القاضي أبو محمد وأكثر أصحابنا: أنه إنما يلزمه الاجتهاد في إصابة الجهة والدليل على ذلك قوله تعالىٰ: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ والشطر: النحو والجهة. (المنتقىٰ شرح الموطأ، كتاب الصلاة / باب ما جاء في القبلة ٣٩٨/٢-٣٩٩ تحت رقم: ٤٥٧ دار الكتب العلمية بيروت)

أخرج البيهقي عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما بألفاظ مختلفة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: البيت قبلة لأهل المسجد، والمسجد قبلة لأهل الحرم، الحرم قبلة لأهل الأرض في مشارقها ومغاربها من أمتي. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصلاة / باب من طلب باجتهاده جهة الكعبة ١٥/٢-١٦ رقم: ٢٢٣٤ دار الكتب العلمية بيروت)

فللمكي الخ، إصابة عينها يعم المعاين وغيره؛ لكن في البحر أنه ضعيف، والأصح أن من بينه وبينها حائل كالغائب. (الدر المختار، كتاب الصلاة / مطلب في ستر العورة ١٠٨/٢ زكريا، ٩٧/٢ بيروت، البحر الرائق، كتاب الصلاة / ترك الأذان والإقامة ٣٠٠/١ دار الكتاب الإسلامي)

قال في معراج الدراية: ومن كان بمكة وبينه وبين الكعبة حائل يمنع المشاهدة كأبنية، فالأصح أن حكمه حكم الغائب. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة وأركانها ٢١٤ دار الكتب العلمية بيروت)

ومن كان خارجًا عن مكة فقبلته جهة الكعبة، وهو قول عامة المشائخ وهو الصحيح. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثالث في استقبال القبلة ٦٣/١ زكريا)

حتى لو أزيلت الموانع لايشترط أن يقع استقباله على عين الكعبة لا محالة، وهذا قول الشيخ أبي الحسن الكرخي والشيخ أبي بكر الرازي. قال في الهداية: وهو الصحيح. (غنية المتملي شرح منية المصلي، كتاب الصلاة / استقبال القبلة وما يتعلق به من المسائل ٤٥١/٢ مكتبة دار العلوم ديوبند، ٢١٨ قديم سهيل اکیڈمی لاهور، رد المحتار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ١٠٩/٢ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ٣٣/٢ رقم: ١٦٠٨ زكريا)

استقبال القبلة شرط إن قدر عليه وإلا فيكتفي بالجهة، والمعتبر التوجه إلى مكان البيت دون البناء. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة/ الفصل الثاني في فرائض الصلاة وواجباتها ٣٦/٢ رقم: ١٦١٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبلہ سے ۲۰ رڈگری منحرف مسجد میں نماز کا حکم

سوال (۱۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک مسجد جس کی عمارت بوسیدہ ہو چکی تھی، اس عمارت کو شہید کر کے نئی عمارت تعمیر کرائی گئی، جس میں پرانے قبلہ کے رخ سے نئی عمارت کے قبلہ کے رخ میں ۲۰؍ڈگری فرق آ گیا ہے، مسجد کا نیا قبلہ شمال کی جانب ۲۰؍ڈگری ہٹ گیا ہے، کیا اس حالت میں مسجد میں نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- قبلہ میں ۲۰؍ڈگری اِنحراف کے باوجود نماز بلاشبہ درست ہے، اس لئے جس رخ پر مذکورہ مسجد بن گئی ہے، اسی رخ پر نماز جاری رکھی جائے، تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافًا لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۱۰۹/۲ زكريا، درر الحكام شرح غرر الأحكام، كتاب الصلاة / شرائط الصلاة ٦٠/١ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۳/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ناخن میں رنگ لگا رہ گیا اور نماز پڑھا دی؟

سوال (۱۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے رنگائی کا کام کیا، پھر ہاتھ پیر سے رنگ صاف کر کے اور وضو کر کے نماز پڑھی، پھر صبح غسل کر کے نماز میں امامت کی، اس کے بعد پھر رنگائی کی، پھر ہاتھ پیر دھلنے کے بعد اور اعضاء کے خشک ہو جانے کے بعد ناخن میں لگا ہوا رنگ دیکھا، زید نے دیکھا کہ کہیں یہ رات کا رنگ نہ ہو تو کیا اس شک کی بنیاد پر نماز دہرانی ہوگی اور جو نماز پڑھائی ہے اس کا حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں زید نے صبح کی رنگائی کے عمل کے بعد ناخن میں جو رنگ لگا دیکھا ہے، اس کو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ موجودہ رنگائی کا ہی لگا ہوا رنگ ہے؛ لہٰذا اس سے پہلے کی رنگائی کے بعد غسل کر کے جو عشاء اور فجر کی نماز پڑھائی ہے وہ

درست ہوگئی ہے، اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولـو أيقن بالطهارة و شك بالحدث أو بالعكس أخذ باليقين الخ. (الدر المختار، كتاب الطهارة / قبيل مطلب في أبحاث الغسل ۲۸۳/۱ زكريا، ۱۵۰/۱ كراچی)

الأصـل إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته منها ما قدمناه فيما لو رأى في ثوبه نجاسة وقد صلى فيه ولايدرى متى أصابته يعيدها من آخر حدث أحدثه ....

(الأشباه والنظائر / القاعدة الثالثة ۲۰۳/۱ رقم: ۴۲۱ مكتبة الحرمين داكا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اُنگلیوں پر نجاست لگ جائے تو چوتھائی عضو کہاں سے شمار ہوگا؟

سوال (۱۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص کی اُنگلیوں پر نجاست خفیفہ لگ جائے تو چوتھائی عضو کا شمار پورے ہاتھ سے ہوگا یا پھر ہر اُنگلی کے اعتبار سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - فقہاء کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُنگلیوں سمیت پورا ہاتھ نجاست کے بارے میں ایک عضو شمار ہوتا ہے، اور ہر ہر اُنگلی کو الگ عضو کی حیثیت نہیں دی جاتی۔ بریں بناء اگر اُنگلیوں پر نجاستِ خفیفہ لگی ہے تو دیکھا جائے گا کہ پورے ہاتھ کے چوتھائی حصہ سے کم پر لگی ہے یا اُس سے زیادہ پر، اگر زیادہ پر لگی ہے تو مانع صلوٰۃ ہوگی، اور اگر کم ہے تو مانع نہ ہوگی۔

ثـم اختـلـفـوا فـي كـيـفـية اعتبـار الـربـع عـلى ثلاثة أقوال: ربع العضو الـمـصـاب كـاليـد والرجل إن كان بدنا، وصححه صاحب التحفة والمحيط والبـدائـع والـمـجتبى والسراج الوهاج. وفي الحقائق: وعليه الفتوى. (البحر الرائق، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۴۰۵/۱ زكريا، ۲۳۴/۱ كراچی)

اختلف المشايخ في تفسير الربع، قال بعضهم: هو ربع جميع الثوب والبدن. وقيل: ربع كلّ عضو وطرف أصابته النجاسة من اليد والرجل والكم، هو الأصحّ. (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۶۳/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت، ۱۹٤/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

ومقتضى قولهم: كاليد والرجل: اعتبار كل من اليد والرجل بتمامه عضوًا واحدًا. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۵۲۷/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دورانِ تدفین کپڑوں پر لگنے والی مٹی کا حکم

سوال (۱۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کی مٹی پاک ہے یا ناپاک؟ میت کو مٹی دینے کے بعد مٹی کپڑے کو لگ جائے، تو کیا اُس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر کسی نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو تو قبرستان کی مٹی فی نفسہٖ پاک ہے، وہ اگر کپڑے میں لگی رہ جائے تو نماز درست ہوگی؛ البتہ اگر مٹی میں نجاست کا اثر پایا جائے، مثلاً: نجاست کی بدبو محسوس ہو تو وہ ناپاک قرار دی جائے گی۔

لا لو تغير بطول مكثٍ فلو علم نتنه بنجاسة لم يجز، ولو شك فالأصل الطهارة (الدر المختار) وينبغي حمل التيقن المذكور على غلبة الظن والخوف على الشك أو الوهم كما لا يخفى. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المياه ۳۳۲/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا زبان سے نماز کی نیت کرنا بدعت ہے؟

سوال (۱۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا نماز کی نیت زبان سے کرنا بدعت ہے؟ جیسا کہ بعض عبارتوں میں لکھا ہوا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نماز وغیرہ عبادات میں نیت کے اَلفاظ زبان سے اَدا کرنا سنت یا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ دل کا اِرادہ کافی ہے؛ البتہ جو شخص یکسوئی اور دلی اطمینان کے لئے نیت کے الفاظ زبان سے کہہ لے تو اِس میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ بہتر اور مستحب ہے۔ اور زبان سے نیت کو جن عبارات میں بدعت کہا گیا ہے وہ یا تو اُس صورت میں ہے جب کہ تلفظ کو لازم سمجھا جائے یا اُس سے بدعت حسنہ مراد ہے۔

والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة الخ، والتلفظ عند الإرادة بها مستحب هو المختار الخ، وقيل سنة يعني أحبه السلف أو سنه علماؤنا إذ لم ينقل عن المصطفى ولا الصحابة ولا التابعين بل قيل بدعة (الدر المختار) نقله في الفتح. وقال في الحلية: ولعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۹۱-۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اپنی مادری زبان میں نیت کے اَلفاظ اَدا کرنا؟

سوال (۱۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا عربی زبان میں نماز کی نیت ضروری ہے یا کسی بھی زبان میں کر سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- عربی زبان کی کوئی قید نہیں ہے؛ بلکہ کسی بھی

زبان میں نیت کے اَلفاظ کہہ سکتے ہیں۔

وتكون بلفظ الماضي ولو فارسيًا الخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ص: ۹۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

فرض نماز کا اِرادہ ہے؛ لیکن غلطی سے زبان سے نفل نکل گیا

سوال (۱۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا فرض نماز نفل کی نیت سے اَدا ہوجائے گی؟ اگر غلطی سے نفل کہہ دیا تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر دل میں فرض کا اِرادہ تھا اور غلطی سے زبان سے نفل کا لفظ نکل گیا تو نماز درست ہوجائے گی؛ لیکن اگر فرض کا ابتداء میں کوئی اِرادہ نہ تھا، اور زبان سے نفل نماز کی نیت کی تو اُس نماز سے فریضہ اَدا نہ ہوگا؛ اِس لئے کہ فرائض کی اَدائیگی کے لئے تعیین ضروری ہے جو اس صورت میں متحقق نہ ہوگی۔

أو إن كان فرضًا فلا بد من التعيين كالظهر مثلًا لاختلاف الفروض.

(الهداية، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة التي تتقدمها ۴۷/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ويعينها أي يشترط فيها التعيين ولا يكفي مطلق نية الصلاة. وكذا جميع الفرائض والواجبات الخ. (حلبي كبير / مسائل تتعلق بالنية في الصلاة ص: ۲۴۹ سهيل اكيڈمی لاهور، ۴۹/۲ مكتبة دار العلوم ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۶/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

وقتیہ نماز کی نیت میں دوسری فرض نماز کا نام لے لیا

سوال (۱۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے ایک فرض نماز پڑھتے وقت دوسری فرض نماز کا نام لے دیا، مثلاً ظہر میں عصر کا وغیرہ، تو اس نماز کا کیا حکم ہے، کون سی نماز ہوگی؟ مثلاً دل میں ارادہ وقتیہ نماز کا تھا؛ لیکن زبان پر دوسری نماز کا نام آ گیا اور نیت باندھ لی مثلاً دل میں ظہر ہے اور زبان پر عصر کا لفظ آ گیا تو وقتیہ نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں دل کے ارادے اور نیت کا اعتبار ہے، زبان سے اگر اس کے خلاف لفظ نکل گیا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، پس اگر دل میں وقتیہ نماز کا اِرادہ تھا اور زبان پر غلطی سے دوسری نماز کا نام آ گیا تو بھی وقتیہ نماز درست ہو جائے گی۔

والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب؛ لأنه كلام لا نية (الدر المختار) فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهوًا أجزأه كما في الزاهدي. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة، بحث النية ۹۱/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھڑے ہونے کی ہمت نہ کر سکنے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال (۱۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے؛ لیکن وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر ہے، مگر ہمت نہیں کرتا، تو کیا بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے؟

(۲) اگر کوئی یوں ہی بیٹھ کر نماز پڑھے تو کیا نماز ہو جائے گی؟ فرض، سنت اور نفل سب کا مسئلہ بتائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں قیام پر قدرت کے باوجود فرض یا واجب نماز بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے؛ البتہ اُن کے علاوہ دیگر نمازیں (سنن ونوافل) بلاعذر بیٹھ کر پڑھنے سے بھی اَدا ہوجاتی ہے؛ اگرچہ ثواب کم ملتا ہے۔

من الفرائض القيام ولو صلى الفريضة قاعدًا مع القدرة على القيام لا تجوز صلاته. (غنية المتملي، كتاب الصلاة / مسائل تتعلق بالقيام ٧٤/٢ مكتبة الجامعة الإسلامية دارالعلوم ديوبند)

ويجوز التطوع وسائر النوافل قاعدًا بغير عذر لما أخرج الجماعة إلا مسلمًا. عن عمران بن حصين رضي اللّٰه عنه قال: سألت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن صلاة الرجل قاعدًا، فقال: من صلى قائمًا فهو أفضل ومن صلى قاعدًا فله نصف أجر القائم. (غنية المتملي شرح منية المصلي، كتاب الصلاة / مسائل تتعلق بالقيام ٨٩/٢ مكتبة الجامعة الإسلامية دارالعلوم ديوبند) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

سجدے پر قادر اور رکوع پر قدرت نہ رکھنے والا شخص نماز کیسے پڑھے؟

سوال (۱۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص قیام اور سجدہ پر تو قادر ہے؛ لیکن رکوع پر قادر نہیں ہے، تو ایسا شخص پوری نماز بیٹھ کر اِشارہ سے پڑھے یا قیام اور سجدہ کے ساتھ رکوع کا اِشارہ کیسے کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اولاً تو یہ بات بظاہر متصور نہیں ہے کہ آدمی سجدے پر قادر ہو اور رکوع کی قدرت نہ رکھے (کیوں کہ سجدے میں اِس سے زیادہ مشقت پائی جاتی ہے) لیکن اگر بالفرض ایسی صورت پائی جائے، تو ایسے شخص سے سجدے کی فرضیت ساقط نہ

ہوگی؛ بلکہ اُسے جیسے بھی ہوسکے، سجدہ اَدا کرنا ہوگا اور رکوع کے لئے اِشارہ کرے گا۔

قال في البحر: ولم أر ما إذا تعذر الركوع دون السجود غير واقع أي لأنه متى عجز عن الركوع عجز عن السجود، نهر. قال ح: أقول على فرض تصوره ينبغي أن لايسقط لأن الركوع وسيلة إليه ولايسقط المقصود عند تعذر الوسيلة كما لم يسقط الركوع والسجود عند تعذر القيام. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة المريض ۲/۵٦۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۵/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دلدلی زمین پر سجدہ کا حکم

سوال (۲۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تالاب کے کنارے کچھ خشک جگہ ہے جو اُوپر سے سخت ہے جس پر سجدہ کیا جاسکتا ہے؛ لیکن نیچے سے نرمی کی وجہ سے جب اُس پر چلتے ہیں تو وہ ہلتی رہتی ہے، گویا وہ نیچے سے دلدلی زمین ہے، تو اُس پر نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر مذکورہ زمین پر سجدہ کرتے وقت سر اور ناک بسہولت ٹک جاتی ہے، تو اُس پر نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا شرعاً درست ہے، محض ہلنے کی وجہ سے سجدہ کی ممانعت نہ ہوگی، جیسا کہ ہلنے والے تخت پر نماز پڑھنے کی مطلقاً اِجازت ہے۔

ومن شروط صحة السجود كونه على ما أي شيء يجد الساجد حجمه بحيث لو بالغ لا تتسفل رأسه أبلغ ما كان حال الوضع فلا يصح السجود على القطن والثلج والتبن والأرز والذرة. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة وأركانها ص: ۲۳۱ زكريا)

ولـو سـجـد على الحشيش أو التبن أو على القطن أو الطنفسة أو الثلج إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز، وإن لم تستقر لا. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الرابع في صفة الصلاة ۱/ ۷۰ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۴/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کھیتی کی دلدلی زمین پر نماز پڑھنا

سوال (۲۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک کاشت کار ہے وہ کھیت پر ہی نماز پڑھنا چاہتا ہے؛ لیکن کھیت میں اِس قدر نمی ہے کہ وہ دلدل بنا ہوا ہے کہ اگر سجدہ کرتے ہیں تو ناک اندر گھس جاتی ہے، تو وہاں نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ایسی کیچڑ اور دلدل میں- جس میں پیشانی اور ناک سخت زمین پر نہ ٹک پاتی ہو- نماز پڑھنا درست نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ شخص کو چاہئے کہ ایسی جگہ تلاش کر کے نماز پڑھے جہاں زمین پر بآسانی سجدہ کیا جاسکتا ہے۔

ولـو سـجـد على الحشيش أو التبن أو على القطن أو الطنفسة أو الثلج إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز، وإن لم تستقر لا. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة ۱/ ۷۰ زكريا)

ومن شروط صحة السجود كونه على ما أي شيء يجد الساجد حجمه بـحيـث لـو بـالغ لا تتسفل رأسه أبلغ مما كان حال الوضع فلا يصح السجود عـلى القطن والثلج والتبن والأرز والذرة الخ. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،

کتاب الصلاۃ / باب شروط الصلاۃ وأرکانہا ص: ۲۳۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۴/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

فوم کے اُوپر گرم صف بچھا کر یا صرف فوم پر نماز پڑھنا

سوال (۲۰۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں مساجد میں موسم سرما میں عموماً ہیٹ لون (گرم گدے) جس کی موٹائی ۱۲/ایم ایم یا ۱۰/ یا ۸/ایم ایم ہوتی ہے، اور اس کے اوپر گرم صف (اس کی موٹائی تقریباً اتنی یا اس سے کچھ کم) بچھائی جاتی ہے اور ہیٹ لون کا عام رواج ۱۲/ایم ایم کا ہے، جس کا نمونہ پیش خدمت ہے، بعض مساجد میں صف بچھائے بغیر اس پر ایسے ہی نماز پڑھ لی جاتی ہے، ایسی صورت میں سجدہ اَدا ہوجائے گا یا کچھ حرج واقع ہوگا؟ بصورتِ دیگر سجدہ کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر صفوں کے نیچے مذکورہ فام بچھایا جائے تو ان صفوں پر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں پیشانی کے استقرار میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، اور اگر خود ان فوم کی صفوں پر نماز پڑھی جائے تو اُس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر فوم کی موٹائی اتنی کم ہے کہ پیشانی ٹک جاتی ہے تو نماز درست ہے، اور اگر فوم اتنی نرم اور موٹی ہو کہ پیشانی نہ ٹک پائے اور اندر دھنستی رہے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

وأن یجد حجم الأرض والناس عنہ غافلون (الدر المختار) تفسیرہ أن الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسہ أبلغ من ذلک، فصح علی طنفسۃ وحصیر وحنطۃ وشعیر وسریر وعجلۃ إن کانت علی الأرض …… ومن ہنا یعلم الجواز علی الطراحۃ القطن، فإن وجد الحجم جاز و إلا فلا. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب صفۃ الصلاۃ ۲/۲۰۶ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۶/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عوامی مقامات پر نماز کا مسئلہ

"عوامی مقامات پر نماز کے مسئلہ" سے متعلق حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کا مقالہ پیش خدمت ہے، جو "مجلس تحقیقات شریعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ" کی جانب سے موصول شدہ سوال نامہ کے جواب کے طور پر تحریر کیا گیا تھا۔ (از: مرتب)

تمہید:- نماز اِسلام کا بنیادی رکن ہے، جس کی اَدائیگی اور صحت کے لئے شریعت نے نماز کی جگہ کے پاک ہونے کو شرط قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ/ باب فرض الوضوء حدیث:۶۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لئے پوری روئے زمین کو سجدہ گاہ قرار دیا ہے۔ (صحیح البخاری/ باب قول النبی ﷺ جعلت الارض مسجداً وطہوراً حدیث: ۴۳۸، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ/ باب جعلت لی الارض مسجداً وطہوراً حدیث: ۵۲۱)

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی اَدائیگی کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں؛ بلکہ دنیا بھر کے تمام مقامات پر نماز اَدا کی جاسکتی ہے؛ لیکن اسی کے ساتھ بعض دوسری اَحادیث میں اُن مقامات کا بھی تذکرہ ہے جہاں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ (سنن الترمذی/ باب ما جاء فی کراہیۃ ما یصلی الیہ وفیہ حدیث: ۳۴۶-۳۴۸)

فقہ کی کتابوں میں اشتراکِ علت کی بنا پر اِن مقامات کے علاوہ اور بھی چند جگہوں کا ذکر ہے، جہاں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ (درمختار ۱/۵۵، ردالمحتار ۱/۳۷۹)

اِسی طرح فقہ کی کتابوں میں "ارضِ مغصوبہ" کا تذکرہ اور اُس کی تفصیلات بھی درج ہیں۔ (ردالمحتار ۱/۳۷۹-۳۸۱)

اَحادیث صریحہ اور فقہاء کی مذکورہ بالا تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے آج کے حالات

میں ہمارے سامنے عوامی مقامات پر نماز پڑھنے کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔

اِس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے یہ بات بھی ہمارے پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ ملکیت کے اعتبار سے زمین کی مختلف نوعیتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً:

الف:- کسی شخص کی ذاتی ملکیت والی زمین۔

ب:- زمین کی ملکیت ذاتی اور شخصی ہے، مگر وہ زمین ایسی ہے جہاں عوام کی آمد ورفت معروف ومروج ہے۔

ج:- حکومت کی زیرِ ملکیت وہ اَراضی جہاں عام لوگوں کے لئے آنا جانا منع ہے۔

د:- حکومت کی زیرِ ملکیت ایسی جگہیں جو عوام کی سہولت کیلئے بنائی گئی ہوں، جیسے: ریلوے اسٹیشن، ایئرپورٹ وغیرہ۔

اِن تفصیلات کی روشنی میں عوامی مقامات پر نماز سے متعلق درج ذیل سوالات قابل توجہ ہیں، جن پر غور کرنا اور اُمت کی رہنمائی کرنا اہل علم کی ذمہ داری ہے۔

سوال (۲۰۳/۱):- نماز کے لئے زمین کی بابت ''اَرضِ غیر'' اور ''اَرضِ مغصوبہ'' اور حکومت کی زیرِ ملکیت زمین میں فرق ہوگا یا اِن سب کا حکم یکساں ہوگا؟

سوال (۲۰۴/۲):- پیٹرول پمپ، ریسٹورینٹ جیسی جگہیں عموماً کسی فرد یا اِدارہ کی ملکیت ہوتی ہیں؛ مگر چوں کہ اِن جگہوں سے عام لوگوں کی ضرورت وابستہ ہوتی ہے، اِس لئے عام لوگوں کی آمد ورفت، لوگوں کا کچھ وقت کے لئے وہاں رکنا معمول کی بات سمجھی جاتی ہے، ایسی جگہوں پر نماز پڑھنے کی اِجازت ہوگی یا اِس کے لئے اصل مالک سے اِجازت کی ضرورت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نماز چند ہیئات (قیام، رکوع، قعود) پر مشتمل ایک عمل ہے، پس جس جگہ عام لوگوں کے لئے قیام وقعود کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو، وہاں مطلقاً نماز اَدا کرنے کی شرعاً اِجازت ہوگی، ایسی جگہوں پر اگر صرف نماز کی ممانعت کی جائے

(جب کہ دیگر لوگوں کے لئے بیٹھنے اُٹھنے کی کوئی ممانعت نہ ہو) تو یہ سراسر زیادتی کہلائے گی، اور محض تعصب پر مبنی اقدام ہوگا۔

البتہ کوئی ایسی مخصوص جگہ جہاں عام لوگوں کے آنے جانے کی اِجازت نہ ہو، جیسے گھر یا مملوکہ کھیت وغیرہ، تو وہاں نماز اَدا کرنے کے لئے بے شک مالک کی اِجازت ضروری ہوگی۔ اور اِس بارے میں فقہاء کی ذکر کردہ عبارتوں کا محمل یہی خاص صورت ہے۔

تكره في أرض الغير لو مزروعة أو مكروبة، إلا إذا كانت بينهما صداقة أو رأى صاحبها لا يكرهه فلا بأس. تنبيه: نقل سيد عبد الغني عن الأحكام لوالده الشيخ إسماعيل أن النزول في أرض الغير إن كان لها حائط أو حائل يمنع منه وإلا فلا، والمعتبر فيه العرف. قال: يعني عرف الناس بالرضا وعدمه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / مطلب في الصلاة في الأرض ٢/٤٤ زكريا)

فلو مزروعة أو لكافرٍ يصلي في الطريق، أي لأن له في الطريق حقًا كما في مختارات النوازل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / مطلب في الصلاة في الأرض ٢/٤٤ زكريا)

سوال (۳/۲۰۵):- اَفراد کی ملکیت جیسے خالی پلاٹ، کھیتی کی زمین یا دوکان میں نماز پڑھنے کے لئے مالک کی اِجازت ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ایسی ملکیت والی زمین میں نماز پڑھنے کے لئے مالک کی اِجازت ضروری ہے؛ جب کہ مالک کی طرف سے ناگواری کا اندازہ ہو۔

تكره في أرض الغير لو مزروعة أو مكروبة، إلا إذا كانت بينهما صداقة أو رأى صاحبها لا يكرهه فلا بأس. (رد المحتار، كتاب الصلاة / مطلب في الصلاة في الأرض ٢/٤٤ زكريا)

الصلاة في أرض مغصوبة جائزة؛ ولكن يعاقب بظلمه، فما كان بينه

وبین اللّٰہ تعالیٰ یثاب وما کان بینه وبین العباد یعاقب. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة / الفصل الثاني فیما یکره في الصلاة وما لا یکره ۱۶۸/۱ زکریا)

سوال (۲۰۶/۴): -فقہاء نے عام طور پر راستے میں نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے؛ لیکن آج کل عموماً راستے چوڑے ہوتے ہیں، قومی شاہ راہیں اور صوبائی شاہ راہیں بھی وسیع اور کشادہ ہوتی ہیں، اور سڑک کے کنارے پیدل چلنے کی جگہ بھی مختص ہوتی ہے، اُس کے بعد بھی کچھ جگہیں بچی ہوتی ہیں، اِس پس منظر میں فقہاء کا یہ حکم باقی رہے گا یا وہ حکم چھوٹے اور تنگ راستوں کے لئے مختص مانا جائے گا، جہاں نماز کی وجہ سے چلنے والوں کو پریشانی ہوتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - بیچ راستے میں نماز کی ممانعت اُس صورت پر محمول ہے جب کہ گذرنے والوں کو تنگی اور پریشانی پیش آتی ہو؛ لہٰذا اگر راستہ کے کنارے پر کوئی شخص نماز پڑھے تو وہ ممنوع نہ ہوگا۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن یصلي في سبعة مواطن: في المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطریق ...... فالمراد بها الطریق الذي یقرعه الناس والدواب بأرجلهم لاشتغال القلب بالخلق عن الحق. (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة / باب المساجد ومواضع الصلاة ۴۱۲/۲ زکریا)

نهی أن یصلي في سبعة مواطن: في المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطریق وفي الحمام ومعاطن الإبل وفوق ظهر بیت اللّٰه. (سنن الترمذي / أبواب الصلاة ۸۱/۱ رقم: ۳۴۶)

فلو مزروعة أو لکافرٍ یصلي في الطریق، أي لأن له في الطریق حقًا کما في مختارات النوازل. (رد المحتار، کتاب الصلاة / مطلب في الصلاة في الأرض ۴۴/۲ زکریا)

سوال (۵/ ۲۰۷): - ریلوے اسٹیشن، ایئرپورٹ اور حکومت کی ملکیت والے دیگر مقامات پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مذکورہ مقامات میں نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ دوسروں کی اَذیت کا سبب نہ ہو۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام. (سنن ابن ماجة / المساجد والجماعات ص: ٥٤ رقم: ٧٤٥)

سوال (۶/ ۲۰۸): - ٹرین اور جہاز جیسی بڑی سواری گاڑیاں جو حکومت کی ملکیت ہوتی ہیں، ان میں خالی جگہ بھی ہوتی ہیں، جہاں نماز پڑھی جاسکتی ہے، تو ایسی جگہوں پر نماز اَدا کرنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - ٹرین اور جہاز جیسی بڑی سواری پر نماز اَدا کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ ایسی صورت اختیار کی جائے کہ دیگر سواریوں کو ناگواری یا تکلیف نہ ہو، مثلاً گذرگاہ میں نیت نہ باندھیں۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام. (سنن ابن ماجة / المساجد والجماعات ص: ٥٤ رقم: ٧٤٥)

سوال (۷/ ۲۰۹): - اَرضِ غیر اور حکومت کی زیر ملکیت مقامات میں نماز پڑھنے کیلئے اِجازت کی کیا علامت ہوگی؟ کیا نماز کی ممانعت نہ ہونا اِجازت کیلئے کافی سمجھا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر ان جگہوں پر عام لوگوں کو آنے جانے اور

اٹھنے بیٹھنے کی مطلق اجازت ہے تو اسی میں نماز پڑھنے کی اجازت بھی داخل ہوگی، الگ سے نماز کی اِجازت لینے کی شرعاً ضرورت نہ ہوگی۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام. (سنن ابن ماجة / المساجد والجماعات ص: ٥٤ رقم: ٧٤٥)

الصلاة جائزة في جميع ذلک. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره ١٦٨/١ زكريا)

نوٹ:- احقر کی نظر میں ہندوستان میں عوامی جگہوں پر نماز کی ممانعت کے مسئلہ کا تعلق شرعی حکم سے نہیں ہے؛ بلکہ یہ خالص ایک سیاسی موضوع ہے؛ کیوں کہ نفس نماز سے نہ تو کسی کی حق تلفی ہوتی ہے اور نہ کسی کے مفاد پر زد پڑتی ہے، اِس لئے ہمیں بجا طور پر لوگوں کو اِس بات کی رہنمائی کرنی چاہئے کہ عوامی مقامات پر نماز پڑھنے میں شرعی اعتبار سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور ملکیت غیر والا مسئلہ اِس پر صادق نہیں آتا ہے؛ کیوں کہ جب وہاں عام لوگوں کو اُٹھنے بیٹھنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے تو صرف نماز سے روکنا (جو فی الجملہ اُٹھنے بیٹھنے ہی پر مشتمل ایک عبادت ہے) سراسر تعصب ہے، ہمیں اِس سے مرعوب نہیں ہونا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم تدریس دار العلوم دیوبند

۱۴۴۵/۲/۱۹ھ مطابق ۲۰۲۳/۹/۶ء بروز بدھ

اِمام کا سجدے میں پیروں کی اُنگلیاں زمین سے نہ لگانا

سوال (۲۱۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مسجد میں اِمام ہے اور وہ جب نماز پڑھاتا ہے تو دورانِ نماز کبھی اس کے دونوں پیر اور کبھی پیروں کی نو اُنگلیاں اُٹھ جاتی ہیں اور صرف دائیں پیر کا انگوٹھا لگا رہتا ہے، یہ حالت

کافی وقت سے ہے، جب زید کو مذکورہ حالت کے بارے میں بتلایا گیا تو کچھ وقت تک اس نے سنت کے مطابق پیروں کی انگلیاں زمین سے لگا کر نماز پڑھائی؛ لیکن اب پھر اسی سابقہ حالت پر ہے اور جب اس سے اس بارے میں دوبارہ کہا گیا تو زید نے کہا کہ مجھ کو اس حالت کے بارے میں پتہ نہیں چلتا، مذکورہ مسئلہ سے متعلق حکم واضح فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اِمام صاحب کو پوری کوشش کرنی چاہئے کہ سجدہ کی حالت میں پیر کی سب اُنگلیاں زمین پر لگی رہیں؛ تاہم اگر صرف اُنگوٹھا زمین پر لگا رہا ہے تو بھی نماز درست ہوگئی، اِعادہ واجب نہیں ہے۔

وفیه أي في شرح الملتقی: یفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة وإلا لم تجز. (الدر المختار، کتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/ ۲۰٤ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقدارِ قرأت اور محلِ قرأت نماز میں دو الگ الگ واجب ہیں

سوال (۲۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نور الایضاح ’’فصل فی واجبات الصلوٰۃ‘‘ میں لکھا ہے کہ رباعی فرض کی غیر متعین دو رکعتوں میں قرأتِ فاتحہ اور ضم سورت واجب ہے، جب کہ اُسی فصل میں آگے لکھا ہے کہ ’’پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی تعیین واجب ہے‘‘۔ اِس کے برخلاف شامی، البحر وغیرہ فقہی کتابوں میں واجبات کی بحث میں صرف پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور ضم سورت کو واجب کہا گیا ہے، غیر متعین طور پر دو رکعتوں کی بات مذکور نہیں ہے، تو اِس تعارض کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟ واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ’’نور الایضاح‘‘ کی عبارت میں دو واجبات کو

الگ الگ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اول یہ ہے کہ رکعات کی تعیین کے بغیر قرأت میں کس قدر پڑھنا واجب ہے؟ اِس کو اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ''**قراء ة الفاتحة وضم سورة أو ثلاث آيات في ركعتين غير متعينين من الفرض الخ**''. اُس کے بعد دوسرا مستقل واجب یہ ہے کہ متعین طور پر فرض نماز کی ابتدائی دو رکعتوں میں قرأت ہو، جس کے متعلق عبارت یہ ہے: ''**وتعيين القراء ة في الأوليين**'' تو گویا کہ نورالایضاح میں پہلے واجب کا تعلق مقدار قرأت سے ہے، اور دوسرے واجب کا تعلق تعیین رکعات سے ہے۔ اِس کو الگ الگ ذکر کرنے کا منشاء یہ ہے کہ دونوں واجبات مستقل طور پر سامنے آجائیں، اِس کے برخلاف دیگر بعض فقہا نے مجموعی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے اِن دونوں واجبات کو یکجا کر کے بیان کر دیا ہے؛ جیسا کہ بدائع اور شامی وغیرہ میں مذکور ہے، اِس لئے ''نورالایضاح'' کی بات اپنی جگہ درست اور بے غبار ہے، اور دیگر عبارات سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔

منها تعيين قراء ة الفاتحة فإن قراء تها واجبة عندنا ومنها تعيين القراء ة المفروضة في الصلاة في الركعتين الأوليين. (حلبي كبير ص: ٢٥٥)

الأول: وجوب قراء ة الفاتحة، والثاني ضم سورة قصيرة أو ثلاث آيات قصار لقوله عليه السلام: ''لا صلاة لمن لم يقراء بالحمد لله وسورة في فريضة أو غيرها'' في ركعتين غير متعينتين من الفرض غير الثنائي وفي جميع الثنائي ...... ويجب تعيين القراء ة الواجبة في الأولين من الفرض لمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على القراء ة فيهما. (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في واجبات الصلاة ص: ٣٩٤ المكتبة العصرية، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في بيان واجب الصلاة ص: ٢٤٨ دار الكتب العلمية بيروت)

وهي قراء ة فاتحة الكتاب وضم سورة في الأوليين من الفرض ...... وتعيين القراء ة في الأوليين من الفرض على المذهب. (تنوير الأبصار مع الدر المختار)

وتحته في الشامية: قوله في الأوليين الخ، لايتكرر هذا مع قوله قبله في الأوليين؛ لأن المراد هنا القراء ة ولو آية، فتعيين القراء ة مطلقًا فيهما واجب وضم السورة مع الفاتحة واجب آخر. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب في صفة الصلاة ۱۴۸/۲-۱۵۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۳/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان

سوال (۲۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام صاحب کا نماز پڑھاتے وقت دونوں سجدوں کے درمیان صرف اتنا بیٹھنا کہ ان کی کمر سیدھی ہو جائے اور ایک سکنڈ کے بقدر وہ بیٹھ جائیں؛ لیکن اتنا بیٹھتے ہی سجدے میں چلے جائیں اور مقتدی حضرات جلسے میں ان کے ساتھ شریک نہ ہوسکیں، امام صاحب کے جلسے میں صرف ایک سکنڈ بیٹھنے کی وجہ سے، امام صاحب کا یہ عمل کیسا ہے اس موقع پر امام صاحب کو مقتدی حضرات کا کتنا خیال رکھنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں امام صاحب کو چاہئے کہ وہ اطمینان کے ساتھ اِس طرح سب اَرکان اَدا کریں کہ نمازی حضرات بسہولت اُن کے ساتھ شریک ہوسکیں اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں؛ تاہم اگر وہ دونوں سجدوں کے درمیان ایک مرتبہ تسبیح یعنی ''سبحان ربی العظیم'' کے بقدر بیٹھ جائے تو اِمام صاحب اور بعد میں جلسہ کرنے والے مقتدیوں کی نماز درست ہو جائے گی؛ کیوں کہ مقتدی اگر کسی رکن کو اِمام کے بعد بھی اَدا کریں تو بھی ان کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

وينبغي أن تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة. (غنية المتملي / مطلب في القومة والجلسة والاطمينان فيهما ۱۳۳/۲ مكتبة دار العلوم ديوبند)

ويستقر كل عضو في محله بقدر تسبيحة كما في القهستاني الخ. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة / فصل في بيان واجب الصلاة ص: ۲۴۹ زكريا، رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱۵۷/۲ زكريا)

قوله و مشاركته في الأركان أي في أصل فعلها أعم من أن يأتي بها معه أو بعده لا قبله إلا إذا أدركه إمامه فيها، فالأول ظاهر والثاني كما لو ركع إمامه ورفع ثم ركع هو فيصح. (رد المحتار / باب الإمامة ۲۸۶/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۳/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مقتدی پر التحیات پڑھنا واجب ہے اور قنوت سنت

سوال (۲۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مقتدی اِمام کے ساتھ قعدۂ اولیٰ میں شریک ہوا ہو، اور اس کی التحیات پوری ہونے سے پہلے اِمام کھڑا ہو جائے تو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مقتدی اپنی التحیات پوری کر کے ہی کھڑا ہو، فوراً اِمام کی متابعت نہ کرے۔ اِس کے برخلاف اگر وتر کی نماز میں مقتدی کی قنوت پوری ہونے سے پہلے اِمام رکوع میں چلا جائے تو مقتدی کے لئے قنوت چھوڑ کر اِمام کی متابعت ضروری ہوتی ہے۔ تو ہمارا سوال یہ ہے کہ التحیات اور قنوت کے حکم میں فرق کی وجہ کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - التحیات اور قنوت کے مسئلے میں فرق یہ ہے کہ التحیات کا پورا پڑھنا مستقل واجب ہے؛ جب کہ مقتدی کے لئے قنوت پڑھنا واجب نہیں؛ بلکہ سنت ہے۔ نیز قنوت کے لئے کوئی خاص دعا بھی متعین نہیں ہے؛ بلکہ کوئی بھی دعا یا اُس کا جزو

پڑھنے سے قنوت کی سنت اَدا ہوجاتی ہے، اِسی فرق کوملحوظ رکھتے ہوئے مذکورہ دونوں مسئلوں کی تفریع الگ الگ انداز میں کی گئی ہے، یعنی التحیات کی تکمیل کئے بغیر مقتدی اِمام کی متابعت نہیں کرے گا، جب کہ قنوت میں تکمیل کئے بغیر فوری طور پر متابعت کرلے گا۔

ویأتـی المأموم بقنوت الوتر (الدر المختار) …… وعبارة المحیط كما في الحلية: قال أبويوسف: يسن أن يقرأ المقتدي أيضًا وهو المختار الخ، وهو صريح في أنه سنة للمقتدي لا واجب. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب: الاقتداء بالشافعي ٢/٤٤٥ زكريا)

ركع الإمام قبل فراغ المقتدي من القنوت قطعه وتابعه (الدر المختار) وفي الشامي: قوله وتابعه؛ لأن المراد بالقنوت هنا الدعاء الصادق على القليل والكثير وما أتي به منه كاف في سقوط الواجب وتكميله مندوب والمتابعة واجبةٌ فيترك المندوب للواجب …… قوله: بخلاف التشهد أي فإن الإمام لو سلم أو قام للثالثة قبل إتمام المؤتم التشهد؛ فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه، فوجه الفرق بين القنوت والتشهد هو أن قراءة المقتدي القنوت سنة …… والمتابعة في الركوع واجبةٌ فإذا خاف فوتها يترك السنة للواجب، وأما التشهد فإتمامه واجب؛ لأن بعض التشهد ليس بتشهد فيتمه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب: اقتداء بالشافعي ٢/٤٤٧ زكريا)

المقتدي يتابع الإمام في القنوت في الوتر فلو ركع الإمام في الوتر قبل أن يفرغ المقتدي من القنوت؛ فإنه يتابع الإمام. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثامن في صلاة الوتر ١/١٧٠ مكتبة الاتحاد ديوبند)

ولو قام إلى الثالثة ولم يتم المقتدي التشهد أتم، وإن لم يتمه جاز، وفي فتاوى الأصل يتم وإن خاف فوت الركوع؛ لأن قراءة بعض التشهد لم يعرف

قربة. (فتاویٰ البزازية على هامش الهندية، الباب السادس فيما تدفع به دعوى المدعي وما لا تدفع به / نوع فيما يكره وما لا يكره ٥٧/٤ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ويقرأ تشهد ابن مسعود وجوبًا كما بحثه في البحر. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد ٢١٨/٢ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

قرأت کے مسائل

طوالِ مفصل کے بقدر دیگر سورتوں سے پڑھنا

سوال (۲۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فقہائے کرام طوالِ مفصل، اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل میں جن سورتوں کی تعیین کی ہے، کیا نماز میں انہی سورتوں کا پڑھنا سنت ہے یا پورے قرآن میں سے کہیں سے بھی اتنی مقدار پڑھنا مثلاً امام صاحب نے قصارِ مفصل کی متعینہ سورتوں میں سے نہ پڑھ کر کے اتنی ہی مقدار میں سورۂ یوسف سے پڑھ دیا تو کیا وہ سنت کو ادا کرنے والا شمار ہوگا یا نہیں اور یہ نماز موافق سنت ہوئی یا مخالف سنت ہے؟ دونوں مسئلوں کا مدلل تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- طوالِ مفصل اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل کی تعیین حضرات فقہاء نے استحبابی طور پر فرمائی ہے؛ اس لئے نمازوں میں اس کا لحاظ رکھنا افضل اور اولیٰ ہے؛ تاہم اگر اسی تناسب سے قرآن پاک کی کسی اور سورت سے قراءت کرلی جائے تو بھی نفس قراءت کی سنت ادا ہو جائے گی؛ لیکن جب بھی ان سورتوں کے علاوہ کہیں اور سے قرأت کی جائے تو مضمون کی تکمیل کا لحاظ ضروری رکھنا چاہئے یعنی ایک رکعت میں وہ آیات پڑھی جائیں جن میں معنوی اعتبار سے مضمون ناقص نہ رہے، ظاہر ہے کہ اس کا خیال زیادہ تر علماء راسخین ہی رکھ سکتے ہیں، اس لئے عام طور پر عوام کو فقہاء کی ترتیب کے موافق قراءت کی ترغیب دی جاتی ہے۔

واستحسنوا في الحضر طوال المفصل في الفجر والظهر و أوساطه في العصر والعشاء وقصاره في المغرب كذا في الوقاية ...... فيقرأ أحيانا هذا

للتبرک وأحیانا غیر ذلک للتحرز عن هجران باقي القرآن کذا في التهذیب ولایزید علی القراء ة المستحبة ولایثقل علی القوم ولکن یخفف بعد ان یکون علی التمام والاستحباب کذا في المضمرات ناقلاً عن الطحاوي.

(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة / الباب الرابع في القراء ة ۱/۷۸ زکریا)

ولا بأس بقراء ة القرآن في الصلاة علی التألیف، عرف ذلک بفعل الصحابة وفیه التحرز عن هجر البعض والمستحب قراء ة المفصل تیسیرًا للأمر علی الإمام وتخفیفًا علی القوم کذا في الخانیة. (حلبي کبیر / مسائل تتعلق بقراء ة القرآن والاستماع إلیه ۱۱/۳ مکتبة دارالعلوم دیوبند)

ولو قرأ في رکعة من وسط سورة أو من آخر سورة وقرأ في الرکعة الأخریٰ من وسط سورة أخریٰ أو من آخر سورة أخریٰ لا ینبغي له أن یفعل ذلک علی ما هو ظاهر الروایة؛ ولکن لو فعل ذلک لا بأس به، والأفضل أن یقرأ في کل رکعة الفاتحة وسورة کاملة في المکتوبة. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة / الباب الرابع في القراء ة ۱/۷۸ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۴/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فجر کی سنتوں میں قرأت بالجہر کرنا

سوال (۲۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کی سنتوں میں قرأت بالجہر جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- فجر کی سنتوں میں جہری قرأت سلفِ صالحین سے ثابت نہیں ہے اور دن کے وقت میں پڑھی جانے والی سنن ونوافل میں بالجہر قرأت کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے؛ لہٰذا اُن میں صرف سری قرأت ہی کرنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۷/۵۰ ڈابھیل)

فإن كانت نوافل النهار يكره الجهر فيها الخ، وأما في تطوع النهار فإنه يخافت فيها بالقراءة. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في فرائض الصلاة ٦١/٢ زكريا، المحيط البرهاني كتاب الصلاة / الفصل الرابع في كيفيتهما ٤٢/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۴/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

"ينبؤ الإنسان" کی جگہ "يقول الإنسان" پڑھ دیا؟

سوال (۲۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک امام صاحب نے سورۂ قیامہ کی آیت کریمہ ﴿يُنَبَّؤُا الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ" کی جگہ "يقول الإنسان يومئذ بما قدم وأخر" پڑھی تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - مسئولہ صورت میں نماز میں "ينبوأ" کی جگہ "يقول" پڑھنے سے معنی میں تغیر فاحش نہیں ہوا؛ کیوں کہ قیامت میں انسان اپنے نامۂ اعمال دیکھ کر خود ہی اگلی پچھلی باتوں کا اقرار کرنے پر مجبور ہوگا۔ بریں بنا اس تبدیلی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

المسألة الثالثة: وضع حرف موضع حرف آخر فإن كانت الكلمة لا تخرج عن لفظ القرآن ولم يتغير به المعنى المراد لا تفسد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة ص: ٣٤٠)

ذكر كلمة مكانه كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري ٨٠/١)

ذكر حرف مكان حرف و أنه على وجهين، الأول: أن لا تخرج الكلمة بحرف البدل من ألفاظ القرآن و معناها أن هذه الكلمة مع حرف البدل توجد في القرآن نحو أن يقرأ ''يألمون'' مكان ''يعلمون'' أو ما أشبه، ذلك ففي هذا الوجه لاتفسد صلاته ويجعل كأنه ابتدأ من هذه الكلمة. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الأول: مسائل زلة القاري ۸۱/۲-۱۸۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں ﴿اَنْ یُّتْرَکَ سُدیٰ﴾ کے بجائے ''ان لن یترک سدیٰ'' پڑھ دیا

سوال (۲۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے نماز میں ﴿اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُتْرَکَ سُدیٰ﴾ کے بجائے ''ان لن یترک سدیٰ'' پڑھ دیا تو اِس صورت میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں معنی کے اندر تغیر فاحش ہونے کی وجہ سے نماز میں فساد کا حکم لگایا جائے گا؛ کیوں کہ یہ آیت کفار کی تہدید وتبکیت پر مشتمل ہے اور یہ مفہوم ''یترک سدیٰ'' کے بجائے ''لن یترک سدیٰ'' پڑھنے سے بالکل برعکس ہو جاتا ہے، اس لئے نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

أما إذا غير المعنى بأن قرأ إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات أولئک هم شر البرية، ان الذين كفروا من أهل الكتاب – إلىٰ قولهٖ – خالدين فيها اولئک هم خير البرية'' تفسد عند عامة علمائنا وهو الصحيح، هكذا في الخلاصة.

(الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع في صفة الصلاة / الفصل الخامس في زلة القاري ۸۱/۱ زكريا قديم)

إن الخطأ في القرآن إما أن يكون في الإعراب أو في الحروف أو في الكلمات أو في الجمل كذلك أو في الوقف ومقابله والقاعدة عند المتقدمين أن ما غير تغييرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد في جميع ذلك سواء كان في القرآن أو لم يكن. (غنية المتملي / فصل في بيان أحكام زلة القاري ٤٧٥-٤٧٦ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں ”واذکر اسم ربک“ کی جگہ ”واذکر اثم ربک“ پڑھ دیا

سوال (۲۱۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے نماز میں **”واذکر اسم ربک“** کے بجائے **”واذکر اثم ربک“**، یعنی اسم کی ”س“ کے بجائے ”ث“ سے تلاوت کردی، تو کیا نماز ہوجائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - ”س“ اور ”ث“ کی آوازیں قریب قریب ہیں اور عام طور پر دونوں میں فرق محسوس نہیں ہوتا؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں ”اسم ربک“ کے بجائے ”اثم ربک“ پڑھنے کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی؛ البتہ امام کو چاہئے کہ وہ حروف کو صحیح مخرج سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد، والصاد مع السين والطاء مع التاء، اختلف المشائخ قال أكثرهم لا تفسد صلاته.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الخامس في زلة القاري ۷۹/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نماز میں ترتیب کے خلاف سورتیں پڑھنا

سوال (۲۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے فرض نماز میں خلافِ ترتیب سورت پڑھتے ہوئے مثلاً پہلی رکعت میں ''الم ترکیف'' اور دوسری رکعت میں ''سورۂ ہمزہ'' یا ''سورۂ ماعون'' پڑھی؛ لیکن پوری پڑھنے سے قبل ہی وہ لوٹ آیا اور ''سورۂ قریش'' پڑھی، تو اس شخص کا ''سورۂ قریش'' کی جانب لوٹ آنا کیسا ہے؟ اِس مسئلہ میں فرض ونفل میں حکم یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟ جو بھی حکم ہو واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں چوں کہ سہواً خلافِ ترتیب سورت پڑھنی شروع کی اور یاد آنے پر ترتیب کے موافق سورت پڑھ دی؛ لہٰذا بلا کراہت نماز درست ہوگئی، اور اگر وہ یاد آنے پر دوسری سورت نہ پڑھتا تو بھی حرج نہ تھا؛ اِس لئے کہ فرائض میں خلافِ ترتیب قرأت اُسی وقت مکروہ ہے جب کہ بالقصد ایسا کیا جائے، اگر سہواً ایسا ہو جائے تو کراہت نہیں ہے اور بہرحال نوافل میں ترتیب قرأت کی اتنی تاکید نہیں ہے۔

وفي القنية: قرأ في الأولىٰ الكافرون، وفي الثانية: الم تر، أو تبت، ثم ذكر يُتِم …… ولا يكره في النفل شيء من ذلك (الدر المختار) وتحته في الشامية: قوله: ثم ذكر يتم، أفاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا كما في شرح المنية، وإذا انتفت الكراهة فإعراضه عن التي شرع فيها لا ينبغي، وفي الخلاصة: افتتح سورة وقصده سورة أخرىٰ، فلما قرأ آية أو آيتين أن يترك تلك السورة ويفتتح التي أرادها يكره قوله، ولا يكره في النفل شيء وعندي في هذه الكلية نظر، فإنه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى بلالاً عن الانتقال من سورة إلى سورةٍ، وقال له: إذا ابتدأت سورة فأتمها على نحوها حين سمعه ينتقل من سورة إلى سورة في

التهجد، واعترض ح: أيضًا بأنهم نصوا بأن القراءة على الترتيب من واجبات القراءة فلو عكسه خارج الصلاة يكره، فكيف لا يكره في النفل؟ وأجاب ط: بأن النفل لا تساع بابه نزلت كل ركعة منه فعلاً مستقلا فيكون كما لو قرأ إنسان سورة ثم سكت ثم قرأ ما فوقها فلا كراهة فيه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢/٢٦٩-٢٧٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۶/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رکوع کے لئے جھکنے سے پہلے قرأت ختم ہوتے ہی ہاتھ چھوڑ دینا

سوال (۲۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے امام صاحب جب اپنی قرأت ختم کر لیتے ہیں تو ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں، پھر فوراً ہی معمولی سا جھک کر ’’اللہ اکبر‘‘ کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاتے ہیں، ایک صاحب کہتے ہیں: یہ طریقہ صحیح نہیں ہے؛ بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ رکوع میں جانے کے لئے ’’اللہ اکبر‘‘ کہنے کے ساتھ ہی ہاتھ چھوڑے جائیں؛ کیوں کہ بہت سے مقتدی امام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں؛ اس لئے امام صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، اُن صاحب نے حسبِ ذیل سوال تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے امام صاحب جب قرأت ختم کرتے ہیں تو ’’اللہ اکبر‘‘ کہنے سے پہلے ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں، پھر آدھا رکوع میں چلے جاتے ہیں، اس کے بعد ’’اللہ اکبر‘‘ کہتے ہیں، تو کیا یہ مناسب ہے یا ’’اللہ اکبر‘‘ کہتے ہوئے ہاتھ چھوڑنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حالتِ قیام میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے اور جب رکوع میں جانے لگیں تو سنت یہ ہے کہ رکوع کے لئے جھکتے وقت تکبیر کی ابتداء ہو اور رکوع میں جا کر اختتام ہو، پس مسئولہ صورت میں اِمام صاحب کا رکوع میں جانے سے قبل ہی ہاتھ

چھوڑ دینا اور پھر رکوع کے لئے جھکنے کے بعد تکبیر شروع کرنا خلافِ سنت ہے، اِس طریقہ سے احتراز کرنا چاہئے اور ہاتھ چھوڑنے اور تکبیر کے درمیان وقفہ نہ کرنا چاہئے۔

عن أبي جحفة أن عليًا رضي اللّٰه عنه قال: من السنة وضع الكف في الصلاة تحت السرة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / وضع اليمنى على اليسرىٰ في الصلاة رقم: ٧٥٦)

ثم لما فرغ يكبر مع الانحطاط للركوع (الدر المختار) قوله: مع الانحطاط، أفاد أن السنة كون ابتداء التكبير عند الخرور وانتهائه عند استواء الظهر؛ وقيل: إنه يكبر قائمًا والأول هو الصحيح كما في المضمرات. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٩٦/٢ زكريا)

لأن السنة أن يكون ابتداء الذكر عند ابتداء الانتقال وانتهائه عند انتهائه كما تقدم، فمخالفة ذلك مخالفة للسنة فيكره. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في بيان ما يكره فعله في الصلاة وبيان ما لا يكره ص: ٣٥٧ سهيل اكيڈمی لاهور) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسری رکعت میں بے ترتیب سورت پڑھ دی

سوال (۲۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد پورے قرآن سے کوئی بھی سورت پڑھے اور دوسری رکعت میں کوئی دوسری سورت ترتیب سے نہ پڑھے تو نماز ہو جائے گی اور ترتیب صرف فرض نماز میں قائم کرنا یا ہر نماز میں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - بالترتیب قرأت کرنا واجبات قرأت میں سے ہے؛ لہٰذا الخصوص فرض نمازوں میں قرأت میں ترتیب کی رعایت رکھنا واجب ہے۔ اور نوافل

میں بھی اس کی رعایت بہتر ہے۔ تاہم اگر کسی شخص نے خلافِ ترتیب قرأت کردی تو اُس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؛ بلکہ بکراہت نماز درست ہوجاتی ہے۔

قالوا یجب الترتیب في سور القرآن، فلو قرأ منکوسًا أثم لکن لا یلزمه سجود السهو؛ لأن ذلک من واجبات القراءة لا من واجبات الصلاة. (رد المحتار، کتاب الصلاة: واجبات الصلاة / باب صفة الصلاة ۱۴۸/۲ زکریا)

ویکره الفصل بسورة قصیرة وأن یقرأ منکوسًا. (الدر المختار، کتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲۶۹/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سورۃ البلد میں ''اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ'' چھوٹ گیا

سوال (۲۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) امام نے نماز عشاء میں سورۃ البلد کی تلاوت کی اور درمیان سے ''اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ'' چھوٹ گیا تو کیا نماز ہوگئی، یا لوٹانا واجب ہے؟

(۲) امام نے قرأت میں سورہ کہف کا آخری رکوع پڑھا اور آخری آیت میں **إلی إلا أنما الٰهکم**'' پڑھا تو کیا نماز درست ہوگئی یا لوٹانا واجب ہے؟

(۳) اسی طرح اگر اسی آیت میں ''**یوحی الي**'' کی جگہ ''**یوحی إلا أنما**'' پڑھا تو کیا حکم ہے؟

(۴) اگر امام کا سانس چھوٹا ہو یا نماز میں سانس پھولتا ہو جس کی بنا پر پوری آیت ایک سانس میں نہ پڑھ پاتا ہو تو وہ کس طرح قراءت کرے گا؟ کیا آیت کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے پڑھے گا، مثلاً:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا

– اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا – وَلا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ﴿ الخ.

یا پڑھنے کی اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہوگی؟ برائے کرم وضاحت مدلل جواب عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- (۱) سورہ ''البلد'' میں ''اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ'' کی آیت چھوٹنے کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

وإن ترک آية من سورة وقد قرأ مقدار ما تجوز به الصلاة جازت صلاته. (خانية على هامش الفتاوىٰ الهندية / فصل في قرائة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة ١٥٤/١ زكريا قديم)

(۲-۳) سورۂ کہف کی آخری آیت میں ''یوحی الی أنما'' کے بجائے ''یوحی الا'' یا ''یوحی الی الا أنما'' پڑھ دینے کی وجہ سے بھی نماز پر فساد کا حکم نہ ہوگا؛ اس لئے ''الا'' کو زائد مان کر آیت کے معنی درست ہوسکتے ہیں۔

إن زاد حرفًا فإن كان لا يغير المعنى لا تفسد صلاته عند عامة المشائخ. (الفتاوىٰ الهندية / الفصل الخامس في زلة القاري ٧٩/١ زكريا)

(۴) اگر عذر کی وجہ سے درمیان آیت میں سانس توڑ کر قراءت کی جائے تو بھی نماز درست ہوجائے گی اور سوال میں جو ''وقف'' کی صورت لکھی ہے اس سے کوئی فساد لازم نہیں آتا۔

قال في الدر المختار: أو بوقف وابتداء لم تفسد وإن غير المعنى به يفتى بزازية. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٣٩٥/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۶/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نماز میں فَعَلَ رَبُّکَ کے بجائے فَعَلَ رَبَّکَ پڑھ دیا

سوال (۲۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گذشتہ کل ہماری مسجد میں اِمام صاحب نے مغرب کی نماز کی دوسری رکعت میں ''سورۂ الم ترکیف'' تلاوت کی، جس میں ''اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ'' بُ پر پیش کے بجائے ''فعل ربَّکَ'' ب پر زبر پڑھ دیا، نماز کے بعد ایک مفتی صاحب نے کھڑے ہوکر نماز کے دوہرانے کا اعلان کردیا، اور اُن کے ساتھ مسجد کے ایک مصلی نے بھی کسی سے پوچھے بغیر جلد بازی کرکے اِمام کو نماز دوہرانے پر مجبور کردیا تو نماز دوہرائی گئی، جب کہ مسجد میں موجود دوسرے مفتی صاحب کا کہنا تھا کہ اس غلطی سے معنیً کوئی فرق نہیں آیا؛ لہٰذا نماز نہیں لوٹائی جائے؛ لیکن مصلیوں میں سے کسی نے نہ اُن سے پوچھا اور نہ ہی اُن کی بات سنی، قبل اس کے وہ لوگوں سے مخاطب ہوتے اُس سے پہلے پہلے مفتی صاحب نے نماز کے دوہرانے کا اعلان کردیا۔

(۱) دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نماز واجب الاعادہ ہوئی یا نہیں؟

(۲) اور کیا پہلے مفتی صاحب کا اس طرح اعلان کرنا اور دوسرے سے رائے نہ لینا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں ''فَعَلَ ربُّک'' کے بجائے ''فَعَلَ رَبَّکَ'' پڑھنے کی وجہ سے نماز کے فساد کا حکم نہ ہوگا؛ اِس لئے کہ مفتی بہ قول کے مطابق اس طرح کی اعرابی غلطی موجب فساد نہیں ہے۔ بریں بنا یہ نماز واجب الاعادہ نہ تھی، اور جب تک مسئلہ کی پوری تحقیق نہ ہو، اُس کے بارے میں کسی کو رائے زنی نہیں کرنی چاہئے اور دینی معاملہ کو نفسانیت سے دور رکھنا چاہئے۔

ومنها القراءة بالألحان إن غيّر المعنى وإن لم يغير المعنى فلا فساد، وأما المتاخرون اتفقوا على أن الخطا في الإعراب لا يفسد مطلقًا ولو اعتقاده

كفرًا؛ لأن أكثر الناس لا يميزون بين وجوه الإعراب قال قاضي خان: وما قاله المتاخرون أوسع. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد ال صلاة وما يكره فيها ٣٩٣/٢ زكريا، حلبي كبير ص: ٤٧٦ سهيل اكيڈمی لاهور، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة ص: ٣٣٩ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي عثمان الطنبذي رضيع عبد الملك بن مروان قال: سمعت أبا هريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أفتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه. (سنن أبي داؤد، كتاب العلم / باب التوقي في الفتيا رقم: ٣٦٥٧)

ومنها اللحن في الإعراب، إذا لحن في الإعراب لحنًا لا يغير المعنى بأن قرأ: لا ترفعوا أصواتكم – برفع التاء – لا تفسد صلاته بالإجماع. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الخامس في زلة القاري ١٣٩/١ مكتبة الاتحاد ديوبند)

إذا لحن في الإعراب لحنًا وهو على وجهين: إما أن لا يغير المعنى بأن قرأ: ”لا ترفعوا أصواتِكم“ أو قرأ: ”إن الذين يغضون أصواتِهم“ أو قرأ: ”الرحمنَ على العرش“ ففي هذا الوجه لا تفسد الصلوة بالإجماع. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / مسائل زلة القاري ١٠٩/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

آیت: ﴿لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ کے بجائے ”مِنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمَاتِ“ پڑھ دیا

سوال (۲۲۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کی نماز میں اِمام صاحب نے سورۂ احزاب کی آیت: ﴿هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ

وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ کے بجائے ’’من النور الی الظلمات‘‘ پڑھ دی، تو اَب اُس نماز کا کیا حکم ہے؟ اگر اُس کا اِعادہ کیا جائے گا تو جمعہ کا اِعادہ ہوگا یا ظہر کا؟ اور وقت کے اندر کیا جائے تو کیا حکم ہے؟ اور بعد میں کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں معنی میں تغیر فاحش ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز فاسد ہوگئی، اُس کا اِعادہ لازم ہے، اَب اگر وقت کے اندر اِعادہ ہو رہا ہے تو حسبِ شرائط جمعہ کی نماز باجماعت ہی پڑھی جائے گی؛ لیکن خطبہ کا اعادہ لازم نہیں ہے۔ اور اگر وقت کے اندر اِعادہ نہیں کیا تو بعد میں سب لوگ الگ الگ ظہر کی قضاء کریں گے؛ لہٰذا آئندہ جمعہ میں اِس کا اعلان کردیا جائے۔

والثاني: أن يقدم كلمة على كلمة ولا يغيّر المعنى بأن يقرأ: ’’لهم فيها شهيق وزفير‘‘ لا تفسد صلاته، ولو قرأ: ’’إن الابرار لفى جحيم وإن الفجار لفى نعيم‘‘ فأكثر المشايخ أنه تفسد وهو الصحيح. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / مسائل زلة القاري ۱۰٤/۲ زكريا)

إن قدّم كلمة على كلمة أو أخّر إن لم يتغير المعنى لا تفسد ...... وإن تغير المعنى نحو أن يقرأ: ’’إن الابرار لفى جحيم وإن الفجار لفى نعيم‘‘ فأكثر المشايخ على أنها تفسد وهو الصحيح. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الخامس في زلة القاري ۸۰/۱ زكريا)

وأما حكم فسادها – الجمعة – فإن فسدت بخروج الوقت أو بفوت الجماعة يستقبل الظهر، وإن فسدت بما تفسد به عامة الصلوات من الحدث العمد والكلام وغير ذلك، يستقبل الجمعة عند وجود شرائطها. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / مقدار الجمعة وبيان ما يفسدها ٦٠٤/۱ زكريا، ٢٦٩/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

وکـذا لـو کان أفسد الجمعة فاحتاج إلی إعادتها ...... وإن لم یعد الخطبة أجزأه. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ / باب صلاۃ الجمعة ۲/ ۲۵۸ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نماز میں ''أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کی جگہ ''أنعمتُ'' پڑھ دیا

سوال (۲۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص نے نماز میں ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' میں ''انعمتُ'' (بضم التاء) پڑھ دیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سورۂ فاتحہ میں ''اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کے بجائے ''اَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ'' پڑھنے سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں، بریں بنا جو شخص معنی سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں، اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؛ لیکن اگر ناواقف عامی شخص اس طرح کی اعرابی غلطی کرے، تو اس کی نماز کے فساد کا حکم نہ ہوگا۔

فالأصل فیها عند الإمام ومحمد رحمهما اللّٰه تعالیٰ تغیر المعنی تغیرًا فاحشًا، وعدمه للفساد وعدمه مطلقًا، سواء کان اللفظ موجودًا في القرآن أو لم یکن ...... وعلی قیاس قول أبي یوسف: لا تفسد؛ لأنه لا یعتبر الإعراب، وبه یفتی. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح / باب ما یفسد الصلاة ص: ۳۳۹ المکتبة الأشرفیة دیوبند)

والمتأخرون من أصحابنا یقولون: الخطأ في الإعراب لا تفسد صلاته وعلیه الفتویٰ. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة / مسائل زلة القاري ۲/ ۱۱۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نماز میں اِمام کے پیچھے دعائیہ آیات پر آمین کہنا

سوال (۲۲۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فرض نماز میں قرآن مجید میں دعائیہ آیات پر امام کے پیچھے آمین آہستہ آہستہ یا ہلکی آواز سے کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- باجماعت نماز میں اِمام کے دعائیہ آیات پڑھنے پر مقتدی یا اِمام کوئی بھی آمین نہیں کہے گا؛ لیکن اگر کسی نے لاعلمی میں آمین کہہ دیا تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی اور انفرادی نماز میں معنی کا خیال کرتے ہوئے دعائیہ کلمات بشمول آمین کہنے کی گنجائش ہے۔

وإذا مر المصلي بآية فيها ذكر الجنة فوقف عندها وسأل، أو بآية فيها ذكر النار فوقف عندها وتعوذ بالله منها فهو حسن في التطوع إذا كان وحده ...... فأما إذا كا إمامًا كرهت له ذلك ...... ولكن لا تفسد صلاته ...... وكذلك إن كان خلف الإمام فإنه يستمع وينصت لأن القوم بالاستماع أمروا وإلى الإنصات ندبوا. (المبسوط السرخسي / باب الحدث في الصلاة ۱۹۸/۱-۱۹۹ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۲/۶/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جہری نماز میں عورت کا جہری تلاوت کرنا

سوال (۲۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر عورت جہری نمازوں میں جہر کرے تو کیا اس کی نماز ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- راجح قول کے مطابق جہری نمازوں میں عورت

کے لئے جہری قراءت کرنے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد تو نہیں ہوتی؛ لیکن ایسا کرنا عورت کے لئے مکروہ ہے، اِس لئے عورت کو آہستہ آواز سے ہی قرأت کرنی چاہئے؛ تاکہ نماز میں فتنے سے حفاظت رہے۔

وللحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين على المعتمد وصوتها على الراجح قوله: وصوتها: معطوف على المستثنىٰ، يعني أنه ليس بعورة، قوله: على الراجح: عبارة البحر عن الحلية أنه الأشبه وفي النهر: وهو الذي ينبغي اعتماده. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۲/۷۷-۷۸ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۳/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدۂ سہو کے مسائل

اِمام اور منفرد کو سجدۂ سہو کا سلام کب پھیرنا چاہئے؟

سوال (۲۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے ''تحفۃ الالمعی'' کے حوالہ سے ذکر کیا کہ سجدۂ سہو میں اِمام تشہد پڑھ کر سلام پھیر لے گا جب کہ منفرد شخص تشہد اور دُرود ودعا پڑھنے کے بعد سہو کا سلام پھیر لے گا تو اِمام ومنفرد کا یہ فرق فقہ کی کس کتاب سے ثابت ہے؟ اِس بارے میں تحقیق مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حضرت اِمام ابوحنیفہ اور حضرت اِمام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اصل حکم یہ ہے کہ سجدۂ سہو کا سلام پھیرنے سے پہلے ہی تشہد کے بعد درود شریف اور دعا پڑھ لی جائے اور سجدۂ سہو کے بعد جو تشہد پڑھا جائے گا، اس میں درود ودعا کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ ویسے ہی سلام پھیر دے۔ اِس کے برخلاف حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی رائے یہ ہے کہ صرف تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کا سلام پھیر دیا جائے گا اور درود ودعا وغیرہ سجدۂ سہو کے بعد والے قعدہ میں پڑھی جائیں گی۔ اور متأخرین فقہاء میں سے حضرت اِمام کرخیؒ نے حضرت امام محمدؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اور فقہاء نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے، جس پر عام عمل بھی ہے؛ تاہم حضرت اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ سجدۂ سہو سے پہلے اور بعد دونوں قعدوں میں دُرود ودعا پڑھی جائے، اِن تمام اَقوال کو سامنے رکھتے ہوئے فتاویٰ تاتارخانیہ میں بعض فقہاء سے نقل کیا گیا ہے کہ اِمام کے لئے حضرت اِمام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل بہتر ہے؛ تاکہ مقتدیوں کو پتہ چل جائے کہ یہ سجدۂ سہو کا سلام ہے، جب کہ اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے

حضرت اِمام طحاوی علیہ الرحمہ کے قول پر عمل کرنا اَحوط ہے، غالبًا اسی تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے ''تحفۃ الالمعی'' میں مسئلہ لکھا گیا ہے۔

ثـم اختلفوا في الصلاة على النبي عليه السلام والدعوات أنها في قعدة الصلاة، أم في قعدة سجدتي السهو؟ ذكر الكرخي في مختصره: أنها في قعدة سجدتي السهو، وفي الحجة: وهو الصحيح. والطحاوي قال: كل قعدة في أخرها سلام ففيها صلاة على النبي صلى الله عليه وسلم فعلى هذا القول يصلي على النبي في القعدتين جميعًا، ومنهم من قال في المسألتين اختلاف عند أبي حنيفة وأبي يوسف يصلي في القعدة الأولىٰ، وعند محمد: يصلي في القعدة الأخيرة وهي قعدة سجدتي السهو، بناء على الأصل ...... أن سلام من عليه السهو يخرجه من الصلاة عندهما، وإذا كان يخرجه من الصلاة كانت القعدة الأولىٰ هي قعدة الختم فيصلي فيها على النبي عليه السلام ويدعو الله لحاجته ليكون خروجه منها بعد الفراغ من الأركان والسنن والآداب والمستحبات، وعند محمد: سلام من عليه السهو لا يخرجه من الصلاة فيؤخر الصلاة على النبي عليه السلام إلى قعدة سجدتي السهو؛ فإنها هي الأخيرة له ...... وفي الحجة قال رحمه الله: في حق الإمام قول الكرخي أحسن، ليعلم القوم أنه يسلم ليسجد للسهو وفي حق المنفرد قول الطحاوي أحوط. وقال شمس الأئمة الحلواني: القعدة بعد سجدتي السهو ليست بركن، وإنما أمر بها بعد سجود السهو ليقع ختم الصلاة بها، فيوافق موضوع الصلاة ونظمها، فأما أن يكون ركنا فلا، حتى لو تركها بأن يسجد سجدتين بعد التسليم ثم قام وذهب لم تفسد صلاته. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل السابع عشر سجود السهو ۳۸۶/۲، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة / الفصل السابع عشر سجود السهو ۳۰۶/۲ إدارة القرآن كراچی)

ویأتي بالصلاة علی النبي صلی الله علیه وسلم في کلتا (القعدتین) قعدة الصلاة وقعدة السهو وهذا مختار الطحاوي؛ فإنه قال: کل قعدة في آخرها سلام ففیها صلاة علی النبي صلی الله علیه وسلم. قال قاضي خان: أنه الأحوط. وقال بعضهم: في المسئلة اختلاف بین الأئمة، فعند أبي حنیفة وأبي یوسف یصلي في قعدة الصلاة، وعند محمد في قعدة السهو، بناء علی أن سلام من علیه السهو یخرجه من الصلاة عندهما، فتکون القعدة الأولیٰ ختما فیصلي فیها ویدعو لیکون خروجه بعد إکمال الفرائض والواجبات والسنن والمستحبات جمیعًا. قال في المفید: وهو الصحیح، وعند محمد لا یخرجه فکانت قعدة السهو هي الختم فیأتي فیها بما ذکر. وقال الکرخي: یأتي بالصلاة والأدعیة في قعدة السهو. قال في الهدایة: هو الصحیح؛ لأن الدعاء موضعه آخر الصلاة وهذا هو الأوجه؛ لأنه وإن خرج بالسلام عن الصلاة علی قول أبي حنیفة وأبي یوسف لکنه یعود إلیها بسجود السهو علی ما یأتي إن شاء الله تعالیٰ فتکون قعدة السهو هي آخر صلاته حینئذ بالاتفاق. (غنیة المتملي شرح منیة المصلي، کتاب الصلاة / قبیل فصل في زلة القاري ۴۷۳-۴۷۴ سهیل اکیڈمی لاهور)

ویأتي بالصلاة علی النبي علیه السلام والدعاء في القعود الأخیر في المختار. (رد المحتار / کتاب الصلاة ۲/۵۴۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدۂ سہو میں تین سجدے کر لئے

سوال (۲۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے سجدۂ سہو میں بھول سے ۳؍سجدے کر لئے، تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ نماز ہو جائے گی یا واجب الاعادہ ہوگی؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سجدۂ سہو میں دو سجدے کرنے کے بعد تیسرا سجدہ کرنے کی وجہ سے دوبارہ سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا؛ بلکہ پہلا سجدۂ سہو ہی کافی ہے۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں نماز درست ہوگئی، اِعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

السهو في سجود السهو لا يوجب السهو؛ لأنه لا يتناهي، كذا في التهذيب. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ۱۳۰/۱ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۱/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سورۂ فاتحہ کی ایک آیت چھوٹ جانے پر سجدۂ سہو کا حکم

سوال (۲۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک امام صاحب نے فجر کی نماز میں سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ﴿**إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ**﴾ تلاوت نہیں کی اور آخر میں سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، اُنہوں نے کہا کہ فاتحہ کی کثیر آیات پڑھ لینے سے نماز ہو جاتی ہے، میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ پوری سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اور قرآن میں ایک ہے جس کا ترجمہ ہے کہ ہم نے بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ اِس ذیل میں درخواست ہے کہ مختصر الفاظ میں یہ بتانے کی زحمت کریں کہ بنا سجدۂ سہو کے بغیر نماز ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نماز میں پوری سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اگر ایک آیت بھی چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو لازم ہے، اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

لها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو وإن لم

يسجد له ...... وهي قراءة الفاتحة فيسجد للسهو بترك أكثرها لا أقلها؛ لكن في المجتبىٰ: يسجد بترك آية منها وهو أولىٰ. قلت: وعليه فكل آية واجبة ككل تكبيرة عيد وتعديل ركن وإتيان كل وترك تكرير كل (الدر المختار) قوله وهو أولىٰ: لعله للمواظبة المفيدة للوجوب، قوله: وعليه أي وبناء على ما في المجتبى، فكل آية واجبة، وفيه نظر؛ لأن الظاهر أن ما في المجتبى مبني على قول الإمام بأنها بتمامها واجبة، وذكر الآية تمثيل لا تقييد، إذ بترك شيء منها آية أو أقل ولو حرفًا لا يكون آتيا بكلها الذي هو الواجب. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٤٩/٢ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٥١٦/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۱۲/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سورۂ فاتحہ کی ایک آیت چھوٹنے پر سجدۂ سہو واجب ہونے کی علت

سوال (۲۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک امام صاحب نے فجر کی نماز میں سورۂ فاتحہ کی ایک آیت: ﴿اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کی تلاوت نہیں کی اور آخر میں سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، اُنہوں نے کہا کہ سورۂ فاتحہ کی کثیر آیات پڑھ لینے سے نماز ہوجاتی ہے، پھر میں نے آپ کے دارالافتاء سے فتویٰ لیا تھا، اس میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ ''نماز میں پوری سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اگر ایک آیت بھی چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو لازم ہے، اگر سجدۂ سہو نہ کیا جائے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی''۔

آپ کا جواب میں نے اِمام صاحب کو دکھایا تو اُنہوں نے دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ نیٹ سے پرنٹ کرکے دکھایا جس میں لکھا ہے، راجح قول کے مطابق سورۂ فاتحہ کی اکثر آیتیں پڑھ لینے سے واجب اَدا ہوجاتا ہے اور ایک دو آیت چھوٹنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا''

اَب دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ دونوں فتاویٰ میں سے کون سا فتویٰ درست ہے؟ ہم لوگ کس پر عمل کریں؟ واضح اور مدلل جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:- زیر بحث مسئلہ میں فقہ کے اندر دونوں طرح کی عبارتیں ملتی ہیں، بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا صرف اکثر حصہ پڑھنا واجب ہے، ہر ہر آیت پڑھنا واجب نہیں ہے، جیسا کہ ہمرشتہ دار العلوم دیوبند کے فتویٰ میں لکھا گیا ہے۔ اِس کے برخلاف متون کی بعض عبارات میں سورۂ فاتحہ کی ہر ہر آیت کو واجب قرار دیا گیا ہے، اور اِسی کو صاحب ''الدر المختار'' نے اولیٰ کہا ہے، اور شارحین نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اُمت کا عمل اسی پر ہے کہ مکمل سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، جو ہر ہر آیت کے وجوب کی دلیل ہے۔ نیز قہستانی کے حوالے سے ''الدر المختار'' میں لکھا ہے کہ ہر ہر آیت کے وجوب کا قول حضرت اِمام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اور اکثر آیات کے وجوب کا قول صاحبین کا ہے، اور اُصولِ فتویٰ میں یہ بات مقرر ہے کہ اختلاف کے وقت عبادات کے مسائل میں اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے، نیز احتیاط بھی اِسی میں ہے۔ بریں بنا دار الافتاء مدرسہ شاہی سے اس کے متعلق جاری کردہ فتویٰ ہمارے نزدیک راجح اور قابل عمل ہے۔

فیسجد للسهو بترك أكثرها لا أقلها؛ لكن في المجتبىٰ: يسجد بترك آية منها وهو أولىٰ، قلت: وعليه فكل آية واجب (الدر المختار) قوله: بترك أكثرها يفيد أن الواجب الأكثر ولا يعرىٰ عن تأمل. وفي القهستاني: أنها بتمامها واجبة عنده، وأما عندهما فأكثره، ولذا لا يجب السهو بنسيان الباقي كما في الزاهدي، فكلام الشارح جار على قولهما، قوله: وهو أولىٰ لعله للمواظبة المفيدة للوجوب. (حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢/١٣٦ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے کسی دوسری سورت کی قرأت شروع کردی

سوال (۲۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص نماز میں سورۂ فاتحہ سے قبل کسی اور سورت کی قرأت شروع کردے اور اچانک یاد آنے پر سورۂ فاتحہ پڑھے، تو ایسی صورت میں اُس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر اس شخص نے سورۂ فاتحہ سے پہلے ایک رکن (تین تسبیح) کے بقدر قرأت کرلی ہے، اُس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی ہے، تو ایسی صورت میں اُس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اور اگر ایک رکن سے کم معمولی قرأت کی ہے، تو نماز درست ہے اور سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہے۔ (مستفاد: اِمداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیہ ۴۲۰/۲ زکریا، فتاویٰ محمودیہ ۴۱۲/۷ ڈابھیل، خیر الفتاویٰ ۶۱۹/۲)

وتقديم الفاتحة على كل السورة (تنوير الأبصار) حتى قالوا: لو قرأ حرفًا من السورة ساهيًا، ثم تذكر يقرأ الفاتحة ثم السورة يلزمه سجود السهو، وهل المراد بالحرف حقيقته أو الكلمة؟ يراجع ثم رأيت في سهو البحر، قال بعد ما مرّ وقيده في فتح القدير بأن يكون مقدار ما يتأدى به ركن أي لأن الظاهر أن العلة هي تأخير الابتداء بالفاتحة، والتأخير اليسير وهو ما دون ركن معفو عنه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱۵۲/۲ زكريا)

ولم يبينوا قدر الركن، وعلى قياس ما تقدم أن يعتبر الركن مع سنته، وهو مقدر بثلاث تسبيحات. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ص: ٤٧٤ دار الكتاب ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۷/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے سورت شروع کردی

سوال (۲۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے نماز کی نیت باندھی اور ثنا پڑھنے کے بعد اولاً سورۂ ناس پڑھی، پھر یاد آیا تو سورۂ فاتحہ پڑھی اور دوسری سورت ملائی اور بقیہ نماز پوری کی، تو اُس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں تاخیر فاتحہ کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے اور ایسی صورت میں حکم شرعی یہی ہے کہ اگر سہواً پہلے سورت پڑھ لے تو یاد آنے پر سورہ فاتحہ پڑھے، پھر اس کے بعد حسبِ ترتیب دوبارہ سورت پڑھے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلے، اگر سجدۂ سہو نہ کیا اور نماز پوری کرلی تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

وكذا إذا قرأ السورة وسها عن الفاتحة ثم تذكر فإنه يعود ويقرأ الفاتحة و يعيد السورة ويعيد الركوع وعليه السهو. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ص: ٥٦١ دار الكتب العلمية بيروت)

ولو أخر الفاتحة عن السورة فعليه سجود السهو. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ١٢٦/١ زكريا قديم)

وإذا أخر الفاتحة عن السورة كان عليه سجود السهو. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل السابع عشر في سجود السهو ٣٩٥/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''ثنا'' کی جگہ ''التحیات'' پڑھ دینا

سوال (۲۳۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے نماز میں ثنا کی جگہ ''التحیات'' پڑھ لی تو اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ثنا کی جگہ التحیات پڑھ دینے سے نماز فاسد نہ ہوئی؛ کیوں کہ التحیات میں بھی فی الجملہ ثنا کے معنی پائے جاتے ہیں۔

ولو قرأ التشهد قائما ...... لا سهو عليه؛ لأن التشهد ثناء والقيام موضع الثناء والقراءة. (الفتاویٰ التاتارخانية / كتاب الصلاة ۳۹۷/۲ رقم: ۲۷۸٤، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة / الفصل السابع عشر في سجود السهو ٥٠٤/١ دار الكتب العلمية بيروت)

إن قرأ (التشهد) في قيام الأولىٰ قبل الفاتحة ...... لا سهو عليه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٤٦١ دار الكتب العلمية بيروت)

وذكر الناطفي في الأجناس عن محمد لو تشهد في قيامه قبل قراءة الفاتحة فلا سهو عليه. (غنية المتملي، كتاب الصلاة / فصل في سجود السهو ص: ٤٦٠ سهيل اكيڈمی لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۷/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عصر کی نماز میں سورۂ فاتحہ جہراً پڑھنا

سوال (۲۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی نے عصر کی نماز میں سری قرأت کرنے کے بجائے جہری قرأت کی یعنی سورۂ فاتحہ سری پڑھنا ہے اور اس نے آدھی سے زیادہ فاتحہ جہری پڑھ دی، تو اُس کی نماز پر کچھ اثر تو نہیں آئے گا؟ **مدلل جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔**

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سری نمازوں میں تین چھوٹی آیتوں یا ایک لمبی آیت کے بقدر جہراً قرأت کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں آدھی

سے زیادہ سورۂ فاتحہ جہراً پڑھنے کی وجہ سے حسبِ قاعدہ سجدۂ سہو واجب ہے، اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

ومنها جهر الإمام فيما يجهر فيه والإسرار في محله مطلقًا، واختلف في القدر الموجب للسهو والأصح أنه قدر ما تجوز به الصلاة في الفصلين؛ لأن اليسير من الجهر والإخفاء لا يمكن الاحتراز عنه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٤٦١/١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۸/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سلام پھیرتے ہی اَزخود یا مقتدی کے اِشارے سے چھوٹا ہوا واجب یاد آیا

سوال (۲۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سلام پھیرتے ہی بلا تاخیر فوراً امام کو یاد آجائے کہ فلاں واجب چھوٹ گیا ہے یا کسی مقتدی کے فوراً اشارہ کرنے یا کہنے پر یاد آجائے یا معلوم ہو تو اسی وقت سجدۂ سہو کیا جائے گا یا پوری نماز دوہرائی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- سلام پھیرنے کے بعد اگر اِمام کو اَزخود یا مقتدیوں کی تکبیر وغیرہ کے ذریعہ توجہ دلانے سے یاد آجائے کہ اُس پر سجدۂ سہو واجب تھا اور وہ سجدہ کرلے تو نماز درست ہوجائے گی۔

ويسجد للسهو ولو مع سلامه ناويًا للقطع؛ لأن نية تغيير المشروع لغو ما لم يتحول عن القبلة أو يتكلم لبطلان التحريمة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٥٥٨/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام صاحب کو سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو یاد آیا

سوال (۲۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام صاحب نے ظہر کی نماز میں قعدۂ اخیرہ کے بعد سلام پھیر دیا، سلام پھیرتے ہی اُنہیں یاد آیا کہ اُن پر سجدۂ سہو واجب ہے، اِس لئے اُنہوں نے سجدۂ سہو کیا، اَب کچھ مقتدیوں نے تو اُن کے ساتھ فوراً سجدۂ سہو کرلیا اور بعض مقتدیوں نے سلام پھیرنے کے بعد آیت الکرسی اور کچھ دعائیں پڑھ لی تھیں، اُس کے بعد سجدۂ سہو کیا، تو بعد میں اِمام صاحب نے فرمایا کہ جن مقتدیوں نے میرے ساتھ سجدۂ سہو کیا ہے اُن کی نماز تو صحیح ہوگئی اور جنہوں نے اذکار وغیرہ پڑھنے کے بعد سجدۂ سہو کیا وہ اپنی نماز دہرالیں، تو کیا اِمام صاحب کا یہ کہنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں جن مقتدیوں نے اِمام صاحب کے ساتھ سجدۂ سہو کیا، اُن کی نماز درست ہوگئی اور جن دیگر مقتدیوں نے کسی مفسد صلوٰۃ عمل (مثلاً گفتگو یا قبلہ سے سینہ پھیرنے) سے قبل سجدۂ سہو کرلیا؛ اگرچہ آیت الکرسی یا اذکار وغیرہ پڑھنے کے بعد ہو، پھر بھی اُن کی نماز درست ہوجائے گی؛ کیوں کہ کوئی قاطع صلوٰۃ عمل نہیں پایا گیا؛ لہٰذا اِمام صاحب کا ایسے مقتدیوں کی نماز دوہرانے کا حکم دینا صحیح نہیں ہے۔

سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه السجود، كذا في المحيط.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ۱۲۸/۱ زكريا)

ويسجد للسهو وجوبا وإن سلم عامدًا مريدًا للقطع؛ لأن مجرد نية تغيير المشرع لا تبطله ولا تعتبر مع سلام غير مستحق وهو ذكر فيسجد للسهو لبقاء حرمة الصلاة ما لم يتحول عن القبلة أو يتكلم لإبطالهما التحريمة.

(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٤٧٢ المكتبة الأشرفية ديوبند)

قوله: وإلا لا، أي وإن لم يتابع فيهما (أي في السجدة والقعدة) لا

تفسد ...... وترک المتابعة في الواجب لا يوجب الفساد. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب الإمامة، قبيل: باب الاستخلاف ۲/ ۳۵۰ زکريا)

وإذا أخبر بما يعجبه فقال "سبحان اللّٰه" أو "لا إله إلا اللّٰه" أو "اللّٰه أكبر" إن لم يرد به الجواب لا تفسد صلاته عند الكل. (الفتاویٰ الهندية، کتاب الصلاة / الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/ ۹۹ زكريا، ۲/ ۱۲۶ مكتبة الاتحاد ديوبند)

وإن سلم من وجب عليه السهو حال كونه يريد بسلامه قطع الصلاة يعني أنه لا يريد حال السلام سجدة السهو أي أن يسجد للسهو؛ بل عزم أن لا يسجد له ثم بدا له بعد ما سلم أن يسجد للسهو فله أن يسجد ما لم يتكلم ولا يستدبر القبلة. (غنية المتملي، فصل في سجود السهو / مطلب: فيمن سها عن السلام على ظن أنه خرج من الصلاة ۲/ ۴۱۱ مكتبة دار العلوم ديوبند، ص: ۴۶۴ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۲/ ۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدۂ سہو کے بعد دوبارہ غلطی ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۲۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر سجدۂ سہو کے بعد پھر غلطی ہوجائے تو کیا کرے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں سجدۂ سہو اَدا کرنے کے بعد اگر پھر کوئی موجب سجدۂ سہو عمل پایا جائے تو دوبارہ سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے، ویسے ہی نماز درست ہوجائے گی۔

وإن كان شك في سجود السهو عمل بالتحري ولم يسجد للسهو؛ لما بينا أن تكرار سجود السهو في صلاةٍ واحدة غير مشروع، ولأنه لو سجد

بهـذا السهـو ربـمـا يسهـو فيـه ثـانيـا وثالثا فيؤدي إلى ما لا نهاية له. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٢٢٤/١ دار الكتب العلمية بيروت)

ولو سها في سجود السهو عمل بالتحري ولو سها في صلاته مرارًا. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ١٣٠/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۷/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام سجدۂ سہو کرنے کے بعد غلطی سے دوبارہ کھڑا ہوگیا

سوال (۲۳۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام صاحب سجدۂ سہو کرکے غلطی سے پھر قیام کی حالت میں چلے گئے، کیا اَب اُنہیں دوبارہ سجدۂ سہو کرنا ہوگا یا پہلے والا سجدۂ سہو ہی کافی ہوجائے گا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں دوبارہ سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں؛ بلکہ پہلا ہی سجدۂ سہو کافی ہے؛ لیکن عمداً ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

قال في الفتاویٰ: القعدة بعد سجدتي السهو ليست بركن وإنما أمر بها بعد سجدتي السهو ليقع ختم الصلاة بها، حتى لو تركها فقام وذهب لا تفسد صلاته.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ١٢٦/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نماز کے بعد اپنی جگہ کتنی دیر بیٹھے رہنے تک سجدۂ سہو کرسکتے ہیں؟

سوال (۲۴۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز ختم ہونے کے کتنی دیر بعد اگر اُسی جگہ بیٹھا رہے تو سجدۂ سہو کرسکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں وقت کی کوئی تحدید نہیں ہے؛ البتہ یہ دیکھا جائے گا کہ سلام پھیرنے کے بعد کوئی منافی صلوٰۃ عمل (مثلاً: سینہ قبلہ سے پھر جانا، یا بات چیت کر لینا وغیرہ) پایا گیا یا نہیں؟ اگر ایسا عمل پایا گیا تو اب سجدۂ سہو معتبر نہ ہوگا، اور اگر نہیں پایا گیا تو سجدۂ سہو معتبر ہو جائے گا اور نماز درست قرار پائے گی۔

ویسجد للسهو ولو مع سلامه وللقطع ما لم یتحول عن القبلة أو یتكلم لبطلان التحریمة أي بالتحول أو التكلم. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الصلاة ۲/۵۵۸ زكریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۴۳/۷/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام صاحب نے سجدہ سہو کئے بغیر سلام پھیر دیا

سوال (۲۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عصر کی نماز میں اِمام صاحب چوتھی رکعت میں بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہوگئے، پھر مقتدیوں کے لقمہ دینے پر فوراً بیٹھ گئے اور سجدۂ سہو کئے بغیر سلام پھیر دیا، تو اِس نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں قعدۂ اخیرہ کے بجائے مکمل کھڑے ہوجانے کی وجہ سے چوں کہ ایک رکن کی زیادتی پائی گئی، اِس لئے سجدۂ سہو واجب تھا، اور سجدۂ سہو نہ کرنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے اور وقت کے اندر اندر اُس کا اِعادہ کرنے کی تاکید زیادہ ہے۔ اور بہت سے فقہاء نے وقت کے بعد بھی اُس کے اِعادہ کو واجب قرار دیا ہے، اِس لئے بہر حال اُس نماز کو دوہرا لینا چاہئے۔

ولو سها عن القعود الأخیر كله أو بعضه، عاد ما لم یقیّدها بسجدة؛

لأن ما دون الركعة محلّ الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٢/٥٥٠ زكريا)

فالحاصل أن من ترك واجبًا من واجباتها أو ارتكب مكروهًا تحريميًا لزمه وجوبًا أن يعيد في الوقت، فإن خرج الوقت بلا إعادةٍ أثم ولا يجب جبر النقصان بعد الوقت، فلو فعل فهو أفضل (البحر الرائق) وقال ابن عابدين: قوله: فالحاصل الخ، نقل الخير الرملي عن العلامة المقدسي أنه يجب أن لا يعتمد على هذا لما ذكره قريبًا من قولهم كل صلاة أديت مع الكراهة سبيلها الإعادة مطلقًا. وأول قول القنية: إذا لم يتم ركوعه ولا سجوده الخ، على ما إذا لم يطمئن فيها زيادة اطمئنان، قلت: في هذا التاويل نظر، نعم ظاهر كلامهم يقتضي الوجوب خارج الوقت أيضًا. ويدلّ عليه ما قدّمناه عن شرح التحرير من أن الإعادة واجبة، وأن تقييدها بكونها في الوقت، مبنيٌّ على ما قاله البعض، فإن مقتضى هذا وجوبها بعد الوقت أيضًا. وعلى هذا يحمل كلام القنية على ظاهره، ويكون قوله: "يؤمر بالإعادة في الوقت لا بعده" مبنيًا على قول من قيد الإعادة بالوقت. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ٢/١٤٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۴۱/۲/۲۷ھ

اِمام بھول کر تشہد پڑھ کر کھڑا ہوگیا تو سجدۂ سہو کا کیا حکم ہے؟

سوال (۲۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام ظہر کی نماز پڑھا رہا تھا قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد بھولے سے کھڑا ہوگیا، پھر مقتدیوں کے لقمہ دینے پر وہ واپس لوٹ آیا، تو اَب اگر اُسے سجدۂ سہو کرنا ہے تو کیا دوبارہ تشہد

پڑھے گا یا بیٹھتے ہی بغیر تشہد پڑھے سلام پھیر کر سجدۂ سہو کر سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ اِمام بیٹھتے ہی دوبارہ تشہد پڑھے بغیر سجدۂ سہو کا سلام پھیر دے اور پھر دوسجدے کر کے حسبِ قاعدہ نماز پوری کرے۔

وإن قعد في الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلّم ...... وسجد للسهو ...... لنقصان فرضه بتأخير السلام. (الدر المختار) قوله: عاد وسلم: وفيه إشارة إلى أنه لا يعيد التشهد. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۵۵۳/۲-۵۵٤ زكريا)

وإن قعد الجلوس الأخير قدر التشهد ثم قام عاد للجلوس؛ لأنه ما دن الركعة بمحل الرفض وسلم من غير إعادة التشهد لعدم بطلانه بالقيام ...... وسجد للسهو لتأخير سلامه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ص: ٤٧٠ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وإن قعد في الرابعة ثم قام عاد وسلّم؛ لأن التسليم في حالة القيام غير مشروع وأمكنه الإقامة على وجهه بالقعود؛ لأن ما دون الركعة بمحل الرفض، ثم إذا عاد لا يعيد التشهد. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۱۸٤/۲ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / سجود السهو ٤٠٥/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۲/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اِمام صاحب بھول کر تیسری رکعت میں بیٹھ گئے

سوال (۲۴۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک اِمام صاحب نماز پڑھا رہے تھے وہ بھولے سے تیسری رکعت میں بیٹھ گئے، پھر مقتدیوں نے لقمہ دیا تو کھڑے ہوئے اور بعد میں سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر اِمام صاحب تین تسبیح کے بقدر بیٹھنے کے بعد کھڑے ہوئے ہیں اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے۔ اور اگر بیٹھتے ہی لقمہ دینے پر فوراً کھڑے ہوگئے تاخیر نہیں کی تو نماز درست ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وكذا القعدة في آخر الركعة الأولى أو الثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها أيضًا تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله، وهذا إذا كانت القعدة طويلة، أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشافعي فتركها غير واجب عندنا بل هو الأفضل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱٦٤/۲ زكريا)

إذا شغله التفكر عن أداء واجب بقدر ركن ...... يجب السهو وإلا فلا كذا في الشرح. ولم يبينوا قدر الركن وعلى قياس ما تقدم أن يعتبر الركن مع سنته وهو مقدر بثلاث تسبيحات. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ٤٧٤ دار العلم ديوبند)

فالحاصل أن من ترك واجبًا من واجباتها أو ارتكب مكروهًا تحريميًا لزمه وجوبًا أن يعيد في الوقت، فإن خرج أثم، ولا يجب جبر النقصان بعده، فلو فعل فهو أفضل ...... وقد علمت أيضًا ترجيح القول بالوجوب فيكون المرجح وجوب الإعادة في الوقت وبعده. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۲/۵۲۱-۵۲۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد ضم رکعت کا حکم اور سجدۂ سہو واجب نہ ہونے کی علت

سوال (۲۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص فرض کی چار رکعت والی نماز میں چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھتا ہے اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو اسے چاہئے کہ ایک رکعت اور ملا کر چھ رکعت پڑھ لے اور سجدۂ سہو نہ کرے اور یہ ساری نماز نفل ہوجائے گی۔ تو سوال یہ ہے کہ اس صورت میں سجدہ سہو نہ کرنے کی علت کیا ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بہشتی زیور میں لکھا گیا مسئلہ درست ہے اور اس میں سجدۂ سہو کے واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فرض نماز کے قعدۂ اخیرہ کے ترک کے نقصان کی تلافی سجدۂ سہو سے نہیں ہوسکتی اور چوں کہ یہ نماز ابتداءً نفل نہیں تھی؛ بلکہ ایک عارض کی وجہ سے نفل بنی ہے، اِس لئے اِس نفل کی صحت کے لئے بھی سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس جزئیہ کے ضمن میں یہی بات تحریر فرمائی ہے۔

ولو سها عن القعود الأخير عاد ما لم يقيدها بسجدة، وإن قيدها بسجدة تحول فرضه نفلا برفعه وضم سادسة إن شاء ولايسجد للسهو على الأصح؛ لأن النقصان بالفساد لاينجبر (الدر المختار) قوله لأن النقصان أي الحاصل بترك القعدة لاينجبر بسجود السهو، فإن قلت: إنه وإن فسد فرضا فقد صح نفلا، ومن ترك القعدة في النفل ساهيا وجب عليه سجود السهو، فلماذا لم يجب عليه السجود نظرًا لهذا الوجه؟ قلت: إنه في حال ترك القعدة لم يكن نفلا، إنما تحققت النفلية بتقييد الركعة بسجدة والضم، فالنفلية عارضة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۵۵۳/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۵/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ظہر کی سنن قبلیہ کے قعدۂ اُولیٰ میں درود شریف اور دعا ملالی

سوال (۲۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ظہر کی سنتوں میں قعدۂ اُولیٰ میں اگر درود شریف اور دعاء ملالی جائے تو نماز صحیح ہوگی یا فاسد ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ظہر کی سنن قبلیہ میں قعدۂ اُولیٰ میں درود شریف اور دعائیں نہیں ملانی چاہئیں، اگر کسی نے بھولے سے اُس میں درود شریف وغیرہ ملالیا، تو راجح قول کے مطابق احتیاطاً اُسے سجدۂ سہو کرنا چاہئے؛ تاہم اگر سجدۂ سہو نہیں کیا یا عمداً درود شریف ملا لیا، تو بھی ایک قول کے مطابق اُس کی سنتیں درست ہوجائیں گی اور واجب الاعادہ نہ ہوں گی؛ کیوں کہ یہ سنتیں نفل نمازوں کے زیادہ مشابہ ہیں۔

ولا يزيد في الفرض على التشهد في القعدة الأولى إجماعًا فإن زاد عامدًا كره فتجب الإعادة، أو ساهيًا وجب عليه سجود السهو (الدر المختار) **قوله ولا يزيد في الفرض: أي وما ألحق به كالوتر والسنن الرواتب الخ، والظاهر أنهما في حكم النفل؛ لأن الوجوب فيها عارض.** (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲۲۰/۲ زكريا)

ولا يصلى على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في القعدة الأولىٰ في الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها، ولو صلى ناسيًا فعليه السهو وقيل لا. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٥٦/٢ زكريا)

ويتنفل قاعدًا مع قدرته على القيام ابتداء وبناء ...... أطلق في التنفل فشمل السنة المؤكدة والتراويح؛ لكن ذكر قاضي خان في فتاواه من باب التراويح: الأصح أن سنة الفجر لا يجوز أداؤها قاعدًا من غير عذر،

والتراويح يجوز أداؤها قاعدًا من غير عذرٍ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۱۱۰/۲ زكريا)

وأما السنن الرواتب فنوافل حتى تجوز على الدابة. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٠/١ زكريا)

والسنن الرواتب نوافل يعني حكم السنن الرواتب حكم النوافل في جواز الأداء على الدابة في أي جهة توجهت، من الدليل على كون السنن الرواتب نوافل أنها تؤدى بمطلق النية. (البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة / حكم السنن والرواتب ٥٤٦/٢ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اِمام کے سجدۂ سہو کرنے کے بعد جماعت میں شامل ہونا

سوال (۲۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام پر سجدہ سہو واجب تھا اور سجدۂ سہو کرنے کے بعد جب وہ تشہد میں بیٹھا تو کوئی مقتدی اس کے ساتھ جماعت میں آکر شریک ہوا، سوال یہ ہے کہ اس حالت میں اس کا اقتداء کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں چونکہ امام کی نماز سجدۂ سہو کے بعد بھی برقرار رہتی ہے؛ اس لئے اگر کوئی مقتدی سلام سے قبل امام کی اقتداء کی نیت کرلے تو اس کی اقتداء جائز اور درست ہوگی۔

فإن سها الإمام في صلاته فسجد للسهو ثم اقتدىٰ به رجل في القعدة

التي بعدها صح اقتدائه؛ لأن الإمام في حرمة الصلاة بعد. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۱۱۲/۲ دار المعرفة بيروت)

وأجمعوا أنه لو عاد إلى سجدتي السهو ثم اقتدىٰ به رجل صح اقتدائه.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۴۱۱/۲ رقم: ۲۸۲۰ زكريا)

ولو أدرك الإمام بعد ما سلم للسهو ...... وإن أدركه بعد ما فرغ من السجود صح اقتداءه به وليس عليه السهو بعد فراغه من صلاة نفسه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / بيان من يجب عليه السهو ۴۲۳/۱ زكريا)

ويلزم المأموم السجود مع الإمام بسهو إمامه؛ لأنه صلى اللّٰه عليه وسلم سجد وسجد القوم معه وإن اقتدىٰ به بعد سهوه ...... قال الطحطاوي ...... بأن اقتدى به في التشهد السهو. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۴۶۴ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ایک نماز کے سجدۂ سہو کی تلافی دوسری نماز میں

سوال (۲۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نماز میں سجدۂ سہو کرنا بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر دیا، پھر اسی جگہ کسی مفسد صلوٰۃ عمل کئے بغیر کسی سنت یا نفل نماز کی نیت باندھ لی، اس دوران اسے یاد آیا کہ پہلی نماز کا سجدۂ سہو چھوٹ گیا ہے؛ چناں چہ اس نے نماز میں وہ سجدۂ سہو کرلیا، تو اَب سوال یہ ہے کہ:

الف:- کیا اس سجدۂ سہو سے پچھلی نماز کا سجدۂ سہو کی تلافی ہو جائے گی؟

ب:- دوسری نماز میں سجدۂ سہو کرنے سے اس نماز میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا، اگر آئے گا تو اس کی تلافی کی کیا شکل ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- **الف:-** پہلی نماز میں جو سجدۂ سہو واجب ہوا تھا، اُس کی تلافی مستقل تحریمہ سے پڑھی گئی دوسری فرض یا نفل نماز میں سجدۂ سہو کرنے سے نہ ہو گی؛ کیوں کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں؛ لہٰذا ایک کی کمی دوسری نماز ی سے پوری نہ ہوگی۔

ولو سهى، ثم قام فكبر ودخل في صلاة أخرىٰ فرضًا كان أو نفلا لا يجب عليه سجود السهو؛ لأن التحريمة الأولىٰ قد انقطعت وهذه تحريمة استؤنفت فكان النقصان الذي حصل في التحريمة الأولىٰ لايمكن جبره بفعله في التحريمة الأخرىٰ. (الفتاوى الولوالجية، كتاب الطهارة / الفصل العاشر في حق المريض ومن بمعناه ١٠٤/١)

ب:- دوسری نماز میں سجدۂ سہو نہیں کرنا چاہئے تھا؛ لیکن اگر سجدۂ سہو کرلیا تو راجح قول کے مطابق اس کی نماز درست ہوجائے گی، اِعادہ لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵۲۵/۱۱، فتاویٰ قاسمیہ ۵۷۵/۷ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه، فبان أن لا سهو فالأشبه الفساد (الدر المختار) وفي الشامية قال: وفي الفيض: وقيل لا تفسد وبه يفتى. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٣٥٠/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مغرب کی ایک رکعت چھوٹ گئی، سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت پڑھ لیں

سوال (۲۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خالد کی مغرب کی نماز میں ایک رکعت چھوٹ گئی، پھر اس نے سلام پھیرنے کے بعد ایک

رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھ لی اور ان دو رکعتوں میں بیچ میں قعدہ بھی نہیں کیا تو اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- صورت مسئولہ میں قعدۂ اخیرہ کے ترک کی وجہ سے مذکورہ مسبوق شخص کی فرض نماز ادا نہیں ہوگی؛ بلکہ یہ پوری نماز نفل ہوگئی اب اس پر دوبارہ فرض کی ادائیگی لازم ہے۔

ولو سها عن القعود الأخير عاد ما لم يقيدها بسجدة وإن قيدها تحول فرضه نفلا برفعه. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۵۵۰/۲-۵۵۱ زكريا)

وإن سهىٰ عن القعدة الأخيرة وقام إلى الخامسة يعود إلى القعدة ما لم يسجد ويسجد للسهو، وإن قيد الركعة الخامسة بالسجدة تحولت صلاته نفلا ...... والكلام في القيام إلى الرابعة في المغرب وإلى الثالثة في الفجر كالكلام في القيام إلى الخامسة في الرباعيات. (غنية المتملي في شرح منية المصلي، كتاب الصلاة / فصل في سجود السهو ٤١١/٢- ٤٠٧ مكتبة دار العلوم ديوبند، ٤٦٢-٤٦٣ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

مفسداتِ نماز

نماز میں ''سبحانک اللهم'' سے پہلے ''ثنا'' اور فاتحہ سے پہلے ''سورة الفاتحة مكية'' کہنا

سوال (۲۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) اگر کوئی شخص نماز میں ''سبحانک اللهم'' سے پہلے کہے ''ثنا''، پھر پڑھے ''سبحانک اللهم الخ''، یا سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے ''سورة الفاتحة مكية'' کہے، پھر قرأت شروع کرے تو اُس کی نماز صحیح ہوگی یا فاسد؟

(۲) لفظ ثناء یا سورة الفاتحہ مکیہ ذکر وقرأت میں شمار ہوگا یا کلام الناس میں؟

(۳) ''**الصلاة يمنع فيها عن غير القراءة والذكر قطعًا وما كان قصة ولم يثبت قرآنيته لم يكن قراءة ولا ذكرًا فيفسد.** (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٨٦/٢ زكريا، ٤٨٥/١ كراچی)

اور ''**إن الكلام مفسد قليلا كان أو كثيرًا فيفسد النطق بحرفين أو حرف مفهم.**

اِن دونوں عبارتوں کا مطلب بھی تحریر فرمائیں؛ تاکہ کلام الناس اور ذکر وقرأت کا فرق واضح ہوجائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- (۱-۳) نماز میں ''سبحانک اللّٰهم'' سے

پہلے بے خیالی میں لفظ ''ثنا'' کہنے سے نماز فاسد نہ ہوگی؛ اِس لئے کہ لفظ ثنا بذاتِ خود الفاظ ذکر میں شامل ہے؛ جیسا کہ ایک حدیث میں دعا کے اندر ''وجل ثناء ک'' کے اَلفاظ آئے ہیں۔ (ترمذی شریف/ ابواب الدعوات ۹۲/۲)

لہٰذا محل ذکر میں اُس کو کہنے سے استحساناً نماز میں فساد کا حکم نہ ہوگا؛ تاہم بالقصد یہ لفظ نہ بولنا بہتر ہے؛ تاکہ کوئی اشتباہ نہ رہے۔

اِس کے برخلاف سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے ''سورۃ الفاتحۃ مکیۃ'' کہنے سے نماز مطلقاً فاسد ہوجائے گی؛ کیوں کہ یہ پورا جملہ نہ تو الفاظ ذکر میں سے ہے اور نہ ہی قرآنِ کریم کا جزء ہے؛ بلکہ محض کلام الناس میں داخل ہے۔ اور یہاں یہ نہ کہا جائے کہ اِس زیادتی سے معنی میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوا؛ لہٰذا نماز فاسد نہیں ہونی چاہئے؛ جیسا کہ بعض شائع شدہ فتوؤں میں لکھا گیا ہے؛ کیوں کہ تغیر معنی کا اُسی وقت لحاظ رکھا جاتا ہے؛ جب کہ وہ زیادتی کلام الناس میں سے نہ ہو۔ پس جو زائد الفاظ محض کلام الناس کے درجہ میں ہوں، وہ بہرحال مفسد صلوٰۃ ہیں؛ خواہ عمداً ہو یا سہواً، مثلاً: کوئی شخص قرأت سے پہلے یہ جملہ بولے ''جاء زید'' وغیرہ تو بہرحال نماز فاسد ہوجائے گی۔ بریں بنا جن فتاویٰ میں تغیر معنی والی عبارتوں سے استدلال کرتے ہوئے زیر بحث صورت میں عدمِ فساد کا حکم دیا گیا ہے، وہ عبارتیں دعویٰ پر منطبق نہیں ہیں۔ اور اِس صورتِ حال سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ یا تو مدارس ومکاتب میں سورتوں سے پہلے یہ جملہ بچوں کو رٹایا ہی نہ جائے یا اُنہیں تاکید کردی جائے کہ اسے نماز میں ہرگز نہ پڑھیں۔

یفسدها التکلم هو النطق بحرفین أو حرف مفهم ...... عمده وسهوه قبل قعوده قدر التشهد سیان. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة ۳۷۰/۲-۳۷۱ زکریا)

ولو جری علی لسانه نعم أو أری إن کان یعتادها في کلامه تفسد؛ لأنه من کلامه وإلا لا. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ۳۸۲/۲ زکریا)

زاد كلمة ولم تغير ...... لا تفسد وإن لم يغير؛ لكنه ليس في القرآن نحو فيها فاكهة ونخل وبقل ورمان، الأصح أنه لا تفسد عند عامة المشائخ. وإن غير المعنى فسد ...... وهذا مشكل؛ لأنه لا يزيد على زيادة كلمة لا تغير المعنى. (بزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الحادي عشر ۳۳/۱ مكتبة الاتحاد ديوبند، ٤٧/٤ زكريا)

(۳) اِس بارے میں فقہی جزئیات کے مطالعہ سے خلاصہ کے طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو الفاظ نہ تو ذکر میں شامل ہوں اور نہ قرآنِ کریم کا جزء ہوں اور نہ ہی کسی آیت کے ہم معنی ہوں، تو اُنہیں کلام الناس سمجھا جائے گا اور آں جناب نے جو عبارتیں لکھی ہیں، اُن کا مفہوم بھی یہی ہے۔

قال في الفتح: والوجه إذا كان المقروء من مكان القصص والأمر والنهي أن تفسد بمجرد قراء ته؛ لأنه حينئذ متكلم بكلام غير قرآن بخلاف ما إذا كان ذكرًا أو تنزيهًا؛ فإنها تفسد إذا اقتصر على ذلك بسبب إخلاء الصلاة عن القراء ة وتبعه في البحر وقواه في النهر. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، مطلب: في حكم القراء ة بالفارسية ۱۸۵/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں ثنا پڑھنے سے پہلے لفظ ثنا کہنا

سوال (۲۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز کے شروع میں اگر کوئی شخص ثنا پڑھنے سے پہلے لفظ ثنا کا اِضافہ کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ نماز میں کلام الناس سمجھا جائے گا؟ اِسی طرح التحیات شروع کرنے سے پہلے لفظ التحیات کہنا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی؛ کیوں کہ ثنا اورالتحیات کے اَلفاظ نہ تو غیرعربی زبان کے ہیں اور نہ اُن سے یہاں کلام الناس مراد لیا گیا؛ بلکہ گویا مصلی نے ثنا کے عنوان کے طور پر لفظ ثنا اور التحیات کے عنوان کے طور پر التحیات بولا ہے، بریں بنا نماز کے فساد کا حکم نہیں لگے گا۔

مستفاد: ولو قال العاطس: یرحمک اللّٰہ وخاطب نفسہ لا یضرہ، کذا في الخلاصۃ. (الفتاویٰ الهندیة / الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها ۹۸/۱ زکریا)

ولو قال: اللّٰہم صل علی محمد، أو قال: اللّٰہ أکبر لا تفسد صلاتہ بالإجماع إن لم یرد بہ الجواب. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاۃ / الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها ۹۹/۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/۱۱/۱۴۳۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز اگر لفظ ''نعم'' زبان سے نکل گیا

سوال (۲۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرات فقہاء کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ دورانِ نماز اگر کسی کی زبان پر لفظ ''نعم'' آجائے، تو اگر یہ لفظ اُس کی عادت میں داخل ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی؛ ورنہ نہیں۔

ولو جری علی لسانہ نعم إذا کان لہ عادۃ تفسد وإلا لا؛ لأنہ من القرآن. (حاشیة شلبي علی تبیین الحقائق ۳۹۵/۱)

یہی بات علامہ شامی نے ذکر فرمائی ہے، تو ''**إن کان یعتادها في کلامہ**'' کی قید لگادی اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں ''**في غیر الصلاۃ**'' کی قید ہے، بظاہر دونوں کی مراد ایک ہی ہے۔ یعنی خارج الصلوٰۃ اگر لفظ نعم کی عادت ہے اور نماز میں حسبِ عادت اس کی زبان پر یہ لفظ

جاری ہوگیا، تو نماز کے فساد کا حکم ہوگا۔ اَب قابل توجہ بات یہ ہے کہ عام طور پر مکاتب میں بچوں کو "**سبحانک اللّٰھم**" سے پہلے "ثنا" کا لفظ یاد کرایا جاتا ہے، جس کی اُن کو عادت پڑ جاتی ہے اوراس کا مقصد ثنا نامی تسبیح پڑھنے کی خبر دینا ہوتا ہے؛ جیسا کہ بعض شائع شدہ فتاویٰ میں لکھا ہے، ثنا پڑھنے والا ثنا کے کلمات پڑھنے سے پہلے اس کا عنوان بتا رہا ہے کہ میں ثنا پڑھ رہا ہوں، یعنی اللہ کی تعریف کے کلمات کہنے جا رہا ہوں"۔

اِس لئے بظاہر اِس صورت میں مذکورہ دو وجہوں سے نماز فاسد ہوجانی چاہئے، بندہ کو یہ خلجان ہے، اس کو دور فرمادیں تو نوازش اور کرم ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بے شک آپ کا خلجان برمحل ہے، اسی کو سامنے رکھتے ہوئے پہلے فتویٰ میں یہ لکھا گیا تھا کہ "**سبحانک اللّٰھم**" سے پہلے "ثنا" کا لفظ کہنا بہتر نہیں ہے؛ تاکہ اِس طرح کا خلجان پیدا نہ ہوسکے؛ لیکن فی نفسہٖ چوں کہ یہ لفظ محل ذکر میں بولا گیا ہے اور ثنا کا لفظ بذاتِ خود ذکر ہے؛ جیسا کہ ترمذی شریف وغیرہ کی روایت میں "وجل ثناءک" مذکور ہے، اِس لئے اس لفظ کو ذکر پر محمول کرتے ہوئے استحساناً عدمِ فساد کا حکم کیا گیا ہے، جس کی فی الجملہ تائید علامہ شامی رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

قلت: ظاهره أن الفساد منوط بمعرفة ذلک، فلو کان لا يعرفه أو لم يقصد معنی الإضافة وإنما سبق لسانه إلی ذلک أو قصد مجرد تکرير الکلمة لتصحيح مخارج حروفها ينبغي عدم الفساد، وکذا لو لم يقصد شيئًا؛ لأنه يحتمل الإضافة ويحتمل التأکيد وعلی احتمال الإضافة يحتمل إضافة الأول إلی محذوف دل عليه ما بعده، کما هو مقرر في قولهم: يا زيد زيد اليعملات وعند الاحتمال ينتفي الفساد لعدم تيقن الخطأ. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يکره فيها، مطلب: إذا قرأ قوله تعالیٰ جدك بدون ألف لا تفسد ۳۹۷/۲ زکريا)

اورآں جناب کا پیش فرمودہ جزئیہ جس میں ''نعم'' کا تذکرہ ہے؛ اس سے اس حکم کا کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیوں کہ ''نعم'' کو ذکر پر محمول نہیں کیا جاسکتا ہے؛ لہٰذا یہ عادت پر مبنی ہونے کی صورت میں سراسر کلام الناس میں شامل ہوگا اور نماز کے فساد کا حکم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۴/۶۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۸/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خارجِ نماز شخص سے امام یا مکبر کا لقمہ قبول کرنا

سوال (۲۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خارجِ نماز آدمی سے لقمہ قبول کرنے کا کیا حکم ہے؟ کس کی کئی صورتیں ہیں:

(۱) مسجد میں لائٹ چلی گئی، مائک بند ہوگیا، پیچھے سے کسی نے کہا، آگے والے تکبیر بولیں؟

(۲) امام کو رکعت میں غلطی ہونے سے روکنے کے لئے خارجِ نماز شخص نے اللہ اکبر کہہ دیا اور امام نے قبول کرکے اس کے مطابق عمل کرلیا؟

(۳) قراءت میں فحش غلطی ہونے پر مقتدیوں نے بتایا نہیں، نماز کو فساد سے بچانے کے لئے خارج نماز شخص نے لقمہ دے دیا اور امام نے قبول کرلیا؟

(۴) خارجِ نماز کسی آدمی نے لقمہ دینے کے ارادے کے بغیر یوں ہی اللہ اکبر کہا اور بعض پیچھے والے مقتدیوں نے اسے امام کی تکبیر سمجھا اور اس کے مطابق رکوع یا سجدہ میں چلے گئے، تو ان سب صورتوں میں نماز کا کیا حکم ہے؟ مقتدی لقمہ قبول کرے تو اس کی نماز کا اور امام لقمہ قبول کرے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مکبر نے کچھ سوچے سمجھے بغیر، محض کہنے والے کی بات کی تعمیل میں تکبیر کہہ دی تو مکبر اور اس کی تکبیر پر عمل

کرنے والوں کی نماز فاسد ہوجائے گی؛ لیکن اگر مکبر نے سوچ سمجھ کر اور ضرورت محسوس کرتے ہوئے تکبیر کہی تو کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

حتی لو امتثل أمر غيره فقيل له تقدم فتقدم الخ، بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه (الدر المختار) مسجد كبير يجهر المؤذن فيه بالتكبيرات فدخل فيه رجل أمر المؤذن أن يجهر بالتكبير وركع الإمام للحال فجهر المؤذن إن قصد جوابه فسدت صلاته الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/ ۳۸۱ زكريا)

(۲-۳) محض خارجِ نماز شخص کے کہنے پر عمل کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر خود غلطی یاد آگئی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

قلت: والذي ينبغي أن يقال إن حصل التذكر بسبب الفتح تفسد مطلقًا الخ، وإن حصل تذكره من نفسه لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقًا الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/ ۳۸۲ زكريا)

(۴) جس مقتدی نے خارجِ نماز شخص کی تکبیر کی تعمیل کی اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

إلا إذا سمعه المؤتم من غير مصل ففتح به تفسد صلاة الكل (الدر المختار) لأن التلقين من خارج. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/ ۳۸۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سلام کے بعد مقتدی کا اِمام صاحب سے کہنا کہ ایک سجدہ رہ گیا

سوال (۲۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی اِمام نے ۴؍ رکعت نماز پڑھائی تو سلام پھیرتے ہی کسی مقتدی نے کہا کہ اِمام

صاحب ایک سجدہ رہ گیا، تو اِمام صاحب کو کیا کرنا ہوگا؟ کیا وہ مقتدی کی آواز سنتے ہی سجدہ کریں گے یا پہلے ’’التحیات‘‘ پڑھیں گے، اُس کے بعد سجدۂ سہو کریں گے، اور اُس مقتدی کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟ کیا کلام کی وجہ سے اُس کی نماز درست ہوگی یا فاسد ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں جس مقتدی نے اِمام صاحب کو یاد دلانے کے لئے یہ کہا کہ ’’ایک سجدہ رہ گیا‘‘ تو اُس مقتدی کی نماز بلاشبہ فاسد ہوگئی، اَب رہ گئی اِمام صاحب کی نماز، تو اِس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مذکورہ مقتدی کے اَلفاظ سن کر سوچے سمجھے بغیر اِمام صاحب نے سجدہ کیا تو اُن کی نماز فاسد ہوگئی۔ اور اگر مقتدی کے یاد دلانے پر اِمام صاحب کو خود یاد آ گیا کہ واقعۃً ایک سجدہ چھوٹ گیا ہے، اَب اُن کو چاہئے کہ اَولاً چھوٹا ہوا سجدہ کریں، اُس کے بعد فوراً قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھیں اور اخیر میں حسبِ ضابطہ سجدۂ سہو کریں، اِس طرح اُن کی اور مقتدیوں کی نماز صحیح اور مکمل ہوجائے گی۔

یفسدها التکلم هو النطق بحرفین أو حرف مفهم. (الدر المختار، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ۳۷۰/۲ زکریا)

لو امتثل أمر غیره فقیل له تقدم فتقدم، أو دخل فرجة الصف أحد فوسع له فسدت؛ بل یمکث ساعة ثم یتقدم برأیه. (الدر المختار، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ۳۸۱/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسی خارجی شخص کی تکبیرات انتقالیہ پر اقتداء کرنا

سوال (۲۵۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کی نماز میں بجلی چلی جانے کی وجہ سے دوسری اور تیسری منزل میں تکبیراتِ انتقالیہ کی

آواز نہیں جاسکتی اور ایک شخص جو جماعت میں شامل نہ تھا، اس نے بلند آواز سے تکبیرات کہہ دیں اس کی آواز سن کر اوپر نماز پڑھنے والوں نے ارکان ادا کیے تو اوپر والوں کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں جن مقتدیوں نے خارجی شخص کی تکبیر پر اقتداء کی ہے اُن کی نماز درست نہیں ہوئی، اُنہیں چاہئے کہ بعد میں جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز قضا کرلیں۔

لو امتثل أمر غيره فقيل له: تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فوسع له فسدت، بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه وفي الشامي: مسجد كبير يجهر المؤذن فيه بالتكبيرات فدخل فيه رجل أمر المؤذن أن يجهر بالتكبير وركع الإمام للحال فجهر المؤذن إن قصد جوابه فسدت صلاته. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۳۸۱ زكريا)

أخذ المصلي غير الإمام بفتح من فتح عليه مفسدًا أيضًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۳۸۱ زكريا، ۱/۶۲۲ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز بے اختیار کھانسی کا تین تسبیح کے بقدر جاری رہنا

سوال (۲۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے، قرأت کے دوران اچانک اُن پر کھانسی کا غلبہ ہوا اور دیر تک کھانستے رہے، جس میں یقیناً تین تسبیح کا وقت تو ضرور گذرا ہوگا، پھر آگے قرأت شروع کی تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریرِ سوال چوں کہ دورانِ نماز بے اختیار کھانسی آئی ہے؛ تو اگرچہ وہ تین تسبیح کے بقدر جاری رہی، پھر بھی نماز فاسد نہیں ہوگی؛ کیوں کہ بے اختیار کھانسی آنا مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے۔

أما السعال المدفوع أي المضطر إليه فلا يكره. (حلبي كبير ص: ۳۵۱ سهيل اكيڈمی لاهور، ۲۲۸/۲ مكتبة دار العلوم ديوبند)

ومن الأدب دفع السعال ما استطاع تحرزا عن المفسد؛ فإنه إذا كان بغير عذر يفسد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل من آدابها ص: ۲۷۷ دار الكتب العلمية بيروت، الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، آداب الصلاة ۱۷۶/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۱/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز دردِ گردہ محسوس ہوا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال (۲۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نے ''تعلیم الاسلام'' حصہ چہارم ''مفسدات نماز'' کے ضمن میں لکھا ہے کہ ''درد یا رنج کی وجہ سے آہ یا اُوہ یا اُف کرنا'' اَب اگر ایک شخص کو عین نماز کے وقت دردِ گردہ ہوا، تو نماز کیسے اَدا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بالقصد کراہنا (یعنی روکنے کی قدرت کے باوجود آہ یا اُف کی آواز نکالنا) مفسد نماز ہے۔ ''تعلیم الاسلام'' کی عبارت سے یہی صورت مراد ہے؛ لیکن اگر سخت تکلیف کی وجہ سے کسی نمازی کے منہ سے بے اختیار کراہ نکل جائے، تو نماز فاسد نہیں ہوتی؛ چناں چہ فقہاء نے اِس کی صراحت فرمائی ہے۔

والبكاء بصوت يحصل به حروف لوجع أو مصيبة قيد للأربعة إلا لمريض لا يملك نفسه عن أنين وتأوُّه الخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۳۷۸/۲ زكريا)

ومحل الفساد به عند حصول الحروف إذا أمكنه الامتناع عنه، أما إذا لم يمكنه الامتناع عنه فلا تفسد به عند الكل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۳۲۵ دار الكتب العلمية بيروت، الفتاوى الهندية ۱۰۰/۱، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في بيان حكم الاستخلاف، تحقيق وتعليق: الشيخ علي المعوض ۱۲۹/۲ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نماز میں آگ دیکھ کر ''اللہ اکبر'' کہنا

سوال (۲۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے اِسی دوران آگ لگ گئی، تو اگر نماز میں زور سے ''اللہ اکبر'' کہتا ہے تو اُس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: - نمازی کا آگ دیکھ کر گھبراہٹ میں ''اللہ اکبر'' کہنا مفسد صلوٰۃ نہیں؛ کیوں کہ یہ ذکر کا کلمہ ہے، کلام الناس نہیں ہے۔

مستفاد: وإن أخبر بخبر يسره فقال: الحمد لله، أو أخبر بما يتعجب منه، فقال: سبحان الله، فإن لم يرد جواب المخبر لم تقطع صلاته. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل بيان حكم الاستخلاف ۲۳۵/۱ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۲/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں کتنی دیر تک ستر کھلا رہنے سے نماز باطل ہوجائے گی؟

سوال (۲۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نماز میں ستر کھلا تو کتنی دیر تک کھلے تو نماز نہ ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر نماز میں اَعضائے مستورہ میں سے کسی عضو کا چوتھائی حصہ ایک رکن یعنی ۳؍مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کے بقدر کھلا رہا تو نماز باطل ہوجائے گی۔

ویمنع حتی انعقادها کشف ربع عضو قدر أداء رکن بلا صنعه (الدر المختار) قال شارحها: وذلک قدر ثلث تسبیحات. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب شروط الصلاۃ، مطلب في النظر إلی وجه الأمرد ۲/۸۱-۸۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۷/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز اُگالدان میں تھوکنا

سوال (۲۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کو منہ میں بہت زیادہ تھوک آتا ہے وہ نگل بھی نہیں سکتی؛ کیوں کہ نگلنے میں قے آنے کا ڈر ہے، اُس کے لئے نماز پڑھنا سخت دشوار ہے، تو کیا وہ ایسا کرسکتی ہے کہ مصلی کے قریب اُگالدان رکھے اور جب تھوک آئے تو اُس میں تھوکتی رہے، پھر تھوکنے کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں: (۱) منہ اُگالدان کے قریب کرکے تھوکے (۲) ہاتھ سے ڈبہ اُٹھا کر تھوکے، تو اِن دونوں شکلوں میں سے کونسی شکل درست ہوگی اور کونسی درست نہ ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ عورت جب نماز میں قیام کی حالت میں ہو، تو بہتر ہے کہ ضرورت کے وقت رومال یا کپڑے سے تھوک صاف کرلے اور رکوع یا سجدہ

میں جاتے ہوئے قریب میں رکھے ہوئے اُگالدان میں تھوک دے، اُگالدان کو ہاتھ میں اُٹھا کر نہ تھوکے؛ کیوں کہ یہ عمل کثیر قرار پائے گا، جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنہ أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأی نخامة في القبلة فحکها بیدہ ورئي منه کراهیة أو رئي کراهته لذلک وشدته علیه. وقال: إن أحدکم إذا قام في صلاته فإنما یناجی ربه أو ربه بینه وبین قبلته، فلا یبزقن في قبلته ولکن عن یسارہ أو تحت قدمه، ثم أخذ طرف ردائه فبزق فیه ورد بعضه علی بعض قال أو یفعل هکذا. (صحیح البخاري، کتاب الصلاة / باب إذا بدرہ البزاق فلیأخذ بطرف ثوبه ۵۹/۱ رقم: ۴۱۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں دانتوں میں گٹکھے کا دانا پھنسا رہ گیا

سوال (۲۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص گٹکھا کھاتا ہے اور اُس کا دانا اُس کے دانت میں پھنس جاتا ہے، تو کیا اُس کی وجہ سے نماز میں کوئی فرق پڑے گا؟ نیز اگر وہ دانہ غسل کرتے وقت پھنسا رہے تو کیا غسل میں کوئی کراہت آتی ہے یا نہیں؟ برائے کرم جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - گٹکھے کا کچھ حصہ دانت میں پھنسے رہنے کی حالت میں اگرچہ نماز درست ہے، اور اُسے نکالے بغیر غسل بھی صحیح ہے؛ تاہم احتیاط اِسی میں ہے کہ دانت میں پھنسے ہوئے اجزاء کو اچھی طرح نکال کر ہی کلی کر کے غسل کیا جائے اور نماز پڑھی جائے۔

ولا یمنع ما علی ظفر صبّاغٍ ولا طعامٌ بین أسنانه (تنویر الأبصار) أو في سنّه المجوف، به یفتی (الدر المختار) قال الشامي: لأن الماء شيء لطیف یصل تحته غالبًا. (رد المحتار / کتاب الطهارة ۲۸۹/۱ زکریا)

ولو كان سنّه مجوفًا أو بين أسنانه طعامٌ أو درن رطب يجزيه؛ لأن الماء لطيف، يصل إلى كل موضعٍ غالبًا. (البحر الرائق / كتاب الطهارة ۸۸/۱ زكريا)

ولو نظر إلى مكتوب وفهمه، أو أكل ما بين أسنانه ...... لا تفسد ...... وأما الثاني: وهو أكله بين أسنانه فلأنه عمل قليل، أطلقه فشمل ما إذا كان قدر الحمصة كما قدمناه عن المحيط. ثم إذا كان ابتلاع ما بين أسنانه غير مفسدٍ بشرطه على الخلاف، فهو مكروه، كما صرح به في منية المصلي؛ لأنّه ليس من أعمال الصلاة، فكان مكروهًا وإن كان قليلاً. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲۵/۲-۲٦ زكريا)

وأكله وشربه مطلقًا إلا إذا كان بين أسنانه مأكولٌ دون الحمصة فابتلعه. (الدر المختار مع تنوير الأبصار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۳۸۳/۲ زكريا)

أو أكل ما بين أسنانه مما هو دون الحمصة؛ لأنه مما لا يمكن الاحتراز عنه؛ ولهٰذا لا يبطل به الصوم. (النهر الفائق، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲۷۵/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

وفي باب الحدث من الأصل: إذا كان بين أسنانه شيء فابتلعه لا تفسد صلاته؛ لأن ما بين أسنانه تبع لريقه. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة / الفصل الخامس عشر ۳٦۹/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

ويكره له أن يبتلع ما بين أسنانه إذا كان قليلاً. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة / الفصل الخامس عشر ۳۷۹/۱ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۳/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

قعدۂ اخیرہ میں ایک سلام پھیرنے کے بعد وضوٹوٹ گیا

سوال (۲۶۱):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور قعدۂ اخیرہ میں ایک سلام پھیرنے کے بعد دوسرے سلام پھیرنے سے پہلے ہی اس کا وضوٹوٹ گیا، تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- راجح قول کے مطابق نماز سے نکلنے کے لئے صرف پہلا سلام واجب ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد وضو ٹوٹنے سے نماز درست ہوگئی، اِعادہ لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶/۵۸۱ ڈابھیل)

عن علی رضي اللّٰه عنه عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: مفتاح الصلاة الطهور وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم. (سنن الترمذي، أبواب الطهارة / باب ما جاء أن مفتاح الصلاة الطهورة ۱/۶ رقم: ۳)

فیحصل التحلیل بسلام واحد. (الدر المختار، کتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/۲۳۹ زکریا)

ثم الخروج یتعلق بإحدیٰ التسلیمتین عند عامة العلماء، وقد روي عن محمد أنه قال: التسلیمة الأولیٰ للخروج والتحیة، والتسلیمة الثانیة للتحیة خاصةً. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة / کیفیة وسنن التسلیم ۱/۴۵۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

○❖○

مکروہاتِ نماز

نماز کے دوران نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے کا حکم

سوال (۲۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: منتخب احادیث: ۳۹۰ پر مسلم شریف کے حوالے سے روایت نقل کی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ لوگ نماز میں دعاء کے وقت اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھانے سے باز آجائیں الخ۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ نماز میں دعا کے وقت نگاہیں اُٹھانے کا کیا مطلب ہے؟ کون سے رکن کی کون سی دعا مراد ہے، جس میں نماز پڑھتے وقت نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھ سکتی ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نماز کے کسی بھی رکن میں خواہ وہ قیام ہو یا قعدہ ہو، آسمان کی طرف سر اُٹھانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور شارحین نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت مطلق ہے، یعنی دعا کی حالت ہو یا کوئی اور حالت؛ بہرحال دورانِ نماز آسمان کی طرف نظر اُٹھانے کی اِجازت نہیں۔

وذكر الشارح أنه يكره رفع بصره إلى السماء لقوله عليه السلام: ”ما بال أقوام يرفعون أبصارهم إلى السماء في الصلاة“. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۳۸/۲ زكريا، ۲۲/۲ كراچى، صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب رفع البصر إلى السماء في الصلاة ۱۰۳/۱ رقم: ۷۵۰)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لينتهين أقوام عن رفعهم أبصارهم عند الدعاء في الصلاة إلى السماء أو

لتخطفن أبصارهم. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب النهي عن رفع البصر إلى السماء في الصلاة ١٨١/١ رقم الحديث: ٤٢٩)

وفي حاشية النسائي: قال السندي: قوله يرفعون أبصارهم: كما يفعل كثير من الناس حال الدعاء. (حاشية النسائي، كتاب السهو / باب النهي عن رفع البصر إلى السماء في الصلاة ٣٠٢/١ تحت رقم: ١١٨٩ دار الفكر بيروت)

قال في النيل: لا يخلو الحال من أحد الأمرين، إما الانتهاء عنه وإما العمي وهو وعيد عظيم وتهديد شديد وإطلاقه يقتضي بأنه لافرق بين أن يكون عند الدعاء أو عند غيره، إذا كان ذلک في الصلاة كما وقع به التقييد والعلة في ذلک أنه إذا رفع بصره إلى السماء خرج عن سمت القبلة وأعرض عنها وعن هيئة الصلاة، والظاهر أن رفع البصر حال الصلاة حرام؛ لأن العقوبة بالعمي لا تكون إلا عن محرم. (عون المعبود شرح أبي داؤد، الصلاة / تفريع أبواب الركوع والسجود / باب النظر في الصلاة ١٢٨/٢ تحت رقم: ٩١٣ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایسے ٹائلس کے سامنے نماز پڑھنا جس میں پرچھائی نظر آتی ہو

سوال (۲۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں قبلہ کی جانب ایسے ٹائلس لگے ہوئے ہیں، جن میں نمازیوں کی پرچھائی صاف نظر آتی ہے، تو اُن کے سامنے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مساجد میں قبلہ کی جانب ایسے ٹائلس وغیرہ نہیں لگانے چاہئیں جن کو دیکھنے سے نمازیوں کے خشوع اور خضوع میں خلل پڑتا ہو۔ اور اگر کسی مسجد

میں ایسے ٹائلس لگے ہوں تو نمازیوں کو چاہئے کہ وہ سجدہ کی جگہ پر نگاہ جما کر خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھیں اور ٹائلس میں نظر آنے والے عکس وغیرہ کی طرف دھیان نہ دیں؛ تاہم اگر اُس کی طرف نظر پڑ جائے تو اس سے نماز میں کوئی فساد نہ آئے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶/۶۷۸ ڈابھیل، خیر الفتاویٰ ۲/۴۳۱، احسن الفتاویٰ ۳/۴۱۳)

بقي من المكروهات أشياء آخر ...... منها: الصلاة بحضرة ما يشغل البال ويخل بالخشوع كزينة ولهو ولعب ...... قوله: لأنه يلهي المصلي أي فيخلّ بخشوعه من النظر إلى موضع سجوده ونحوه. وقد صرح في البدائع في مستحبات الصلاة أنه ينبغي الخشوع فيها ويكون منتهى بصره إلى موضع سجوده ...... والظاهر من هذا أن الكراهة هنا تنزيهية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۴۲۵-۴۳۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

چمک دار پتھر پر نماز پڑھنا

سوال (۲۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مسجد کی فرش میں اِس قدر چمک دار پالش کرادی گئی کہ نمازی کو نماز میں اپنی صورت صاف نظر آتی ہے اور برابر والے نمازی کی صورت بھی نظر آتی ہے، تو ایسے فرش پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - ایسا فرش جس میں صورت کا عکس نظر آتا ہو اُس پر نماز پڑھنا خشوع وخضوع میں مخل ہونے کی وجہ سے اگرچہ مکروہ ہے؛ لیکن اُس پر پڑھی گئی نماز فی نفسہٖ درست ہے، واجب الاعادہ نہیں ہے۔

لا بأس بنقشه خلا محرابه؛ فإنه يكره لأنه يلهي المصلي ويكره

التكلف بدقائق النقوش خصوصًا في جدار القبلة (الدر المختار) فيفيد أن المكروه جدار القبلة بتمامه؛ لأن علة الإلهاء لا تخص الإمام بل بقية أهل الصف الأول كذلك. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۳۱/۲-٤۳۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۲/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وبائی اَمراض میں ماسک پہن کر نماز پڑھنا

سوال (۲۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل ''کورونا وائرس'' نام کی مہلک بیماری پھیلی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے ڈاکٹر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص خصوصاً کسی مجمع میں جائے تو ماسک پہن کر جائے۔ تو سوال یہ ہے کہ مسجد میں جو جماعت سے نماز پڑھنے آتے ہیں، اگر وہ ماسک پہن کر نماز پڑھیں تو اُن کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: - وبائی اَمراض سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شریعت میں منع نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک طبعی ضرورت میں داخل ہے۔ بریں بنا اگر کسی جگہ مذکورہ مرض کا واقعی خطرہ موجود ہو تو ایسا ماسک پہن کر نماز پڑھنا درست ہوگا، جو قرأت اور اَذکار میں مانع نہ ہو؛ لیکن جہاں پر وباء کا ظاہری خطرہ موجود نہ ہو تو محض وہم کی بناء پر نماز میں ماسک لگانے کی اِجازت نہ ہوگی؛ کیوں کہ بلا عذر نماز میں منہ اور ناک کو ڈھکنا سخت مکروہ ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن السدل في الصلاة وأن يغطي الرجل فاه. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب ما جاء في السدل في الصلاة رقم: ٦٤٣، مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة / الفصل الثاني ص: ۷۳)

قوله: أن يغطي الرجل فاه أي فمه في الصلاة، كانت العرب يتلثمون بالعمائم ويجعلون أطرافها تحت أعناقهم فيغطون أفواههم كيلا يصيبهم الهواء المختلط من حرّ أو برد فنهوا عنه؛ لأنه يمنع حسن إتمام القراء ة وكمال السجود. وفي شرح السنة: إن عرض له التثاؤب جاز أن يغطي فمه بثوب أو يده. والفرق ظاهر؛ لأن المراد من النهي استمراره بلا ضرورة، ومن الجواز عروضه ساعة لعارض. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة / باب الستر ٢٣٦/٢ المكتبة الأشرفية ديوبند)

يكره اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم (الدر المختار) وفي الشامية: والتلثم: وهو تغطية الأنف والفم في الصلاة؛ لأنه يشبه فعل المجوس حال عبادتهم النيران. ونقل ط عن أبي السعود: أنها تحريمية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره، مطلب: الكلام على اتخاذ المسبحة ٤٢٣/٢ زكريا)

وبما أن العادة جرت بانتقال بعض الأمراض من جسد إلى جسد آخر كالجذام والطاعون، فإن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمر بالحذر منه في درجة اختيار الأسباب والتدابير الوقائية، فإن اختيارها لا ينافي التوكل وعقيدة التقدير ما دام الإنسان معتقدًا بأن تاثير الأسباب ليس ذاتيًا، وإنما هو موقوف على مشيئة اللّٰه تعالىٰ. (تكملة فتح الملهم، كتاب الطب / باب لا عدوى ولا طيرة ٣٢٥/٤ دار إحياء التراث العربي بيروت)

يكره للمصلي أن يغطي فاه ...... فإذا علم هذا علم أن تغطية الفم إذا لم يكن عذرًا مكروه، وكذا تغطية الأنف. (حلبي كبير ص: ٣٤٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ١٣/٧/١٤٤١ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کہنی سے اُوپر تک آستین چڑھے رہنے کی حالت میں نماز

سوال (۲۶۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اکثر لوگ وضو کے بعد آستین بغیر کہنی سے نیچے کئے ہوئے نماز کی نیت باندھ لیتے ہیں، پھر یا تو دورانِ نماز دونوں آستین کو نیچے کرتے ہیں یا ایسے ہی نماز پوری کرتے ہیں؛ کیا دونوں شکلوں میں نماز ہوجائے گی یا دوہرانا واجب ہوگا؟ کیا نماز میں آستین کا نیچے کرنا عمل کثیر ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - کہنی سے اوپر تک آستین چڑھی رہنے کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگر اِس حالت میں میں نیت باندھ کر نماز میں شامل ہوگیا تو عمل قلیل کے ذریعہ آستین کو ٹھیک کرلینا چاہئے، یہی افضل ہے۔

اتفق العلماء على النهي عن الصلاة وثوبه مشمر أو كمه أو نحوه أو رأسه معقوص أو مرد وشعره تحت عمامته أو نحو ذلك، فكل هذا منهى عنه باتفاق العلماء، وهو كراهة تنزيهية، فلو صلى كذلك فقد أساء وصحت صلاته. (نووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب أعضاء السجود ۱۹۳/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند، المنهاج للنووي مكمل ص: ۳۹۰ تحت رقم: ۴۹۲ بيت الأفكار الدولية، فتح الملهم ۴۷۴/۳-۴۷۵ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وكره كفه أي رفعه ولو لتراب كمشمر كم أو ذيل (الدر المختار) وحرر الخير الرملي ما يفيد أن الكراهة فيه تحريمية الخ، ومثله ما لو شمر للوضوء، ثم عجل لإدراك الركعة مع الإمام، وإذا دخل في الصلاة كذلك، وقلنا بالكراهة فهل الأفضل إرخاء كمه فيها بعمل قليل أو تركهما لم أره، والأظهر الأول بدليل قوله الآتي، ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۴۰۶/۲ زكريا)

ولو صلی رافعًا کمیه إلی المرفقین کره. (فتاویٰ قاضي خان مع الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة / فصل فیما یفسد الصلاة ۱۳۵/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جبہ کے اندر چست پائجامہ وغیرہ پہن کر نماز پڑھانا

سوال (۲۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مسجد میں اِمامت کی خدمت انجام دے رہا ہے؛ لیکن اس کی عادت یہ ہے کہ جبہ کے ساتھ اِزار کے بجائے Legging (لیگنگس) پہنتا ہے، جو چست اور فٹ ہوتی ہے؛ لیکن یہ جبہ کے اوپر سے نظر نہیں آتی، تو کیا اُس کا نماز پڑھانا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر اندر کا چست لباس جبہ کے اُوپر سے نظر نہیں آتا، تو اُسے پہن کر نماز پڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کراہت اُس وقت ہوگی جب کہ جبہ کے بغیر چست لباس پہنا جائے۔

وکذلک اللباس الرقیق أو اللاصق بالجسم الذي یحکی للناظر شکل حصةٍ من الجسم الذي یجب ستره فهو في حکم ما سبق في الحرمة وعدم الجواز. (تکملة فتح الملهم / کتاب اللباس والزینة ۷۷/٤ دار إحیاء التراث العربي بیروت)

وعادم ساتر لا یصف ما تحته ولا یضر التصاقه وتشکله. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۸٤/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لنگی بنیان پہن کر نماز پڑھنا

سوال (۲۶۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بعض حضرات صرف لنگی اور بنیان (آدھی آستین والی) میں نماز پڑھ لیتے ہیں، بعض مرتبہ چادر وغیرہ اوڑھ لیتے ہیں اور بعض مرتبہ ایسے ہی صرف بنیان اور لنگی میں نماز پڑھ لیتے ہیں ایسا کرنا کیا درست ہے؟ نیز ہمارے امام (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- قصداً بے ہنگم لباس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ لہٰذا باوقار لباس پہن کر ہی نماز پڑھنی چاہئے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الأعراف: ۲۱] یعنی اے آدم کی اولاد! ہر سجدہ (نماز) کے وقت اپنی زینت اختیار کیا کرو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیہ ۲/ ۲۴۹)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾

[الأعراف، جزء آیت: ۳۱]

عن نافع عن عبد اللّٰہ ولا یری نافع إلا أنه عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إذا صلی أحدكم فلیلبس ثوبیه؛ فإن اللّٰہ عزوجل أحق أن یزین له فإن لم یكن ثوبان فلیأتزر. (السنن الكبریٰ للبیهقي، كتاب الصلاة / باب ما یستحب للرجل أن یصلي فیه من الثیاب ۲/ ۳۳۳ رقم: ۳۲۷۱ دار الكتب العلمیة بیروت)

ولهذه الآیة وما ورد في معناها من السنة یستحب التجمل عند الصلاة ولا سیما یوم الجمعة ویوم العید والطیب؛ لأنه من الزینة والسواک؛ لأنه من تمام ذلک، ومن أفضل اللباس البیاض. (تفسیر ابن كثیر [سورة الأعراف: ۳۲] ۳/ ۳٦٥ دار الكتب العلمیة بیروت)

وتكره الصلاة في ثیاب البذلة ...... ثوب لایصان عن الدنس ممتهن، وقیل ما لا یذهب به إلی الكبراء (وتحته في حاشیة الطحطاوي) الظاهر أن الكراهة للتنزیه. (حاشیة الطحطاوي مع مراقي الفلاح / كتاب الصلاة ص: ۳٥۹ المكتبة الأشرفیة دیوبند)

وفي ثياب البذلة: وهي ما يلبس في البيت ولايذهب بها إلى الكبراء.

(شرح الوقاية ١٦٩/١ مكتبة بلال ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۴/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پلاسٹک کی ٹوپی لگا کر نماز پڑھنا

سوال (۲۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان کی اکثر وبیشتر مسجدوں میں پلاسٹک کی ٹوپیاں رکھی ہوئی رہتی ہیں اور تمام لوگ انہی ٹوپیوں سے نماز پڑھتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ پلاسٹک کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا نماز درست ہوجاتی ہے یا نہیں اور مسجد میں پلاسٹک کی ٹوپی اور تسبیح دینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- پلاسٹک کی ٹوپی اوڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ اس لئے صاف ستھری ٹوپی اوڑھ کر ہی نماز اَدا کرنا چاہئے، اَدب کا تقاضا یہی ہے۔

وكره صلاته في ثياب بذلة يلبسها في بيته (الدر المختار) ولا يذهب به إلى الأكابر، والظاهر أن الكراهة تنزيهية الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤٠٦/٢-٤٠٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۳/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹائیگر نما ٹی شرٹ والی جیکٹ میں نماز پڑھنا

سوال (۲۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جیکٹ اور ٹی شرٹ وغیرہ پر جو PUMA (پوما) کمپنی کے ساتھ جیسے ٹائیگر نما شکل میں تصویر ہوتی ہے اُس کو پہن کو نماز اَدا ہوگی یا نہیں؟ اگر اَدا ہو جائے گی تو کراہت کے ساتھ یا

بلا کراہت؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر وہ تصویر اتنی بڑی اور واضح ہو کر بلا تکلف نظر میں آتی ہو تو اُسے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؛ البتہ اگر بہت چھوٹی تصویر ہو جو بغور دیکھے بغیر نظر میں نہ آئے تو اُسے پہن کر نماز مکروہ نہ ہوگی۔

ويكره التصاوير في الثوب والكراهة إذا كانت الصورة كبيرة وتبدو للناظر من غير تكلف فإذا كانت صغيرة أو ممحوة الرأس لا بأس به الخ. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الرابع ما يكره للمصلي وما لا يكره ۲/ ۲۰۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نقلی پلکیں لگا کر نماز پڑھنا

سوال (۲۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل عورتیں فیشن کے طور پر نقلی پلکیں لگاتی ہیں، کیا ان کو لگا کر نماز درست ہو جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- وضو میں آنکھ کے ظاہری حصہ پر پانی پہنچانا لازم ہے، جس میں دونوں پلکیں بھی داخل ہیں اور تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ زیب وزینت کے لئے جو نقلی پلک بذریعہ گوند چپکائی جاتی ہے وہ پلک کے ظاہری حصہ تک پانی پہنچنے سے مانع ہوتی ہے؛ لہٰذا نقلی پلک چپکے ہونے کی حالت میں کیا گیا وضو یا غسل صحیح نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں زیب وزینت کے لئے ایسے تکلفات شریعت میں ہرگز پسندیدہ نہیں ہیں، یہ سب غیروں کے طریقے ہیں، جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: لعن اللّٰه الواشمات

والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق اللّٰه تعالىٰ. (صحيح مسلم، كتاب اللباس / باب تحريم والزينة فعل الواصلة الخ ۲۰۵/۲ رقم: ۲۱۲۵)

ويجب أي يفرض غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرج مرة كأذن وسرة وشارب وحاجب وتحته في الشامية: (وشارب وحاجب) أي بشرة وشعرًا وإن كثف بالإجماع. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة / مطلب: في أبحاث الغسل ۲۸۵/۱ زكريا)

ولا بد من زوال ما يمنع وصول الماء إلى الجسد كشمع شحم. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الطهارة / فصل في أحكام الوضوء ص: ٦٢ المكتبة الأشرفية ديوبند)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد / كتاب اللباس ۵۵۹/۲ رقم: ۴۰۳۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

گھر میں عورتوں کا آگے پیچھے جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۲۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ گھر میں جگہ کی کمی کی وجہ سے عورتیں آگے پیچھے جائے نماز بچھا کر اپنی الگ الگ نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ اَب اگر آگے پڑھنے والی عورت نے پہلے سلام پھیر دیا، تو پیچھے پڑھنے والی عورت کا سامنا کرنے کا اُسے گناہ ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں آگے پیچھے مصلیٰ بچھا کر خواتین اپنی الگ الگ نماز پڑھ سکتی ہیں، پھر آگے والی عورت اگر پیچھے والی سے پہلے سلام پھیر دے، اور اپنے

مصلیٰ پر بیٹھی رہے تو بھی کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ اِس طرح نمازی کے سامنے بیٹھنا ممنوع نہیں ہے، اور اگر کچھ دائیں بائیں ہوکر وہاں سے اُٹھ جائے، تو بھی اُسے نمازی کے آگے سے گذرنے کا گناہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہاں گذرنا نہیں پایا گیا؛ بلکہ صرف ہٹنا پایا گیا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴۰۸/۳)

ولا يكره صلاة إلى ظهر قاعدٍ (الدر المختار) قيد بالظهر احترازًا عن الوجه؛ فإنها تكره إليه. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤٢٢/٢ زكريا، ٦٥١/١ كراچى)

أراد المرور بين يدي المصلي فإن كان معه شيءٌ يضعه بين يديه ثم يمر ويأخذه، ولو مر اثنان يقوم أحدهما أمامه ويمر الآخر، ويفعل الآخر هكذا يمران. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤٠١/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دورانِ نماز مسجد کی پہلی صف میں ہیٹر چلانا

سوال (۲۷۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل سخت سردی کے موسم میں گرمی حاصل کرنے کے لئے بجلی کے ہیٹر آرہے ہیں، جن میں اندر ایک راڈ لگا رہتا ہے، جس میں بجلی کے تار فٹ ہوتے ہیں اور وہ گرم ہوکر سرخ ہوجاتے ہیں، بعض مساجد میں انہیں قبلہ کی دیوار میں صف کے آگے بھی رکھا جانے لگا ہے، تو سوال یہ ہے کہ ایسے ہیٹروں کے سامنے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کہیں یہ آگ کے سامنے نماز پڑھنے کے مشابہ تو نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ہیٹر سامنے رکھ کر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ اِس لئے کہ اُن کو عبادت کی غرض سے سامنے نہیں رکھا جارہا ہے؛ بلکہ صرف گرمی

حاصل کرنے کے لئے اُن کا استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے زمانے میں روشنی کے لئے باقاعدہ چراغ جلائے جاتے تھے، اور چراغ کے سامنے نماز پڑھنے کو فقہاء نے درست قرار دیا ہے، اور ہیٹر کے سامنے نماز پڑھنے میں آتش پرستوں کی مشابہت بھی نہیں ہے؛ اِس لئے کہ وہ لوگ ہیٹر والی آگ کی عبادت نہیں کرتے؛ بلکہ مخصوص انداز میں دہکنے والی آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ (تاہم اِن ہیٹروں کو سامنے کے بجائے دائیں بائیں رکھیں تو زیادہ بہتر ہوگا)

في الحجة: إذا صلى وبين يديه سراج يضيء؛ فلا بأس به، والأولى أن لا يواجهه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الرابع ما يكره للمصلي وما لا يكره ۲/۲۱۰ رقم: ۲۱۹۰ زكريا)

ولو توجه إلى قنديل أو إلى سراج لم يكره. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/۱۶۷ مكتبة الاتحاد ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

○❖○

اِمامت کے مسائل

علامت بلوغ ظاہر نہ ہونے کے باوجود ۱۶؍ سالہ لڑکے کی امامت

سوال (۲۷۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا سولہ سال کا لڑکا امامت کرسکتا ہے؟ اگر چہ اس میں بلوغ کی علامت ظاہر نہ ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- جس شخص کی عمر پندرہ سال سے زائد ہو وہ شرعاً بالغ کے حکم میں ہوتا ہے خواہ اس میں علاماتِ بلوغ ظاہر ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں، بریں بنا مسئولہ صورت میں سولہ سال کا لڑکا ہر طرح کی نمازوں کی امامت کرسکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: عرضت على رسول الله صلى الله عليه وسلم في جيش وأنا ابن أربع عشرة فلم يقبلني فعرضت عليه من قابل في جيش وأنا ابن خمس عشرة فقبلني، قال نافع: فحدثت بهذا الحديث عمر بن عبد العزيز فقال: هذا حد ما بين الصغير والكبير، ثم كتب أن يفرض لمن يبلغ الخمس عشرة. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما جاء في حد بلوغ الرجل والمرأة ۲۵۲/۱ رقم: ۱۳۶۱)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال والأصل هو الإنزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل ولم يذكر الإنزال صريحًا؛ لأنه قلما يعلم منها فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى. (الدر المختار

مع رد المحتار، كتاب الحجر / فصل بلوغ الغلام بالاحتلام ١٥٢/٦ كراچی، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الحجر / فصل في بيان أحكام البلوغ ٤٤٤/٢ دار التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۷/۸/۴ھ

بدعتی کے بجائے صحیح العقیدہ غیر مقلد اِمام کی اقتداء اولیٰ ہے

سوال (۲۷۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص ایسی جگہ میں ہو کہ وہاں پر دو مسجدیں ہوں، ایک بریلوی حضرات کی اور دوسری مسجد غیر مقلد کی، تو اِن دونوں مسجدوں میں سے کس مسجد کے اِمام کے پیچھے نماز ادا کرنا اولیٰ ہوگا؟ آیا غیر مقلد امام کے پیچھے نماز ادا کرنا اولیٰ ہوگا یا بریلوی امام کے پیچھے؟ نیز جن اِمام کو ترجیح دی جائے گی اُس کی علت کیا ہوگی؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- کوشش یہی کرنی چاہئے کہ صحیح العقیدہ اِمام کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے؛ تاہم اگر قریب میں اپنی کوئی مسجد نہ ہو تو اہل بدعت کے بجائے ایسے غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا اولیٰ ہوگا جو بدزبان اور بدعقیدہ نہ ہو اور عمل میں محتاط ہو۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۴۳/۳ مکتبہ دارالعلوم دیوبند)

وذهب عامة مشائخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف وإلا فلا، والمعنى أنه يجوز في المراعي بلا كراهة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٣٠٢/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۲/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بریلوی اِمام کے پیچھے نماز

سوال (۲۷۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: احقر جس بستی میں مقیم ہے، وہاں کی پوری آبادی مسلک اعلیٰ احضرت بریلوی سے تعلق رکھتی ہے اور احقر پیشہ سے ڈاکٹر ہے، لوگوں کا آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا کافی عرصہ سے ایک ساتھ ہے، مگر فتنہ پیدا نہ ہو، اس وجہ سے میں نماز انہی کی مسجد میں بریلوی امام کے پیچھے پڑھ لیتا تھا؛ مگر ان کے بیانات میں شرکیہ کلمات کا کہنا اور علمائے دیوبند کو برا بھلا کہنا، بزرگانِ دین اور اولیاء کرام کو حاجت روائی کے لئے پکارنا، ایسے بیانوں کو سن کر دل میں وسوسہ پیدا ہوگیا ہے کہ اُن کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، یا بغیر جماعت کے تنہا پڑھ لیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں بادلِ ناخواستہ اُسی اِمام کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں، جماعت ترک نہ کریں اور ہدایت کی دعا کرتے رہیں۔

ولو صلى خلف مبتدع أو فاسق فهو محرز ثواب الجماعة؛ لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقي، كذا في الخلاصة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إمامًا لغيره ۸۴/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۵/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بوڑھے آدمی کا گھر کے قریب غیر مقلدین کی مسجد میں ظہر اور عصر پڑھنا

سوال (۲۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے گھر کے قریب غیر مقلدین کی مسجد ہے، جس میں نماز پڑھنے کے متعلق ایک عالم سے پوچھا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اُس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، زید ضعیف ہے، کبھی بارش ہوتی یا سفر میں جاتے وقت اُس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ظہر اور عصر کی نماز پہلے ہوتی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں مذکورہ ضعیف شخص کو اَوّلاً تو یہی کوشش کرنی چاہئے کہ حنفیہ کی مسجد میں جاکر ہی بالخصوص عصر کی نماز اَدا کرلے؛ تاہم ضعف کی

بناپر اگر غیر مقلدین کی مسجد میں مثل اول پر عصر کی نماز پڑھ لی تو بھی اَدا ہوجائے گی؛ کیوں کہ حنفیہ کا بھی ایک مضبوط قول اِسی کے موافق ہے۔

وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ الخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة / مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة ۱۴/۲-۱۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۱۲/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ملازمت کی خاطر حنفی امام کا دوسرے مسلک کے مطابق نماز پڑھانا

سوال (۲۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خلیجی ممالک، مثلاً سعودیہ، دبئ ابوظہبی، شارجہ، قطر، کویت اور بحرین وغیرہ جہاں زیادہ تر شافعی، مالکی اور حنبلی مسالک رائج ہیں، اِن ممالک میں ہند اور اطرافِ ہند کے احناف علماء وحفاظ اِمامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے ہیں، جہاں مقتدیوں کی رعایت کے ساتھ اُن کے مسلک کے مطابق اِمامت کرنی ہوتی ہے، تو اَحناف ائمہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر رائج مسلک کی تقلید کرتے ہوئے اِمامت کرتے ہیں، فرق کا ظہور عیدین اور رمضان میں ۸/رکعت تراویح، اور وتر میں ہوتا ہے کہ وہاں شفع اور وتر ہوتی ہے، نیز سجدۂ سہو سے قبل جہراً بسملہ، بعد فاتحہ کے جہراً آمین اور نماز فجر میں قنوت اور اُس میں وہاں کے شیوخ کا ذکر وغیرہ، مسائل میں احناف کے مسلک کو چھوڑ کر رائج مسلک پر عمل کرنا پڑتا ہے، اور جب یہ ائمہ اپنے گھر آتے ہیں تو مکمل طور پر احناف ہی کی اتباع کرتے ہیں، تو کیا اِس طرح احناف ائمہ کا امامت کرنا درست ہے؟ اَز روئے شرع اُن کی اِمامت کا کیا حکم ہے؟ اور مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی حنفی مسلک کا شخص اِن ممالک میں جائے تو اس طرح فرض طور پر مسلک پر عمل کرنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھے، یا جو اَصلا اِس مسلک کا متبع ہو اُن کی اقتداء میں نماز پڑھے تو اَز روئے شرع اس کی کیا تفصیل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- **الف:-** مسئولہ صورت میں حنفی ائمہ کا محض ملازمت کی خاطر اِمامت میں دیگر مسالک کی اتباع کرنا شرعاً درست نہیں ہے، جب وہ فقہ حنفی کو حق سمجھتے ہیں تو اِمامت بھی بہر حال فقہ حنفی کے مسائل کے مطابق کرنی چاہئے، اور صاف کہہ دینا چاہئے کہ ہم فقہ حنفی کے مطابق نماز پڑھائیں گے، اگر یہ شرط منظور ہو تو فبہا، ورنہ ایسی ملازمت قبول نہ کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۶/۵۷۱)

وبهذا تبين سر ما ذهب إليه الفقهاء من عدم جواز ترك مذهب إلى مذهب؛ لأن هذا إن كان على وجه التخطية للمذهب المتروك، فهو ليس بأهل لها، وإن كان على وجه الترجيح فهو ليس أيضًا من أهله، فلا وجه للانتقال إلا الهوى، أو شيء لا يعتد به، فلا يجوز لا سيّما إذا كان الصنيع يفتح عليه باب اتباع الهوى والشهوات الخ. (إعلاء السنن، الفائدة الثالثة / يسر عدم جواز ترك مذهب إلى مذهب آخر ۲۰/۸٤ المكتبة الأشرفية ديوبند)

ب:- نماز کے اندر مسالک کے درمیان اختلاف، دو طرح کا ہے بعض میں صرف اولیٰ اور خلافِ اولیٰ کا اختلاف ہے جیسے آمین وتسمیہ بالجہر وغیرہ، اور بعض میں صحت وفساد کا اختلاف ہے جیسے دو سلاموں سے وتر اور سجدہ سہو کے بعض مسائل وغیرہ، تو اقتداء کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ حنفی امام نے اگر صحت وفساد والے مسائل میں، غیر مسلک کی اتباع کرتے ہوئے نماز پڑھائی ہے، تو اس کی اور مقتدیوں کی نماز درست نہ ہوگی، اور اگر ان کے علاوہ مسائل میں غیر مسلک کی اتباع کی ہے، تو نماز بکراہت درست ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲/۶۲۰ ڈابھیل، فتاویٰ قاسمیہ ۸/۱۱۶)

فذهب الحنفية أنه لا وتر عندهم إلا بثلاث ركعات بتشهدين وتسليم، نعم لو اقتدى حنفي بشافعي في الوتر وسلم ذلك الشافعي الإمام على الشفع الأول على وفق مذهبه، ثم أتم الوتر صح وتر الحنفي عند أبي بكر الرازي

وابن وهبان. (معارف السنن شرح سنن الترمذي، أبواب الوتر / مسألة اقتداء الحنفي بالشافعي في الوتر ١٧٠/٤ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وفي البحر: لا يجوز اقتداء الحنفي بمن يسلم على رأس الركعتين في الوتر، وجوزه أبوبكر الرازي، ويصلي معه بقية الوتر؛ لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه. (البحر الرائق / باب الوتر والنوافل ٦٨/٢ زكريا، ٣٩/٢ كوئٹه)

ج:- اگرکوئی حنفی ایسی مسجد میں اِمام ہے جہاں ۸؍رکعت تراویح ہوتی ہے، تو وہ فقہ حنفی کے مطابق نمازیں پڑھائے، اور ۸؍رکعت تراویح پڑھا کر بقیہ ۱۲؍رکعتیں اپنی الگ سے پڑھ لے، تو اِس میں کوئی حرج نہیں۔

قال في الكنز: وسن في رمضان عشرون ركعةً بعشر تسليماتٍ بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة والختم مرة. (كنز الدقائق، كتاب الصلاة / فصل في التراويح ٣٦/١)

وهي عشرون ركعةً (الدر المختار) هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقًا وغربًا. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب صلاة التراويح ٤٩٥/٢ زكريا، ٤٥/٢ كراچی)

د:- جو حنفی شخص باہر سے ایسے ممالک میں جائے، تو اگر بسہولت ممکن ہو تو ایسے ہی اِمام کے پیچھے نماز اَدا کرے، جو اپنے مسلک کے موافق نماز پڑھاتا ہو، یا کم ازکم صحت وفساد والے مسائل میں دوسرے اِمام کی اتباع نہ کرتا ہو، اور اگر ایسا امام ملنا مشکل ہو، تو اپنی نماز الگ سے پڑھ لے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۵۷/۶)

أنه لا تجب المتابعة في السنن فعلاً، وكذا تركًا فلا تتابعه في ترك رفع اليدين في التحريمة، والثناء وتكبير الركوع والسجود. (رد المحتار، كتاب الصلاة / مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام ١٦٦/٢ زكريا، ٤٧٠/١ كراچی)

أما الاقتداء بالمخالف في الفروع – إلىٰ قوله – سنة عنده مكروه عندنا كرفع اليدين في الانتقالات وجهر البسملة وإخفائها الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟ ٣٠٢/٢ زكريا، ٥٦٣/١ كراچی)

ہ:- قطر (جہاں اکثر مساجد میں برصغیر کے حنفی اَئمہ وزارۃ الاوقاف کی طرف سے مقرر ہیں) کے بارے میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ فقہ حنفی ہی کے موافق امامت کرتے ہیں؛ البتہ عصر کی نماز مثل اول پر ہوتی ہے، جس کے بارے میں خود حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کا قول موجود ہے، اِس لئے فی الجملہ اِس کی گنجائش ہے۔

وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ. (الدر المختار، كتاب الصلاة / مطلب: في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة ١٤/٢-١٥ زكريا)

وعندهما إذا صار ظل كل شيء مثله. (فتح القدير / كتاب الصلاة ٢٢٠/١ بيروت)

وقت العصر من بلوغ الظل مثليه سوى الفيء إلىٰ غروب الشمس، والخلاف في آخر وقت الظهر جارٍ في أول وقت العصر (وهو: والثانية رواية الحسن إذا صار ظل كل شيء مثله سوى الفيء وهو قولهما). (البحر الرائق / كتاب الصلاة ٢٤٥/١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ایسے امام کے پیچھے نماز کا حکم جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے رہتا ہو

سوال (۲۷۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک امام پائجامہ ٹخنوں سے نیچا پہنتا ہے، صرف نماز پڑھاتے وقت اوپر کر لیتا ہے اور داڑھی بھی کاٹتا ہے، ایک مٹھی سے کم ہی رکھتا ہے۔ نیز اُس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ اُس کے والد نے بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح کرلیا تھا، اُسی سالی کے بطن سے یہ پیدا ہوا ہے، اَب یہ بتایئے کہ ایسے اِمام کے پیچھے نماز پڑھی جائے یا تنہا پڑھی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں اِمام کو چاہئے کہ وہ اپنا

پائجامہ ٹخنوں سے اوپر رکھا کریں اور داڑھی سنت کے مطابق ایک مشت رکھیں؛ تاکہ کسی کو اعتراض نہ ہو؛ تاہم اُس کے پیچھے پڑھی گئی نمازیں اَدا ہوجائیں گی، اِس لئے جماعت چھوڑ کر تنہا نماز پڑھنا مناسب نہیں اور کسی شخص کے بارے میں بے سند مشہور بات کی بنیاد پر طعن وتشنیع کی اِجازت نہیں ہے اور ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن کی عیب پوشی کرنی چاہئے، بہانہ بنا کر اُس کی تذلیل وتحقیر ہرگز درست نہیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برًا كان أو فاجرًا وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب إمامة البر والفاجر ۳٤۳/۱ رقم: ۵۹٤)

صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة أفاد أن الصلاة خلفهما أولىٰ من الانفراد لكن لاينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإقامة، مطلب: في إمامة الأمرد ۳۰۱/۲ زكريا)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يستر عبد عبدًا في الدنيا إلا ستره اللّٰه يوم القيامة. (المسند للإمام أحمد ۱۸/۱۵ رقم: ۹۰٤۵)

قال الهيثمي: رواه أحمد، ورجاله ثقات، ورواه أبو يعلىٰ أيضًا. (مجمع الزوائد، كتاب الإيمان / باب منه في بيان فرائض الإسلام وسهامه ۳۷/۱ رقم: ۱۰۵ مكتبة القدس القاهرة)

عن سعيد بن زيد رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن من أربىٰ الربا الاستطالة في عرض المسلم بغير حق. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب في الغيبة رقم/ ٤۸۷٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۸/۸/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صحیح قرأت نہ کرپانے والے شخص کی اِمامت

سوال (۲۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک شخص نہ حافظ ہے اور نہ عالم، کبھی کبھار محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھا دیتا ہے، وہ عشاء کی نماز پڑھا رہا تھا، دوسری رکعت میں سورۂ ماعون پڑھی اور ”ولا یحض“ کی ”ولا یهج“ پڑھا، اور اِسی طرح سورۂ حشر پارہ: ۲۸ کی آیت: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ ”متصدعا“ میں ص کی جگہ ش کا تلفظ ”متشدعا“ پڑھا۔

مذکورہ بالا صورتوں میں نماز ہوگی کہ نہیں؟

کچھ ناخواندہ لوگ اکٹھے ہوکر جماعت کریں اور انہیں میں سے ایک شخص جماعت کرائے، قرأت میں حرف کے تلفظ کی رعایت نہ کرے، ح کی جگہ ہ اور ص کی جگہ ش، ط کی جگہ ت وغیرہ کا تلفظ کرے، تو ان تمام صورتوں میں نماز اپنی حالت پر رہے گی یا فاسد ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جو شخص قرآنی آیات کے حروف کو اپنے اصل مخارج سے اَدا کرنے پر قادر نہ ہو، اُس کے پیچھے صحیح قرأت پر قدرت رکھنے والے مقتدیوں کی نماز درست نہ ہوگی؛ البتہ اگر اِمام اور مقتدی دونوں ہی صحیح پڑھنے پر قدرت نہ رکھتے ہوں تو اُن کا آپس میں جماعت کرنا درست ہوگا، اور بہر حال ہر شخص کو قرآنِ کریم صحیح پڑھنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

الراجح المفتىٰ به عدم صحة الألثغ لغيره ممن ليس به لثغة، وأجاب عنه بأبيات: إمامة الألثغ للفصيح فاسدة في الراجح الصحيح. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٣٢٨/٢ زكريا)

لا يجوز إمامة الألثغ الذي لايقدر على التكلم ببعض الحروف إلا لمثله إذا لم يكن في القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف، فأما إذا كان في القوم من يقدر على التكلم بها فسدت صلاته وصلاة القوم. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس في الإمامة ١٤٤/١ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني: مسائل زلة القاري ٩٣/٢ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۷/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

اِمام صاحب کا تجوید ووقف کی رعایت نہ کرنا

سوال (۲۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد کے اِمام صاحب نے ایک دن نماز میں سورۂ حشر کا آخری رکوع پڑھا جب وہ آیت نمبر ۲۲ پر پہنچے تو اُنہوں نے ﴿الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ﴾ پر وقف کیا، دوبارہ موصوف نے **العزیز الجبار** سے قرأت شروع کی تو "**العزیز**" کو بغیر الف لام کے پڑھا؛ اسی طرح ایک دن سورۂ دہر کا آخری رکوع پڑھا، جب آیت نمبر ۲۶ یعنی ﴿اِنَّ هٰؤُلَاءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَ هُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا﴾ پر پہنچے تو انہوں نے "**العاجلة**" پر وقف کیا اور دوبارہ اُنہوں نے "**العاجلة**" سے قرأت شروع کی بدون "**یحبون**" کے، اِس پر اُن کو تنبیہ کی گئی؛ لیکن پھر بھی وہ ایسا کرنے سے نہیں رکے، تو ایک مشاق قاری صاحب نے کہا کہ جان بوجھ کر اِس غلطی کو بار بار دہرانا مکروہ تحریمی اور نماز واجب الاعادہ ہے، آپ شریعت کی روشنی میں مدلل جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نماز میں قرأت کے دوران قواعد تجوید اور رموز واَوقاف کی رعایت رکھنا مستحب اور پسندیدہ ہے اور تنبیہ کے باوجود قصداً اِس کی خلاف ورزی پسندیدہ نہیں ہے، اِس لئے بہتر یہی ہے کہ قصداً ان قواعد کی خلاف ورزی نہ کی جائے؛ لیکن اگر کوئی شخص اِن قواعد کی رعایت نہ رکھے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو اس کی وجہ سے نماز فی نفسہٖ درست ہوجائے گی، واجب الاعادہ نہ ہوگی، بس کراہت تنزیہی لازم آئے گی۔

إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتدأ من غير موضع الابتداء؛ فإنه على وجهين، الأول أن لا يتغير به المعنى تغيرًا فاحشًا لكن الوقف والابتداء قبيح ...... لا تفسد صلاته بالإجماع بين علمائنا. الوجه الثاني: أن يتغير به

المعنى تغيرًا فاحشًا بأن قرأ: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ﴾ ووقف ثم قال ﴿اِلَّا هُوَ﴾ ...... وفي هذا الوجه أيضًا لا تفسد صلاته عند علمائنا، وعند بعض العلماء تفسد صلاته، والفتوىٰ على عدم الفساد بكل حال ...... وفي فتاوىٰ الحجة: الأصل أن حفظ الوقوف و معرفة ذلک من باب الفضيلة، ولا يتعلق به قطع الصلاة أينما وقف لا تفسد صلاته. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في فرائض الصلاة وواجباتها وسننها وآدابها، مسائل زلة القاري ۲/ ۱۰۴-۱۰۵ رقم: ۱۸۶۹)

لأن في مراعاة الوقف والوصل والابتداء إيقاع الناس في الحرج خصوصًا في حق العوام، والحرج مدفوع شرعًا. (المحيط البرهاني ۲/ ۷۴ رقم: ۱۲۶۶ المجلس العلمي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لکنت والے شخص کے پیچھے صحیح قرأت والوں کی نماز

سوال (۲۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص امامت کرتا ہے؛ لیکن اُس کی زبان میں قدرے لکنت ہوگئی ہے، کبھی کبھی ''الحمد للہ'' پڑھتے ہوئے اچانک اُس کی زبان رک جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ''الحمد للہ'' سے پہلے کئی ہمزہ نکلتے ہیں جیسے: ''**أ أ الحمد لله**'' تو اُس کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:- مذکورہ لکنت والے شخص کو اِمامت نہیں کرنی چاہئے؛ کیوں کہ ایسے شخص کے پیچھے صحیح قرأت کرنے والے لوگوں کی نماز درست نہیں ہوگی۔

وتكره إمامة الفأفاء ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته وأفتى به الخير الرملي وقال في فتاواه: الراجح

المفتى به عدم صحة إمامة الألثغ لغيره لمن ليس به لغثة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۲۷/۲-۳۲۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۲/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر چلنے والے شخص کی اِمامت

سوال (۲۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) کہ زید پاؤں سے معذور ہے اور جب چلتا ہے تو گھٹنے پر پیر ہاتھ رکھ کر چلتا ہے، تو ایسا شخص مستقل مسجد میں امامت کرا سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ زید کے مقابل تندرست لوگ موجود ہیں، مقامی مفتی صاحبان سے جب مسئلہ معلوم کیا تو اُنہوں نے کہا دارالعلوم دیوبند سے رجوع کرلو؟

(۲) مصلیوں کو اُن کے عذر سے کراہیت ہوتی ہے اور مصلی اس عذر کو عیب سمجھتے ہیں کیا شرائط امامت میں عذر سے سلامت ہونا چاہئے؟ کیا مصلیوں کا یہ کہنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مذکورہ اِمام صاحب اگر رکوع اور سجدہ باقاعدہ اَدا کر سکتے ہیں تو اُن کی اِمامت شرعاً درست ہے؛ تاہم اولیٰ یہی ہے کہ کسی تندرست شخص کو اِمام بنایا جائے؛ تاکہ کسی کو اشکال نہ ہو۔

ولو كان لقدم الإمام عوج وقام على بعضها يجوز وغيره أولىٰ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثالث في بيان من يصلح إمامًا لغيره ۸۵/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۳/۷/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایسے شخص کی اِمامت جس کے دونوں پیر مڑے ہوئے ہوں

سوال (۲۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: میرے دونوں پیروں میں پیدائشی طور پر کچھ کمزوری اور نقص ہے کہ دونوں پیر مڑے ہوئے ہیں؛ لیکن چلنے اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے، دوڑ بھی سکتا ہوں، سائیکل اور چار پہیہ والی گاڑی بھی چلا سکتا ہوں، الحمدللہ حافظ قرآن بھی ہوں تو کیا میں امامت کرسکتا ہوں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ شخص چوں کہ رکوع وسجدہ صحیح انداز میں کرسکتا ہے اور سبھی مقتدی بھی اُس کی اِمامت پر راضی ہیں؛ اِس لئے اُس کی اِمامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وصح اقتداء متوضئ بمتیمم الخ، وکذا بأعرج وغیرہ أولیٰ. (الدر المختار، کتاب الصلاۃ / باب الإمامۃ ۲/۳۳۶ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۲/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام صاحب کا نماز میں ناغہ کرنا

سوال (۲۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کی مسجد کے امام صاحب مشاہر پر نماز پڑھانے کے لئے متعین ہیں، روزانہ دو وقت، کسی دن تین وقت، کسی دن چار وقت اور کسی دن پورے وقت غائب رہتے ہیں، پوچھنے پر کہتے ہیں کہ میں متولی سے چھٹی لے کر گیا تھا، کیا امام مسجد اور مسجد کے متولی آخرت کے باز پرس سے مبرا ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِمامت کے لئے تقرری کے وقت چھٹی کے جو شرائط طے ہوئے تھے، اُن کا لحاظ رکھنا اِمام پر ضروری ہے، اگر وہ اِس کی خلاف ورزی کرے گا تو مؤاخذہ کا خطرہ ہے۔

فإن کانت مشروطۃ لم یسقط من المعلوم شيء وإلا فینبغي أن یلحق

ببطالة القاضي. (الأشباه والنظائر / القاعدة السادسة: العادة محكمة ۲۷۳/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۷/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرد وعورت کا جماعت کے بغیر ایک ساتھ نماز پڑھنا

سوال (۲۸٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر گھر کے کچھ مرد وعورت ایک جگہ الگ الگ فرض یا سنت نمازیں پڑھیں، تو ایسی صورت میں اگر مرد وعورت برابر میں یا آگے پیچھے کھڑے ہوجائیں تو محاذات کی وجہ سے اُن کی نمازوں میں فرق پڑے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر مرد وعورت جماعت کے بغیر الگ الگ نماز پڑھ رہے ہوں، تو محاذات کی وجہ سے اُن کی نماز فاسد تو نہ ہوگی، پھر بھی اِس طرح خلط ملط ہوکر اُن کا نماز پڑھنے کا عمل مکروہ تحریمی ہے، اور بہتر یہی ہے کہ مرد اور عورت بیک وقت یکجا نماز نہ پڑھیں۔

فمحاذاة المصلية لمصل ليس في صلاتها مكروهة لا مفسد، الظاهر أنها تحريمية؛ لأنها مظنة الشهوة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۱۸/۲ زكريا)

قوله: مشتركة احترز به عن محاذاة المصلية لمصل ليس هو في صلاتها حيث تكره ولا تفسد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة ۳۲۹ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مقتدی نے استنجاء کے تقاضہ کی وجہ سے اِمام سے پہلے سلام پھیر دیا

سوال (۲۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک معمر شخص فجر کی نماز میں شریک تھے، اُن کو قعدہ میں اِس زور سے استنجاء کا تقاضا ہوا کہ وہ اندیشہ کرنے لگے کہ اگر اِمام کے سلام کا انتظار کریں گے تو وضو باقی نہ رہے گا، اِس لئے وہ ''التحیات'' پڑھ کر اِمام سے پہلے سلام پھیر کر استنجاء کے لئے چلے گئے، تو اُن کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ یا اُنہیں دوبارہ نماز پڑھنی پڑے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں وضو ٹوٹنے کے اندیشہ سے اِمام سے پہلے سلام پھیرنے سے مذکورہ مقتدی کی نماز بلا کراہت درست ہوگئی؛ البتہ بلا عذر اور بلاضرورت ایسا کرنا سخت مکروہ ہے۔

ولو أتمه قبل إمامه فتكلم جاز و كره (الدر المختار) أي لو أتم المؤتم التشهد بأن أسرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام أو كلام أو قيام جاز أي صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان …… وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلا عذرٍ ولو به كخوف حدث …… فلا كراهة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢ / ٢٤٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/۶/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

جماعت کے مسائل

باجماعت نماز کی فضیلت مسجد کے ساتھ خاص ہے یا مطلق ہے؟

سوال (۲۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) جس طرح نماز کو باجماعت اَدا کرنے کے متعلق یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ وہ یا تو واجب ہے یا سنت مؤکدہ قریب بواجب، تو کیا یہ حکم صرف نماز کو جماعت کے ساتھ کہیں بھی ادا کرنے کے سلسلے میں ہے یا پھر یہ حکم نماز کو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے سلسلے میں ہے؟

(۲) اگر یہ حکم مسجد کے اندر جماعت کے ساتھ اَدا کرنے کے سلسلے میں ہے تو پھر کیا مقیم اور مسافر دونوں کے لئے حکم یکساں ہوگا یا کوئی فرق ہوگا؟ علامہ شامی رحمہ اللہ اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ دونوں حضرات نے اپنی کتابوں میں قنیہ کے حوالے سے ایک عبارت نقل فرمائی ہے جس سے نفس سفر کا ترک جماعت کے لئے عذر نہ ہونا ثابت ہوتا ہے؟

(۳) اسی طرح مسافر کی دو الگ الگ حالتیں ہوسکتی ہیں: ایک حالت تو نزول کی ہے یعنی جب کہ وہ کسی جگہ پر چند گھنٹوں یا دنوں کے لئے رہنے کا ارادہ کر چکا ہو اور دوسری حالت سیر کی ہے یعنی جب کہ ابھی سفر طے کر رہا ہے اور درمیان میں نماز کا وقت آجائے، کیا دونوں کا حکم یکساں ہوگا؟ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ المفاتیح میں ایک جگہ پر یوں تحریر فرمایا ہے:

(في قرية ولا بدو) أي: بادية، وهو بإطلاقه يؤيد مذهبنا أن الجماعة سنة للمسافرين أيضا، لكن حال نزولهم للحرج في حال سيرهم.

(۴) اگر جماعت کا حکم مسجد کے ساتھ خاص ہے تو کیا اپنی نماز کو کسی عبادت خانے میں ادا کرنے سے وہی فضائل مل جائیں گے جو مساجد کے بارے میں ہیں؟ اگر نہیں تو کیا لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) جماعت کی فضیلت کا تعلق مطلقاً جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ہے، خواہ وہ مسجد میں پڑھی جائے، یا کسی اور جگہ؛ لیکن مختلف اسباب و وجوہات (مثلاً: تکثیر جماعت اور مسجد تک جانے کے لئے ہر ہر قدم پر ملنے والے ثواب وغیرہ) کی بنا پر مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری جگہ نماز پڑھنے سے بڑھ جاتا ہے، اسی بنا پر عام طور پر مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ نیز اس میں مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار بھی پیش نظر رہتا ہے جو بذات خود پسندیدہ ہے اور حدود مسجد کی فضیلت الگ سے بھی ہے۔

الجماعة سنة مؤكدة للرجال ...... في مسجد أو غيره (الدر المختار) وتحته في الشامي: واختلف العلماء في إقامتها في البيت، والأصح أنها كإقامتها في المسجد إلا في الأفضلية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإقامة ۲۸۷/۲-۲۹۰ زكريا)

وإن صلى بجماعة في البيت اختلف فيه المشائخ، والصحيح أن للجماعة في البيت فضيلة و للجماعة في المسجد فضيلة أخرىٰ فإذا صلى في البيت بجماعة فقد حاز فضيلة أدائها بالجماعة وترك الفضيلة الأخرىٰ ...... والصحيح أن أدائها بالجماعة في المسجد أفضل وكذلك في المكتوبات.

(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / فصل في التراويح ۱۱٦/۱ زكريا قديم)

والصواب في ذلك أن الثواب المذكور في هذه الرواية هو الثواب المترتب على الجماعة، نعم: إذا صلى في المسجد بجماعة تفضل صلاة المسجد على صلاته في بيته كيفا، وإن لم تفضل عليها كما، والحاصل فضيلة الصلاة في المسجد على صلاته في البيت، فصلاة الفذ فيه على صلاة الفذ فيه والجماعة فيه على الجماعة فيه ولكل من الجماعتين فضل خمس و عشرين

أو سبع و عشرين، سواء أتى بها في المسجد أو في البيت أو السوق، والله أعلم. (لامع الدراري مع الكنز المتواري ٢٢٦/٤-٢٢٧ مؤسسة الخليل الإسلامية فيصل آباد)

(۲-۳) راجح یہی ہے کہ اگر کوئی مسافر کسی جگہ اطمینان وسکون کے ساتھ قیام پذیر ہو یعنی نہ تو اسے سفر کی جلدی ہو اور نہ ہی وہ سفر میں چلنے کی حالت میں ہو، تو ایسے شرعی مسافر کے لئے بھی با جماعت نماز پڑھنا مسنون ہے؛ البتہ اگر وہ سفر کے دوران ہو یا جماعت کے انتظار میں گاڑی وغیرہ چھوٹنے کا اندیشہ ہو یا اس جیسا کوئی عذر ہو تو ایسے شخص کے لئے رخصت ہوگی اور وہ بلا کراہت تنہا نماز پڑھ کر سفر جاری رکھ سکتا ہے۔

وإرادة سفر أي وأقيمت الصلاة ويخشى أن تفوته القافلة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢٩٣/٢ زكريا)

(۴) نماز کے لئے مخصوص عبادت خانہ میں نماز با جماعت ادا کرنے سے بلا شبہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی البتہ مسجد والی افضلیت حاصل نہ ہوگی، بریں بنا لوگوں کو مسجد شرعی بنانے کی ترغیب دینی چاہئے؛ لیکن جہاں مسجد بنانے میں کوئی رکاوٹ ہو تو مجبوری ہے۔

اختلفوا: هل هذا الفضل لأجل الجماعة فقط حيث كانت؟ أو أن ذلك إنما يكون في الجماعة التي تكون في المسجد لما يلزم ذلك من أفعال تختص بالمساجد؟ قال القرطبي: والظاهر الأول؛ لأن الجماعة هو الوصف الذي علق عليه الحكم. (عمدة القاري، كتاب الصلاة / باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره ٢٦٠/٤ رقم: ٧٧٤ دار إحياء التراث بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام کو محراب میں کہاں کھڑا ہونا چاہئے؟

سوال (۲۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اِمام کومحراب میں کہا کھڑا ہونا چاہئے؟ محراب کے اندر یا کچھ ایڑی باہر نکال کر؟ واضح فرمائیں اور اِس مسئلہ پر اگر حدیث یا آثار صحابہ سے کوئی دلیل ہو تو اُسے بھی بیان کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِمام کومحراب میں اِس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ اُس کے قدم یا اُن کا کچھ حصہ محراب سے باہر ہو، اگر بلا کسی عذر وضرورت کے اِمام مکمل طور پر محراب کے اندر کھڑا ہوگا تو یہ عمل مکروہ قرار پائے گا اور اِس کراہت کی دو وجوہات ہیں:

(۱) یہ کہ اِس میں عیسائیوں کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ اِس میں اِمام کی نقل وحرکت مقتدیوں پر مشتبہ ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

اور دورِ نبوت اور دورِ خلفائے راشدین میں مسجد نبوی میں باقاعدہ محراب کی تعمیر کا ثبوت نہیں ملتا، محراب سب سے پہلے اَمیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بنوائی تھی جب کہ آپ مدینہ منورہ کے گورنر تھے، اِس لئے اِس بارے میں حدیث مرفوع کے وجود کا سوال ہی نہیں ہے؛ البتہ متعدد آثار صحابہ سے محراب کے اندر اِمام کے قیام کی کراہت ثابت ہوتی ہے، جن میں سے بعض ذیل میں درج کئے جارہے ہیں:

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضي اللّٰہ عنہ أنہ کرہ الصلاۃ في المحراب، وقال: إنما کانت للکنائس فلا تشبھوا بأھل الکتاب یعني أنہ کرہ الصلاۃ في الطاق، رواہ البزار ورجالہ مؤثقون. (إعلاء السنن / النهي عن قيام الإمام فوق مقام المامومين الخ ١١٦/٥ رقم: ١٤٨٢ المكتبة الأشرفية ديوبند)

عن إسماعیل بن عبد الملک قال: رأیت أبا خالد الوالبي لا یقوم في الطاق یقوم قبل الطاق. (المصنف لابن أبي شيبة / باب الصلاة في الطاق ٥٠٩/٣ رقم: ٤٧٣٧ المجلس العلمی، ٤٠٩/١ رقم: ٤٧٠٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عن علي رضي اللّٰہ عنہ أنہ کرہ الصلاۃ في الطاق. (المصنف لابن أبي شيبة،

كتـاب الـصـوم / بـاب الصلاة في الطاق ٥٠٧/٣ رقم: ٤٧٢٧ المجلس العلمي بيروت، ٤٠٨/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

وقيـام الإمـام فـي الـمـحراب لا سجوده فيه وقدماه خارجه؛ لأن العبرة بالقدم مطلقًا وإن لم يشتبه حال الإمام إن علل بالتشبه وإن بالاشتباه ولا اشتباه فـلا اشتباه في نفي الكراهة. (الـدر الـمـختـار مـع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤١٤/٢ زكريا)

ويـكـره قيـام الإمـام بجملة في المحراب لا قيامه خارجه وسجوده فيه ...... وإذا ضاق المكان فلا كراهة. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فـصـل فـي المكروهات ٣٦٠ دار الكتاب، ١٩٨ كراچی، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٢٥/٢ كوئٹه)

وقيـام الإمـام لا سـجـوده فـي الـطـاق أي يـكـره قيام الإمام في الطاق وهو المحراب ولا يكره سجوده فيه إذا كان قائمًا خارج المحراب والمعتبر هو القدم.
(تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤١٣/١ دار الكتب العلمية بيروت)

مات عثمان وليس في المسجد شرُفات ولا محراب، فأول من أحدث المحراب والشرفات عمر بن عبد العزيز الخ. (وفاء الوفاء للسمهودي / الفصل السابع عشر ٥٢٥/٢ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۴/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اِمام محراب میں کہاں کھڑا ہو؟

سوال (۲۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محراب میں اِمام صاحب کس طرح کھڑے ہوں، دیوار کی برابر سے ایڑی رکھی جائے یا

کچھ ایڑی باہر پہلی صف کی طرف نکال کر کھڑے ہوں؟ بڑی محراب اور چھوٹی محراب دونوں کھڑے ہونا کا طریقہ ایک ہی ہے یا کچھ فرق ہے؟ شرعی حکم کیا ہے، تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اَولیٰ یہی ہے کہ اِمام صاحب بلاضرورت پوری طرح محراب کے اندر نہ کھڑے ہوں؛ بلکہ ایڑی یا قدم کا کچھ حصہ باہر نکال کر نماز پڑھائیں اور کشادہ اور تنگ محراب دونوں کا حکم یہی ہے؛ البتہ اگر کسی ضرورت مثلاً جگہ کی تنگی کی وجہ سے محراب کے اندر کھڑے ہوں تو اس میں شرعاً کوئی کراہت نہ ہوگی۔

وقيام الإمام في المحراب مطلقًا وإن لم يشتبه حال الإمام إن علل بالتشبه وعلى الثاني لا يكره عند عدم الاشتباه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤١٤/٢ زكريا)

والكراهة لاشتباه الحال على القوم وإذا ضاق المكان فلا كراهة.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في المكروهات ص: ٣٦١ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰/سال کے بچے کو اِمام کے پیچھے یا صف کے دائیں بائیں کھڑا کرنا

سوال (۲۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۱۰/سال کا بچہ اِمام کے پیچھے پہلی صف میں یا صف کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز اَدا کرسکتا ہے؟ اگر بچے کو ساتھ کھڑا نہ کیا جائے تو بچہ نماز چھوڑ دیتا ہے یا پھر مسجد ہی نہیں آتا، جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِمام کے بالکل پیچھے یا قریب میں بچوں کو نہ کھڑا کیا جائے؛ لیکن صف کے دائیں، بائیں کنارے پر ضرورت کے وقت بچوں کو کھڑا کرنے کی گنجائش ہے۔

عن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لیلني منکم أولو الأحلام والنھٰی الخ. (سنن الترمذي / أبواب الصلاۃ ۵۳/۱ رقم: ۲۲۸)

ثم الصبیان ظاھرہ تعددھم فلو واحدًا دخل الصف. (الدر المختار، کتاب الصلاۃ / باب الإمامۃ ۳۱۴/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۳/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دالان میں نماز ہو تو صفوں کی رعایت کریں یا محراب کی؟

سوال (۲۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر محراب کے مقابل دالان میں مصلیٰ بچھایا جائے تو نمازیوں کی صف برابر نہیں رہتی، سیدھی طرف دس یا بارہ اور بائیں طرف امام کے تقریباً بیس آدمی ہو جاتے ہیں، تو ایسی صورت میں محراب کی رعایت کرتے ہوئے مصلیٰ بچھانا بہتر ہے یا دالان کی صفوں کو سامنے رکھتے ہوئے بیچ میں مصلیٰ بچھانا بہتر ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِمام صاحب کا مصلیٰ صف کے درمیان میں ہونا چاہئے، بریں بنا اگر محراب سے ہٹ کر جماعت کی جارہی ہے تو محراب کی رعایت نہیں کی جائے گی بلکہ پیچھے کی صفوں کی رعایت کرتے ہوئے درمیان میں مصلیٰ بچھایا جائے گا۔

وینبغي للإمام أن یقف بإزاء الوسط فإن وقف في میمنۃ الوسط أو في

میسرته فقط أساء لمخالفة السنة. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة / الفصل الخامس في بیان مقام الإمام والمأموم ۸۹/۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۷/۸/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازِ فرض میں امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا

سوال (۲۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) فرض نماز میں اِمام کا مقتدیوں کے بیچ میں ہونا ضروری ہے؟

(۲) حدیث: ''**روی أبو داؤد، رقم: ۶۸۱ عن أبي هریرة رضي اللّٰہ عنه قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وسطوا الإمام، وسدوا الخلل**'' اِس حدیث کا کیا درجہ ہے؟ اور کیا حکم ہے؟

(۳) اِمام کے بیچ میں کھڑا نہ ہونے سے نماز میں کیا کمی آئے گی؟ مثلاً کراہت وغیرہ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - (۱) جماعت کی نماز میں اِمام کا صف کے درمیان میں کھڑا ہونا مسنون ہے، واجب یا فرض نہیں، اگر اس کے خلاف کیا تو نماز درست ہو جائے گی؛ لیکن یہ عمل سنت کے خلاف ہوگا۔

(**ویقف وسطا**) **قال في المعراج وفي مبسوط بکر: السنة أن یقوم في المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام في أحد جانبي الصف یکره.** (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب الإقامة، مطلب: في کراهیة قیام الإمام في المحراب ۳۱۰/۲ زکریا)

(۲) یہ روایت ابوداؤد شریف ''باب مقام الامام من الصّف'' ۹۹/۱ مکتبہ بلال دیوبند میں موجود ہے اور اِس پر حضرت اِمام ابوداؤدؒ نے کوئی کلام نہیں فرمایا ہے جو اِس بات کی دلیل ہے کہ حضرت اِمام ابوداؤد کے نزدیک یہ روایت مقبول ہے؛ لیکن بعض محققین نے اِس روایت

کی سند میں واقع ایک راویہ یعنی اَمۃ الواحد بنت یامین کو مجہول قرار دیا ہے، اِسی بنا پر حدیث کی تضعیف کی ہے۔ (موسوعۃ الحدیث)

(۳) بلا عذر درمیان کے بجائے کسی ایک طرف ہوکر نماز پڑھانا مکروہ ہے۔

ولو قام في أحد جانبي الصف يكره. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإقامة، مطلب: في كراهية قيام الإمام في المحراب ۲/ ۳۱۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۴/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا رکوع سے پہلے جماعت میں شریک ہونے والا تکبیر اولیٰ پانے والا ہوگا؟

سوال (۲۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مقتدی فرض نماز کی پہلی رکعت میں رکوع سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے تو اسے تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے والا شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمایئے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - تکبیر اولیٰ کی فضیلت کب تک حاصل ہوگی؟ اِس بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ یہ فضیلت اسی شخص کو حاصل ہوگی جو امام کے ساتھ بالکل ساتھ ساتھ تکبیر کہے، جب کہ حضرات صاحبینؒ رکوع سے پہلے پہلے جماعت میں شامل ہونے والے کو بھی فی الجملہ تکبیر اولیٰ کی فضیلت میں شامل مانتے ہیں اور صاحبین کے قول کی بھی فقہی کتابوں میں تصحیح کی گئی ہے؛ کیوں کہ اس میں وسعت وسہولت زیادہ پائی جاتی ہے۔

ويسن مقارنه إحرام المقتدى الخ ...... ولا يدرک فضيلة التحريمة مع الإمام عند الإمام إلا بالمقارنة في الإحرام ...... (وعندهما بعد إحرام الإمام) ...... وأشار شيخ الإسلام إلى أن المقارنة فيها أفضل بالاتباع. قال بعضهم: والمختار للفتوىٰ في التحريمة أفضلية التعقيب، واختلف في إدراک فضل التحريمة على قولهما فقيل: إلى الثناء كما في الحقائق، وقيل: إلى الركعة الأولىٰ وهو الصحيح كما في المضمرات. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في بيان سننها ص: ۲۵۷-۲۵۸ المكتبة الأشرفيه ديوبند، ومثله في رد المحتار، كتاب الصفة / باب صفة الصلاة، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح ۲/ ۲٤۰- ۲٤۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۳/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جماعت پانے کے لئے ایک صف پہلے ہی رکوع کر لینا

سوال (۲۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص مسجد میں نماز اَدا کرنے کے لئے جاتا ہے اُس وقت محترم اِمام صاحب نماز میں رکوع کی حالت میں ہیں، تو اُس وقت اس شخص کو نماز میں شریک ہونا چاہئے؛ جب کہ اگلی صف میں جگہ خالی ہے یا اُس میں جاکر شریک ہونا چاہئے؟

(۲) کیا اس صورت میں اُس شخص کی نماز پر کوئی فرق پڑے گا؟

(۳) اِس طرح نماز میں شریک ہونے پر کیا اگلی صف کے نمازیوں کی نماز پر کوئی فرق پڑے گا؟ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱-۲) مسئولہ صورت میں اگر صورتِ حال یہ ہو

کہ جماعت میں پیچھے تک صفیں لگی ہوئی ہوں یعنی ہر صف میں متعدد اَفراد موجود ہوں؛ لیکن اگلی صف میں بھی جگہ خالی ہو اور بعد میں آنے والا شخص یہ محسوس کرے کہ اگر وہ آگے جائے گا تو رکعت چھوٹ جائے گی۔ بریں بنا وہ آگے نہ جاکر پچھلی صف میں دیگر نمازیوں کے ساتھ نیت باندھ لے تو ایسی شکل میں اُس کا یہ عمل نہ صرف جائز؛ بلکہ پسندیدہ ہوگا۔ اِس کے برخلاف اگر صورتِ حال یہ ہو کہ اگلی صف میں جگہ خالی ہو اور پچھلی صف میں کوئی نمازی نہ ہو تو ایسی صورت میں رکعت پانے کی غرض سے اگلی صف کو چھوڑ کر پچھلی صف میں اکیلے کھڑے ہونا سخت مکروہ ہے، اِس سے اجتناب کرنا چاہئے اور اگلی صف میں کھڑے ہونے کا اہتمام کرنا چاہئے؛ اگرچہ رکعت چھوٹ جائے۔

إذا أدرک الإمام راکعًا فشروعه لتحصیل الرکعة في الصف الأخیر أفضل من وصل الصف، أما لو لم یدرک الصف الأخیر فلا یقف وحده؛ بل یمشي إلیه إن کان فیه فرجة، وإن فاتته الرکعة کما في آخر شرح المنیة معللًا بأن ترک المکروه أولیٰ من إدراک الفضیلة. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۱۲/۲ زکریا)

(۳) بعد میں آنے والا نمازی کہیں بھی کھڑا ہو اُس کی بنیاد پر پہلے سے جماعت میں شریک لوگوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ [سبا: ۱۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

پہلی صف میں ممبر ہونے کی وجہ سے مصلیٰ آگے بڑھا کر اُس کے دائیں بائیں صف بنانا

سوال (۲۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: صوبہ مہاراشٹر کی ایک معروف جگہ شہر مالیگاؤں میں ایک مسجد ہے، مسجد قصاب باڑہ کے نام سے، یہاں مسئلہ پیش آرہا ہے کہ امام جب مصلی پر نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو مجمع کثیر ہونے کی وجہ سے اعلان کیا جاتا ہے کہ اگلی صف یعنی جس صف میں ممبر اور امام کا مصلی ہے اس کو پر کرلیا جائے، پھر امام صاحب اپنا مصلی آگے کر لیتے ہیں اب کچھ لوگوں کو اعتراض یہ ہے کہ جو صف ممبر و مصلی کی وجہ سے کٹ جاتی ہے تو اس میں پہلی صف کا ثواب نہیں ملتا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز ہی نہیں ہوتی؟

(۲) مسجد وسیع ہونے کی وجہ سے کچھ ستون بنائے گئے ہیں، اُن کی وجہ سے صف کئی ٹکڑوں میں بٹ جاتی جاتی ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں بھی صف نہیں لگانا چاہئے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) مسئولہ صورت میں مجمع کی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے اِمام صاحب کا آگے بڑھ کر نماز پڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور منبر بیچ میں آنے کی وجہ سے نہ تو صف اول منقطع کہلائے گی اور نہ ہی اس کے ثواب میں کوئی کمی آئے گی؛ تاہم بہتر یہ ہے کہ مسجد کا ممبر اس طرح بنایا جائے کہ وہ صف کے درمیان میں نہ آئے۔

قال الشامي بحثًا: فلا ينقطع الصف ببنائها كما لاينقطع بالمنبر الذي هو داخلها في ما يظهر الخ. (رد المحتار، باب الإمامة / مطالب في الكلام على الصف الأول ۳۱۱/۲ زکریا)

(۲) اگر دو ستون اتنے قریب قریب ہوں کہ ان میں ایک ہی فرد کھڑا ہوسکتا ہو تو بلا ضرورت وہاں کھڑے ہوکر جماعت میں شامل ہونا مکروہ ہے اور اگر ستونوں میں اتنا فاصلہ ہو کہ وہاں کئی لوگ کھڑے ہوسکتے ہیں تو ان کے درمیان صف بنانے میں کوئی کراہت نہیں ہے اور اس طرح کے ستونوں کی وجہ سے صف منقطع نہ کہلائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳۴۳/۳-۳۴۴)

والاصطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه لأنه صف في حق كل فريق وإن لم يكن طويلا وتخلل الأسطوانة بين الصف كتخلل متاع موضوع أو كفرجة بين رجلين و ذلك لايمنع صحة الاقتداء ولا يوجب الكراهة.

(المسبوط للسرخسي، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۳۲/۲ دار الفكر بيروت)

والأصح ما روي عن أبي حنيفة أنه قال: أكره أن يقوم (الإمام) بين الساريتين أو في زاوية الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة، مطلب: في كراهة قيام الإمام في غير المحراب ۳۱۰/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۳/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

صفِ اول سے لوگوں کو ہٹا کر کرسی پر نماز پڑھنا

سوال (۲۹۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب کرسی پر نماز پڑھتے ہیں اور دیر میں آتے ہیں، پہلے سے صفِ اول میں لوگ بیٹھے رہتے ہیں؛ چوں کہ پہلے سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ ضرور آئیں گے، بعد میں آکر پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو ہٹا کر اپنی کرسی منبر کے پاس رکھواتے ہیں، کیا پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو ہٹانا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسجد کا کوئی بھی حصہ کسی نمازی کے لئے خاص نہیں ہے؛ بلکہ جو شخص پہلے آکر جہاں بیٹھ جائے، وہی اُس جگہ کا حق دار ہے، بعد میں آنے والے کسی شخص کے لئے پہلے بیٹھے ہوئے شخص کو اُس کی مرضی کے بغیر اُٹھانا جائز نہیں ہے۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں کرسی پر نماز پڑھنے والے صاحب کا تاخیر سے آنے کے باوجود اپنی کرسی

ممبر کے قریب رکھوانے کا عمل سخت مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ اِس میں مزید ایک خرابی یہ بھی ہے کہ بالقصد بیچ صف میں کرسی رکھ کر صف بندی میں خلل پیدا کیا جاتا ہے، جو بجائے خود ممنوع ہے۔ اِس لئے مذکورہ صاحب کو اِس عمل سے باز آنا چاہئے اور دیگر نمازیوں کی دل آزاری اور حق تلفی سے اجتناب کرنا چاہئے۔

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يقيم أحدكم أخاه من مجلسه ثم يجلس فيه. (سنن الترمذي، أبواب الأدب / باب كراهية أن يقام الرجل من مجلس الخ ۱۰۴/۲ رقم: ۲۷۴۹)

قال النووي: هذا النهي للتحريم فمن سبق إلى موضع مباح من المسجد وغيره يوم الجمعة أو غيره لصلاة أو غيرها فهو أحق به، ويحرم على غيره إقامته لهٰذا الحديث إلا أن أصحابنا استثنوا منه ما إذا ألف من المسجد موضعًا يفتي فيه الخ. (شرح النووي على مسلم، كتاب السلام / باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه المباح الذي سبق إليه ۱۶۰/۱۴ دار إحياء التراث العربي بيروت، تحفة الأحوذي ۲۰/۲ دار الكتب العلمية بيروت، حاشية سنن الترمذي ۱۰۴/۲)

عن وهب بن حذيفة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الرجل أحق بمجلسه، وإن خرج لحاجته ثم عاد فهو أحق بمجلسه. (شرح النووي على مسلم، كتاب السلام / باب إذا قام من مجلسه ثم عاد فهو أحق به ۱۶۱/۱۴ دار إحياء التراث العربي بيروت، سنن الترمذي، أبواب الأدب / باب إذا قام الرجل من مجلسه ثم رجع إليه ۱۰۴/۲ رقم: ۲۷۵۱)

قال النووي: قال أصحابنا هذا في حق من جلس في موضع من المسجد أو غيره لصلاة مثلاً، ثم فارقه ليعود بأن فارقه ليتوضأ أو يقضي شغلاً يسيرًا ثم يعود لم يبطل اختصاصه؛ بل إذا رجع فهو أحق به في تلك الصلاة.

(تحفة الأحوذي ۲۲/۸ دار الكتب العلمية بيروت)

وتخصيص مكان لنفسه وليس له ازعاج غيره منه (الد المختار) قال الشامي: قوله: وليس له، قال في القنية: له في المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره، قال الأوزاعي: له أن يزعجه، وليس له ذلك عندنا، أي لأن المسجد ليس ملكًا لأحدٍ. قلت: وينبغي تقييده بما إذا لم يقم عنه على نية العود بلا مهلة، كما لو قام للوضوء مثلاً، ولا سيما إذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤٣٦/٢ زكريا)

ويكره أشد كراهة أن يقيم الرجل أخاه فيجلس في موضعه في الجمعة وغيرها، قال الكرماني: وظاهر النهي الوارد فيه التحريم؛ لأن من سبق إلى مباحٍ فهو أحق به الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب الجمعة ص: ٥٢٣ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۴/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا صف میں کرسی رکھ دینے سے صف ٹیڑھی ہو جاتی ہے؟

سوال (۲۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندے کو ایک مسئلہ پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں پہلی صف میں یا کسی بھی صف میں-جس میں آدمی کھڑے ہوں- کرسی ڈال کر نماز پڑھتا ہے، تو بندہ اُس صف میں نماز پڑھنے سے بچتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ کرسی صف کو ٹیڑھا کرتی ہے، اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ گمراہ ہے، اِس صف میں نماز پڑھنے سے بچتا ہے، جس میں کرسی پر بیٹھ کر کوئی آدمی نماز اَدا کر رہا ہو؛ لہٰذا آپ حضرات سے گذارش ہے کہ اس مسئلے کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، احسان عظیم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- صف کے درمیان معذور شخص کے کرسی پڑ نماز پڑھنے سے صف ٹیڑھی نہیں ہوتی اور اس کے برابر دائیں بائیں دیگر مقتدیوں کے کھڑے ہونے میں شرعاً حرج نہیں ہے؛ لہٰذا آپ کا جگہ خالی ہونے کے باوجود ایسی صف میں نماز نہ پڑھنے کا التزام درست نہیں ہے؛ تاہم آپ کی لاعلمی کی وجہ سے جو لوگ آپ کو گمراہ قرار دیتے ہیں، ان کی بات بھی صحیح نہیں، ایسی طعن وتشنیع کی باتوں سے سب کو بچنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/۴۹۳ میرٹھ)

والاصطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه؛ لأنه صف في حق كل فريق، وإن لم يكن طويلاً، وتخلل الأسطوانة بين الصف كتخلل متاع موضوع، أو كفرجة بين رجلين، وذلك لا يمنع صحة الاقتداء ولا يوجب الكراهة. (المبسوط للإمام السرخسي، كتاب الصلاة / شروط الجمعة ۲/۳۵ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سترہ کس چیز کا ہو اور کیسے رکھیں؟

سوال (۲۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا لاٹھی کھڑی کر کے گذر سکتے ہیں یا نہیں؟

کتاب النوازل کے ۱۷/۲۸۱ میں عدم جواز کا فتویٰ دیا گیا اور احسن الفتاویٰ کے ۳/۴۱۰ پر جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ اسی طرح ردالمحتار کی عبارت ہے:

إذا لم يكن معه سترة ومعه ثوب أو كتاب مثلاً هل يكفي وضعه بين يديه؟ والظاهر نعم كما يؤخذ من تعليل ابن الهمام المار آنفا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۴۰۲ زكريا)

اَب آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ کس فتویٰ پر عمل کیا جائے؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سترہ کے بارے میں متون کی عبارات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی چیز کا ہونا چاہئے جو اپنی ذات پر قائم ہو۔ اور بعض فقہاء نے ضرورت کے وقت نمازی کے سامنے سترہ کو زمین پر لٹا کر یا محض لائن کھینچ کر اُس کے آگے سے گذرنے کی گنجائش دی ہے۔

ویغرز ندبًا الإمام وکذا المنفرد في الصحراء ونحوها سترة بقدر ذراع ...... ولا یکفي الوضع ولا الخط، وقیل: یکفي فیخط طولا (الدر المختار) قال الشامي: ثم المفهوم من کلامهم أنه عند إمکان الغرز لا یکفي الوضع وعند إمکان الوضع لا یکفي الخط. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ۲/۴۰۱-۴۰۳ زکریا)

اور اگر کوئی ایسی چیز نمازی کے سامنے رکھی جائے جو خود قائم نہ رہ سکے؛ بلکہ پکڑنے والے کے سہارے کی محتاج ہو تو اُس کے آگے سے گذرنا درست ہوگا یا نہیں؟ اِس مسئلہ کے بارے میں علامہ شامیؒ نے سکوت اختیار فرمایا اور کوئی حکم ظاہر نہیں فرمایا۔

أقول: وإذا کان معه عصا لا تقف علی الأرض بنفسها فأمسکها بیده ومرّ من خلفها هل یکفي ذلک؟ لم أره. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ۲/۴۰۱ زکریا)

ہاتھ میں رومال لٹکانے والا مسئلہ بھی اسی کے ضمن میں شامل ہے کہ وہ بذاتہ قائم نہیں؛ بلکہ لٹکانے والے شخص کے عمل پر موقوف ہے، اِس لئے عام حالات میں وہ سترہ کے لئے کافی نہ ہونا چاہئے، جیسا کہ متون سے اس کی تائید ہوتی ہے، نیز لٹکایا ہوا کپڑا چوں کہ خود لٹکانے والے کے تابع ہے؛ اِس لئے اس کا حکم بھی اس شخص سے الگ نہیں ہونا چاہئے؛ گویا کہ جس طرح اس انسان کا نمازی کے آگے سے گذرنا ممنوع ہے، اسی طرح اس کے لٹکائے ہوئے کپڑے سے

آگے گذرنا ممنوع ہونا چاہئے۔ اِسی بناپر ''کتاب النوازل'' میں عدمِ جواز کی بات لکھی گئی ہے جو متون کی عبارات سے مستفاد ہے؛ تاہم بعض حضرات سے سترہ کی چیز کو زمین پر لٹانے یا بوقت ضرورت لائن کھینچنے کی گنجائش والے قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہاتھ سے رومال لٹکا کر نمازی کے آگے سے گذرنے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ ''احسن الفتاویٰ'' کے محولہ بالا فتویٰ میں ہے؛ لہٰذا بوقت ضرورت (جب کہ نمازی کے سامنے گذرنا ناگزیر ہو اور دوسرا راستہ نہ ہو) تو اس فتویٰ پر عمل کی گنجائش ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے افادات سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ فیض الباری کی عبارت ملاحظہ ہو:

وفي حاشية العناية للشيخ سعد الدين: لو أسبل غشاوة من السقف كفاه للسترة. قلت: وعلى هذا فمن كان لا بد أن يمر بين يدي المصلي، فليسبل منديله أمامه، ثم ليمر ولعله يكون أيسر له من مروره كما هو. (فيض الباري / باب الصلاة إلى السرير ۱۱٤/۲ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایسے پلاسٹک کے پردہ کو سترہ بنانا جس میں آر پار نظر آ رہا ہو

سوال (۳۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں برآمدہ میں پردہ کی جگہ ایسی پنی لگی ہوئی ہے جس میں آر پار نظر آتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ پردہ شرعاً سترے کے قائم مقام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی صحن میں اس کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو اور یہ پردہ اس کے سامنے ہو تو برآمدہ والے اس کے سامنے سے گذر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - راجح قول کے مطابق سوال میں ذکر کردہ پلاسٹک

کی پنّی والا پردہ سترے کے لئے کافی ہو جائے گا اور اس پردہ کے آگے سے برآمدہ میں سے گذرنا درست ہوگا۔

ویغرز الإمام وکذا المنفرد في الصحراء ونحوها سترة بقدر ذراع طولاً وغلظ إصبع لتبدو للناظر بقربه على أحد حاجبيه ولا يكفى الوضع ولا الخط الخ (الدر المختار) وفي الشامية: وقوله (غلظ إصبع كذا في الهداية، لكن جعل في البدائع بيان الغلظ قولاً ضعيفًا وأنه لا اعتبار بالعرض، وظاهره أنه المذهب "بحر" ويؤيده ما رواه الحاكم، وقال على شرط مسلم: أنه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: يجزئ من السترة قدر مؤخرة الرحل ولو بدقة شعرة.

(رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٢/٤٠١-٤٠٢ زكريا)

وفي الطحطاوي: وقوله: في غلظ الإصبع خلاف المذهب فلا حد له لما روى الحاكم عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: يجزئ من السترة قدر مؤخرة الرحل ولو بدقة شعرة، كذا في البحر عن البدائع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في اتخاذ السترة ودفع المار بين يدي المصلي ص: ٣٦٦ دار الكتاب ديوبند، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٢/٣٠-٣١ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۲/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

کیا مسجد کے صحن کی سیڑھیاں صفوں کے اتصال سے مانع ہیں؟

سوال (۳۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ ہٰذا کی اَراضی میں ایک مسجد ''مسجد طلحہ'' کے نام سے موسوم ہے، جس کا وہ حصہ جس پر نماز اَدا کی جاتی ہے، اس پر جانے کے لئے تقریباً ۱۱-۱۲ر سیڑھیاں ہیں؛ جس کی اونچائی تقریباً ساڑھے گیارہ فٹ ہے، اور ایک سیڑھی کی چوڑائی ۹ر انچ ہے، جس پر کوئی انسان کھڑا نہ ہوسکے گا۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ نمازی زیادہ ہونے کی صورت میں مثلاً جمعہ کی نماز میں مسجد کے اندر کا ہال پر ہوجانے کے بعد سیڑھیوں کو چھوڑنے کے بعد مدرسہ کی باقی اراضی میں نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر ہوجائے گی تو نماز کے لئے صفیں سیڑھیوں سے ملاکر بچھائی جائیں گی یا چپل اُتارنے کے لئے جگہ چھوڑی جائے گی اور کتنی چھوڑی جائے گی؟ جواب سے نواز کر ممنون ومشکور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں مذکورہ مسجد کی صحن کی سیڑھیاں صفوں کی اتصال میں مانع نہیں ہیں؛ لہٰذا اُن کے نیچے مدرسہ کے صحن میں متصلاً صفیں لگائی جاسکتی ہیں اور سیڑھیوں اور صفوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہئے۔

وفي الخزائن: فناء المسجد هو ما اتصل به وليس بينه طريق قلت: يظهر من هذا أن مدرسة الكلاسية والكاملية من فناء المسجد الأموي في دمشق؛ لأن بابهما في حائطه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٣٣٢/٢ زكريا)

وكذا اقتداء من بالخلاوي السفلية صحيح؛ لأن أبوابها في فناء المسجد ولم يشتبه حال الإمام. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٦٣٥/١ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مسجد کے صحن میں حائل سیڑھیاں اقتدا سے مانع ہیں؟

سوال (۳۰۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد کی تعمیر ہوئی ہے، اس میں مسجد سے صحن کے درمیان سیڑھیاں ہیں، مسجد کی آخری صف اور صحن کی پہلی صف کے درمیان تین سیڑھیاں ہیں، مسجد کی اُونچائی دو فٹ ہے تو کیا یہ فاصلہ مانع اقتدا ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اندورنی مسجد کے مقابلہ میں مسجد کے صحن کی سطح نیچے ہونے کی وجہ سے باجماعت نماز میں کوئی فرق نہ پڑے گا، یہ سیڑھیوں کا فاصلہ اِقتداء سے مانع نہیں ہے، ویسے بھی پوری مسجد مکان واحد کے درجہ میں ہوتی ہے۔

وذكر في البحر عن المجتبى: أن فناء المسجد له حكم المسجد، ثم قال: وبه علم أن الاقتداء من صحن الخانقاه الشيخونية بالإمام في المحراب صحيح وإن لم تتصل الصفوف؛ لأن الصحن فناء المسجد، وكذا اقتداء من بالخلاوي السِفلية صحيح؛ لأن أبوابها في فناء المسجد. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأمامة، مطلب: إذا كانت اللثغة يسيرة ۳۳۲/۲ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۶۳۵/۱ دار الكتاب ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۴/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام کا فرض نماز میں قومہ اور جلسہ کا اہتمام نہ کرنا

سوال (۳۰۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں قومہ جلسہ واجب ہیں، اگر امام صاحب اس کا اہتمام نہیں کرتے تو کیا اس سے نماز میں کوئی کمی تو نہیں آتی، جب کہ ان کا کہنا ہے کہ فرضوں میں اس کی ضرورت نہیں، اپنی نمازوں میں اس کا اہتمام کرو۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- قومہ اوجلسہ امام اور مقتدی ہر ایک پر واجب ہے؛ لیکن ان کا وجوب محض ایک تسبیح ''سبحان ربي العظیم'' کے بقدر کھڑے ہونے سے اور سجدے کے درمیان بیٹھ جانے سے ادا ہو جاتا ہے، اس سے زیادہ توقف کرنا لازم نہیں ہے، پس اگر قومہ یا

جلسے میں کوئی شخص طویل اذکار ودعائیں کرنا چاہتا ہے تو انفرادی نمازوں میں کرے، امام کو بہر حال مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے اور اتنا طویل قومہ اور جلسہ نہیں کرنا چاہئے کہ مقتدیوں پر بوجھ ہوجائے۔

ويجب الاطمئنان وهو التعديل في الأركان بتسكين الجوارح في الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله في الصحيح (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: ويستقر كل عضو في محله بقدر تسبيحة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل فی بیان واجب الصلاة ۲۴۹ زکریا)

وأما الاعتدال في الركوع والسجود وكل ركن هو أصل بنفسه، ذكر الكرخي أنه واجب على قولهما ...... وتعديل الأركان هو تسكين الجوارح حتى تطمئن مفاصله وأدناه قدر تسبيحة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في واجبات الصلاة ۱۲۹/۱ مكتبة الاتحاد، ۷۱/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۳/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اِمام رکوع میں ہو اور مقتدی ثناء پڑھے بغیر رکوع کرے

سوال (۳۰۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص مسجد میں اُس وقت پہنچا جب کہ اِمام صاحب رکوع میں تھے، اور اُس نے قیام کی حالت میں رفع یدین کرکے تکبیر تحریمہ کہی، پھر ثناء پڑھے بغیر فوراً تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا گیا اور رکوع کی حالت میں اِمام کو پالیا، تو وہ اُس رکعت کو پانے والا شمار ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں چوں کہ شخص مذکور بحالتِ

قیام تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں گیا ہے؛ لہٰذا وہ رکعت پانے والا شمار ہوگا، اور اُس کی نماز بلاشبہ درست ہے۔

عن ابن شهاب قال: كان ابن عمر وزيد بن ثابت رضي الله عنهما إذا أتيا الإمام وهو راكع، كبّرا تكبيرة ويركعان بها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ۱۳۰/۲ رقم: ۲۵۸۸ دار الكتب العلمية بيروت)

فلو كبّر قائمًا فركع ولم يقف صحّ؛ لأن ما أتى به القيام إلى أن يبلغ الركوع يكفيه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / فرائض الصلاة ۱۳۱/۲ زكريا)

قال في البرهان: لو أدرك الإمام راكعًا فحنى ظهره ثم كبّر إن كان إلى القيام أقرب صح الشروع ...... وإن كان إلى الركوع أقرب لا يصح الشروع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة وأركانها ص: ۲۱۸ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱/۳۰ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

ٹرین میں آگے پیچھے کھڑے ہوکر جماعت کرنا

سوال (۳۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ٹرین میں دو فرد یا اِس سے زائد کا آگے پیچھے اِس طور پر نماز با جماعت اَدا کرنا کہ ایک کا سر دوسرے کے پیر کے قریب ہو؛ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اِمام اور ایک ایک مقتدیوں کے آگے پیچھے کھڑے ہوکر نماز با جماعت پڑھنے سے اگرچہ فی نفسہٖ نماز درست ہوجائے گی؛ تاہم بہتر یہ ہے کہ جگہ دیکھ کر ۲-۲/ آدمی برابر میں کھڑے ہوکر جماعت کریں؛ تاکہ ایک صف میں صرف ایک

مقتدی کے کھڑے ہونے کی مکروہ صورت سے بچا جاسکے۔ نیز ٹرین میں اِس طرح با جماعت نماز نہ پڑھی جائے، جس سے مسافروں کا راستہ رک جائے اور لوگوں کو اعتراض کا موقع ملے، ایسی صورت سے بہرحال بچنا چاہئے۔

ویقف الواحد محاذیًا لیمین إمامه علی المذهب، فلو وقف عن یساره کره اتفاقًا، وکذا یکره خلفه علی الأصح لمخالفة السنة. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة / باب الإمامة ۲/ ۳۰۷-۳۰۸ زکریا)

ومن صلی مع واحد أقامه عن یمینه أي یقف المؤتم الواحد رجلا، أو صبیًا في جنبه الأیمن مساویًا له، ولا یتأخر في ظاهر الروایة. وعن محمد یضع أصابعه عند عقب الإمام، ولو قام عن یساره جاز، ویکره وفي کراهة القیام خلفه، اختلف المشایخ والصحیح أنه یکره. (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الصلاة / فصل الجماعة سنة مؤکدة ۱/ ۱۶۵ مکتبة فقیه الأمت دیوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/ ۶/ ۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مسجد کی پہلی منزل پر معذورین کا نماز پڑھنا

سوال (۳۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد سہ منزلہ ہے ضرورۃً دوسری منزل پر نماز ہو رہی ہے، اور دوسری منزل بھی پانچوں نمازوں میں آدھی خالی رہتی ہے، اور پہلی منزل مکمل خالی ہے تو کیا بوڑھوں کے لئے نچلے حصہ میں ایک صف بچھائی جاسکتی ہے؛ تاکہ بوڑھے اور کمزور حضرات نیچے نماز پڑھ سکیں؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - صورتِ مسئولہ میں جو ضعیف حضرات دوسری منزل

پر نہ جاسکیں، اُن کے لئے مسجد کے نچلے حصہ میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے؛ لیکن غیر معذور حضرات نیچے نماز نہ پڑھیں؛ کیوں کہ صفوں کے انقطاع کی وجہ سے اُن کی نماز کراہت سے خالی نہ ہوگی۔

ولو وقف على سطح المسجد واقتدى بالإمام فإن كان وقوفه خلف الإمام أو بحذائه أجزأه، لما روي عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه وقف سطح المسجد واقتدى بالإمام وهو في جوفه؛ ولأن سطح المسجد تبع للمسجد، وحكم التبع حكم الأصل فكأنه في جوف المسجد، وهٰذا إذا كان لا يشتبه عليه حال إمامه، فإن كان يشتبه لا يجوز، وإن كان وقوفه متقدمًا على الإمام لا يجزئه لانعدام معنى التبعية. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل شرائط أركان الصلاة ١٤٦/١ دار الكتب العلمية بيروت)

ولو قام على سطح المسجد واقتدى بإمامٍ في المسجد، إن كان للسطح بابٌ في المسجد ولا يشتبه عليه حال الإمام يصح الاقتداء، وإن اشتبه عليه حال الإمام لا يصح، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. وإن لم يكن له بابٌ في المسجد، لكن لا يشتبه عليه حال الإمام، صحّ الاقتداء أيضًا. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء وما لا يمنع ٨٨/١ قديم زكريا)

والقيام خلف صفٍّ فيه فرجة، فإن لم يكن فيه فرجة لم يكره، هذا إذا كان هو في الصف الآخر، وإن كان منفردًا يكره. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة / فصل ما يكره في الصلاة ١٢٥/١ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مسجد میں مصلی النساء کو پردہ سے گھیر کر اُس کے پیچھے مردوں کا صف بندی کرنا

سوال (۳۰۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: میں جس کالج میں تعلیم حاصل کررہا ہوں، وہاں ایک مسجد ہے، جہاں عورتیں بھی جماعت سے نماز پڑھتی ہیں؛ لیکن جس جگہ عورتوں کی صف بندی ہوتی ہے وہ پردہ سے گھری ہوئی ہے، اور وہ جگہ مسجد کے آگے کے حصے میں اس طور پر ہے کہ ان کے پیچھے مردوں کی بھی صف بندی ہوتی ہے، مگر مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان پردہ حائل ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کا مردوں کے آگے ہوکر نماز پڑھنے میں مردوں کی نماز میں کوئی حرج ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اصل حکم تو یہی ہے کہ جماعت میں عورتوں کی صف مردوں کے پیچھے بنائی جائے، تاہم سوال میں ذکر کردہ صورت میں جب کہ عورتوں کی نماز کی جگہ آگے کی جانب پردے سے گھر ہوئی ہے تو اُس پردہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے مردوں کی نماز فاسد نہ ہوگی؛ کیوں کہ پردہ اُن کے اور عورتوں کے درمیان محاذات میں حائل بن جائے گا، اِس لئے نماز کے فساد کا حکم نہ ہوگا۔

ألا يرى لو كان بين صف النساء و صف الرجال سترة قدر مؤخرة الرحل كان ذلك سترة للرجال ولا تفسد صلاة واحد منهم. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء وما لا يمنع ٨٥/٢ رقم: ١٦٨٠ مكتبة الاتحاد ديوبند، ٨٨/١ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ٢٧٢/٢ زكريا)

وعبارة مفتاح السعادة: وفي الينابيع: ...... ولو كان بينهن و بين الرجال فاصل لاتفسد صلاتهم وذلك الحائل مقدار مؤخر الرحل أو مقدار خشبة منصوبة أو حائط قدر ذراع. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة / مطلب: الكافي للحاكم جمع كلام محمد في كتبه التي هي ظاهر الرواية ٣٣١/٢ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مغرب کی نماز میں اِمام چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا

سوال (۳۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مغرب کی تیسری رکعت میں اِمام سیدھا کھڑا ہوگیا اور مقتدیوں کے لقمہ دینے کے باوجود واپس نہیں لوٹا؛ بلکہ اگلی رکعت میں قعدہ کر کے سلام پھیرا، تو ایسی صورت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہئے؟ کیا وہ بھی اِمام کے ساتھ چوتھی رکعت کے لئے کھڑے ہوجائیں یا بیٹھے رہیں اور اپنا سلام خود پھیر دیں؟ اُن کے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ امام کے ساتھ کھڑے نہ ہوں؛ بلکہ قعدہ کی حالت میں بیٹھ کر بار بار تکبیر وتسبیح کہتے رہیں؛ تاکہ اِمام کو توجہ ہوجائے، پس اگر امام اگلی رکعت کے سجدے سے پہلے پہلے لوٹ آئے اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرلے تو سب کی نماز درست ہوجائے گی۔ اور اگر امام نے اگلی رکعت کا سجدہ کرلیا تو قعدۂ اخیرہ کے ترک کی وجہ سے سب کی فرض نماز فاسد ہوجائے گی؛ تاہم اگر بعد میں قعدہ کر کے سلام پھیر دیا تو اِمام کے لئے یہ چاروں رکعتیں نفل بن جائیں گی اور مقتدیوں کی دو رکعت نفل معتبر ہوں گی؛ اس لئے کہ مقتدیوں نے امام کے بغیر اپنے طور پر جو قعدۂ اخیرہ کیا ہے اُس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور بہر حال جو بھی شکل ہو، مقتدیوں کو از خود سلام پھیرنے کی اجازت نہ ہوگی؛ کیوں کہ اگر وہ اِمام کے بغیر خود سلام پھیریں گے، تو اُن کی نماز خود فاسد ہوجائے گی۔

وإن قام الإمام قبل القعود الأخير ساهيًا، انتظره المأموم وسبح ليتنبه إمامه، فإن سلم المقتدي قبل أن يقيد إمامه الزائدة بسجدة، فسد فرضه؛ لإنفراده بركن القعود حال الاقتداء كما تفسد بتقييد الإمام الزائدة بسجدة؛ لتركه القعود الأخير في محله. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة / فصل فيما يفعله المقتدي بعد فراغ إمامه الخ ص: ۳۱۰-۳۱۱)

وإن سها عن الأخير عاد ما لم يسجد و سجد للسهو، فإن سجد بطل فرضه برفعه وصارت نفلا (كنز الدقائق) قوله: فإن سجد بطل فرضه برفعه ...... وإذا بطل فرض الإمام برفعه بطل فرض المأموم، سواء كان قعد أو لا. ولذا ذكر قاضي خان في فتاواه: ولو أن الإمام لم يقعد على رأس الرابعة وقام إلى الخامسة ساهيًا وتشهد المقتدي وسلم قبل أن يقيد الإمام الخامسة بالسجدة، ثم قيدها بالسجدة فسدت صلاتهم جميعًا ...... وفي فتح القدير: ولا يخفى عدم متابعتهم له فيما إذا قام قبل القعدة، وإذا عاد لا يعيد التشهد. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو، قوله: فإن سجد بطل فرضه برفعه ۱۷۸/۲-۱۸۳ زكريا)

أو قام إلى الخامسة ساهيًا؛ فإنه لا يتابع في ذلك، ثم في القيام إلى الخامسة إن كان قعد على الرابعة ينتظره المقتدي قاعدًا، فإن عاد سلم من غير إعادة التشهد وسلم المقتدي معه، وإن قيد الخامسة بالسجدة سلم المقتدي وحده وإن كان لم يقعد على الرابعة، فإن عاد تابعه المقتدي. وإن قيد الخامسة فسجدت صلاتهم جميعًا، ولا يعيد المقتدي تشهده وسلامه وحده. (غنية المتملي، قبيل: فصل في قضاء الفوائت / مطلب: أربعة أشياء إذا فعلها الإمام لا يتابعه القوم ۶۵/۳ مكتبة دار العلوم ديوبند، ص: ۵۲۸ سهيل اكيڈمی لاهور)

ولا في خمسة أشياء: إذا قام إلى الخامس. (الفتاویٰ التاتارخانية ۴۰۰/۲ رقم المسئلة: ۲۷۹۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۱/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام وضو کرنے نکلا کسی مقتدی نے صف کے اندر سے ہی جہراً الفاظِ سلام کہلائے

سوال (۳۰۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک اِمام نماز پڑھ رہا تھا، قعدۂ اخیرہ میں اُس کو ریاح کا تقاضا ہوا اور وضوٹوٹ گیا؛ چناں چہ وہ وضوکرنے کے لئے وضوخانہ کی طرف چلا؛ لیکن اپنی جگہ کسی کو نائب نہیں بنایا، اُس کے جانے کے بعد کسی مقتدی نے اپنی ہی جگہ پر رہتے ہوئے جہراً سلام پھیر دیا اور اُس کے سلام پر دیگر مقتدیوں نے بھی سلام پھیر دیا۔ تو سوال یہ ہے کہ اُن مقتدیوں کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اِمام کو چاہئے تھا کہ وہ پہلی صف میں سے کسی شخص کو اپنا نائب بنا کر وضو کے لئے جاتا؛ لیکن اگر وہ نائب بنائے بغیر چلا گیا، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو اَب اگر اُس اِمام کے حدودِ مسجد سے نکلنے سے پہلے مقتدیوں میں سے کسی شخص نے اَز خود اِمام کا قائم مقام بن کر سلام پھیر دیا ہے، تو اگر وہ سلام پھیرنے والا مقتدی پہلی صف میں ہو تو سب کی نماز درست ہوجائے گی۔ اور اگر کسی اور صف میں ہو تو صرف اس صف اور اس سے پیچھے والی صف کی نماز درست ہوجائے گی۔ اور اس سے اگلی صف والوں کی نماز فاسد ہوجائے گی؛ البتہ اِمام کی نماز باقی ہے وہ واپس آکر حسبِ ضابطہ اپنی نماز کی تکمیل کرسکتا ہے۔

وإن تقدم رجل في غير تقديم أحد وقام مقام الإمام قبل أن يخرج الإمام عن المسجد جاز، ولو خرج الإمام من المسجد قبل أن يصل هذا الرجل إلى المحراب ويقوم مقامه فسدت صلاة الرجل والقوم، ولا تفسد صلاة الإمام الأول. إمام أحدث فقدم رجلا من آخر الصفوف ثم خرج من المسجد، فإن نوى الثاني أن يكون إمامًا من ساعته، ونوى أن يؤمهم في ذلك المكان جازت صلاة الخليفة وصلاة الإمام الأول ومن كان على يمين الخليفة وعلى يساره في صفه ومن كان خلفه ولا تجوز صلاة من كان قبله من الصفوف؛ لأنهم صاروا إمامًا للإمام. (قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الصلاة / فصل في الاستخلاف ۱۱۵/۱ زكريا، ۷۳/۱ مكتبة الاتحاد ديوبند)

وإن قدم القوم واحدًا أو تقدم بنفسه لعدم استخلاف الإمام جاز وإن قام مقام الأول قبل أن يخرج من المسجد ولو خرج منه فسدت صلاة الكل دون الإمام. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الاستخلاف ۳۵۳/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۷/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

واجب الاعادہ فرض میں مسبوق کی شرکت کا حکم

سوال (۳۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر فرض نماز کسی وجہ سے واجب الاعادہ ہو جائے اور اِمام دوبارہ نماز پڑھائے، تو مسبوق جو اس سہو کے وقت نماز میں شامل رہا ہو، یا سہو کے بعد شامل ہوا ہو، تو مسبوق کے لئے کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر کسی رکن یا شرط چھوٹنے کی وجہ سے نماز کا اعادہ کیا جا رہا ہو تو بہر حال مسبوق حضرات اپنی نماز چھوڑ کر دوسری جماعت میں شریک ہوں گے؛ کیوں کہ پہلی نماز باطل اور کالعدم ہو چکی ہے؛ البتہ اگر کسی واجب کے ترک یا تکرار کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہو تو ایسی صورت میں مسبوق حضرات امام کے سلام پھیرنے کے بعد اولاً حسب قاعدہ اپنی نماز مکمل کریں گے، اس کے بعد ہی دوسری جماعت میں شامل ہوں گے، اگر وہ اپنی نماز مکمل کئے بغیر دوسری جماعت میں شریک ہو گئے تو ان کا فریضہ ادا نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴۳۵/۳، فتاویٰ قاسمیہ ۵۶۱/۷ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

والمختار أن المعادة لترك واجب نفل جابر، والفرض سقط بالأولى؛ لأن الفرض لا يتكرر كما في الدر وغيره ويندب إعادتها لترك السنة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في بيان واجب الصلاة ص: ۲۴۸ دار الكتب العلمية بيروت)

والمختار أنها جابر للأول؛ لأن الفرض لا يتكرر، قاله المصنف وغيره. (الدر المنتقى في هامش مجمع الأنهر ص: ۱۳۳)

ولا إشكال في وجوب الإعادة إذ هو الحكم في كل صلاة أديت بكراهة التحريم ويكون جابرًا للأول؛ لأن الفرض لا يتكرره. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲۷۷/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

قوله: المختار أنه، أي الفعل الثاني جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو، وبالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح، كذا في شرح الأكمل على أصول البزدوي. ومقابله ما نقلوه عن أبي اليسر من أن الفرض هو الثاني، واختار ابن الهمام الأول قال: لأن الفرض لا يتكرر، وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالأول، إذ هو لازم ترك الركن لا الواجب. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱٤۸/۲ زكريا)

وبالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح، فالفعل الثاني بمنزلة الجبر كالجبر بسجود السهو. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۸٥/۲ دار الكتاب الإسلامي)

ومن المشائخ من قال: يلزمه أن يعيد ويكون الفرض هو الثاني، والمختار أن الفرض هو الأول، والثاني جبر للخلل الواقع فيه بترك الواجب. قال الشيخ كمال الدين بن الهمام: لا إشكال في وجوب الإعادة؛ إذ هو الحكم في كل صلاة أديت مع كراهة التحريم ويكون جابرًا للأول؛ لأن الفرض لا يتكرر وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالأول الخ. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ص: ۲۹٤ سهيل اكيڈمی لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۶/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِعادہ کی جماعت میں نئے مقتدیوں کی شمولیت

سوال (۳۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دوبارہ نماز پڑھانے کے دوران کچھ نئے مقتدی اگر جماعت میں شامل ہوجائیں جنہیں معاملہ کی نوعیت کا علم نہیں ہے تو اُن کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِس مسئلہ کے بارے میں فقہی عبارات مختلف ہیں، تاہم اَحوط یہ ہے کہ اگر نئے شریک ہونے والے مقتدیوں کو پہلے سے علم تھا کہ یہ دوسری جماعت ہورہی ہے تو اس جماعت میں شرکت کرنے سے اُن کا فریضہ اَدا نہ ہوگا۔ اور اگر اُنہیں پہلے سے کچھ علم نہ رہا ہو اور سیدھے آکر جماعت میں شریک ہوجائیں تو اُن کی نماز درست ہو جائے گی۔

وأما المعادة لترك واجب فلا شك أنها جابرة لا فرض، فعليه ينوي كونها جابرة. وأما على القول بأن الفرض لا يسقط إلا بها فلا خفاء في اشتراط نية الفرضية أهـ . ونقل البيري عن الإمام السرخسي أن الأصح القول الثاني. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ٩٥/٢ زكريا، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة / فل في بيان واجب الصلاة ص: ٢٤٨ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۶/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

واجب الاعادہ نماز میں دوسرے اِمام نے نماز پڑھائی

سوال (۳۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ظہر کی نماز ترکِ واجب کی وجہ سے فاسد ہوگئی اور واجب الاعادہ قرار پائی؛ چناں چہ

دوسری جماعت کا اعلان کیا گیا، مگر ہوا یہ کہ دوسری جماعت کی اِمامت ایسے شخص نے کی جو پہلی جماعت میں شریک نہ تھے، تو سوال یہ ہے کہ اُن کی اقتداء میں بقیہ لوگوں کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اِمام اور سب مقتدیوں کی نماز درست ہوگئی؛ اِس لئے کہ اِمام نے اپنا فریضہ اَدا کیا اور مقتدی حضرات نے واجب الاعادہ نماز کے نقصان کی تلافی کا قصد کیا ہے۔ اور اُصول یہ ہے کہ ادنیٰ حال والے مقتدی کا اعلیٰ حال والے اِمام کی اقتداء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، والمختار أنه جابر للأول؛ لأن الفرض لا يتكرر. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٤٨/٢ زكريا)

ويصلي المتنفل خلف المفترض؛ لأن الحاجة في حقه إلى أصل الصلاة، وهو موجود في حق الإمام فيتحقق البناء. (الهداية، كتاب الصلاة / باب الإمامة ١٢٧/١ المكتبة الأشرفية ديوبند، الفقه الإسلامي وأدلته / صلاة الجماعة وأحكامها ٢٠٥/٢ دار الفكر بيروت)

وأما الصلاة المعادة لارتكاب مكروه أو ترك واجب فلا شك أنها جابرة لا فرض لقولهم: بسقوط الفرض بالأولى فعلى هذا ينوي كونها جابرة لنقص الفرض على أنها نفل تحقيقًا. (الأشباه والنظائر / القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها ١٣٦/١ مكتبة الحرمين داكا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۳/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر سری دعاء مانگنے کا ثبوت

سوال (۳۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: فرض نمازوں کے بعد دعا کی قبولیت کی روایت ثابت ہے۔ اِسی طرح اجتماعی دعاء کی قبولیت بھی ثابت ہے۔ یہاں مفتی صاحب سے سوال ہے کہ ہمارے دیار میں فرض نماز کے بعد خاموش دعاء جو ہوتی ہے وہ سب ایک ساتھ مانگتے ہیں، اِس طرح نماز کے بعد ایک ساتھ اکٹھے سری دعاء مانگنا کہاں سے ثابت ہے؟ اسے واضح فرمائیں، کتبِ معتبرہ کے حوالے اور نصوص کے ذریعہ سے جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - متعدد روایات میں صراحۃً فرائض کے بعد دعاؤں کا ثبوت ہے۔ نیز بعض دیگر روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فرض کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعاء فرمائی ہے، اِس طرح کی سب روایتوں کو ملانے سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نمازوں کے بعد انفرادی طور پر دعائیں مانگنا ثابت ہے؛ لہٰذا ہمارے علاقوں میں فرائض کے بعد جس طرح سری دعائیں مانگی جاتی ہیں؛ یہ حقیقت میں انفرادی دعائیں ہیں، جن کی ہیئت اجتماعی بن جاتی ہے؛ لہٰذا اِس طریقہ کو ناجائز یا بدعت نہیں کہا جاسکتا؛ تاہم یہ بات ضرور ملحوظ رہنی چاہئے کہ اِس دعاء میں مقتدیوں کے لئے اِمام کی متابعت کوئی لازم نہیں ہے، اِس لئے اگر کوئی مقتدی نماز کے فوراً بعد دعاء میں شرکت نہ کرے تو یہ ناجائز نہیں ہے۔ علاوہ اَزیں بعض اَحادیث سے نمازوں کے بعد کی قید کے بغیر مطلقاً اجتماعی جہری دعاؤں کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ بریں بنا اگر کسی خاص داعیہ کے تحت نمازوں کے بعد کبھی کبھار اجتماعی جہری دعاء کرادی جائے تو یہ بھی بلاشبہ درست ہے؛ لیکن اِس کی ایسی پابندی نہ کی جائے کہ لوگ اِس طرح کی دعاؤں کو واجب اور ضروری سمجھنے لگیں، جیسا کہ جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں رواج پڑ گیا ہے۔

عن محمد بن أبي يحيىٰ قال: رأيت عبد اللّٰه بن الزبير ورأى رجلاً رافعًا يديه يدعو قبل أن يفرغ من صلاته فلما فرغ منها، قال: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته. رواه الطبراني

ورجاله رجال الصحيح غير عمار بن خالد الواسطي وهو ثقة. (مجمع الزوائد ۱۰/۱٦۹ رقم: ۱۷۳٤٥)

عتبة بن أبي وقاص يذكر أن خلاد بن السائب حدثه عن أبيه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا دعا رفع راحتيه إلىٰ وجهه. (المعجم الكبير للطبراني ۷/۱٤۱ رقم: ٦٦۲٥)

وعن سلمان قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما رفع قوم أكفهم إلىٰ عز وجل يسألونه شيئًا إلا كان حقًا على اللّٰه أن يضع في أيديهم الذي سألوا. (مجمع الزوائد ۱۰/۱٦۹ رقم: ۱۷۳٤۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نماز کے بعد دعا سے پہلے مسئلہ بتانا

سوال (۳۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ عرصہ قبل احقر نے بعض مقتدی حضرات کی خواہش پر نماز عصر کی دعا کے بعد ہر روز ایک مسئلہ بتانے کا سلسلہ شروع کیا، جس کا الحمد للہ بہت اچھا فائدہ نظر آیا، آج کل عید الاضحیٰ کی مناسبت سے مسائل قربانی سے عوام کو روشناس کرایا جارہا ہے، کچھ حضرات کا شروع سے بھی کہنا ہے کہ مسئلہ بتانے کا یہ عمل دعا سے پہلے مناسب ہے، اِس وقت سارا مجمع دل جمعی کے ساتھ بیٹھا رہتا ہے، اس لئے زیادہ فائدہ ہوگا، اور اس انتشار کی کیفیت کا بھی خاتمہ ہوسکے گا جو اکثر حضرات کے دعا کے فوراً بعد اُٹھ جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ حضرات سفراء مدارس اور تبلیغی کارکنان کے اعلانات کی مثال دے کر اَب اپنے مطالبہ کو پورا کرنے پر مصر ہیں، اور یہ بصورت دیگر یہ سلسلہ موقوف کردینے کی بات کرتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ عمل دعا سے پہلے انجام دینا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نماز عصر کے بعد ضروری مسئلہ بتانے کا سلسلہ مفید ہے اور یہ عمل دعا سے قبل بھی کیا جاسکتا ہے اور دعا کے بعد بھی، جس پر نمازی متفق ہوں ویسا کرلیا جائے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الذاریات: ۵۵] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۱۱/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

عصر اور فجر کے بعد تسبیح فاطمی پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال (۳۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عصر اور فجر کی نماز کے بعد ۳۳؍ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳؍ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھنا سنت ہے یا واجب؟ پڑھنے اور نہ پڑھنے کی صورت میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ اور اِن کی جگہ کوئی اور تسبیحات پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- ہر نماز کے بعد مذکورہ تسبیحات پڑھنا صحیح اَحادیث سے ثابت ہے، اور بڑے اَجر وثواب کی بات ہے؛ تاہم اسے واجب نہیں کہا جائے گا، اور جو شخص اِن تسبیحات کو نہ پڑھے اُسے گنہگار بھی قرار نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر مذکورہ کلمات کے علاوہ دیگر اَذکارِ ماثورہ پڑھے جائیں تو اِس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور یہ اَذکار فجر وعصر میں نماز کے فوراً بعد پڑھنے چاہئیں اور دیگر نمازوں میں سنتوں کے بعد پڑھنے چاہئیں۔

عن کعب بن عجرة رضي اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

قال: معقبات لا يخيب قائلهن أو فاعلهن: ثلاث وثلاثون تسبيحة، وثلاث وثلاثون تحميدة، وأربع وثلاثون تكبيرة في دبر كل صلاة. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته رقم: ٥٩٦)

وعن زيد بن ثابت رضي الله عنه قال: أمرنا أي أمر ندب أن نسبح في دبر كل صلاة أي فريضة ثلاثا وثلاثين ونحمد ثلاثا وثلاثين ونكبر أربعا وثلاثين. (مرقاة المفاتيح ٣٦٧/٢ رقم: ٩٧٣ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وعن شمس الأئمة الحلواني أنه قال: لا بأس بقراءة الأوراد بين الفريضة والسنة فالأولى تأخير الأوراد عن السنة، فهذا ينفي الكراهة، ويخالفه ما قاله في الاختيار، كل صلاة بعدها سنة يكره القعود بعدها والدعاء؛ بل يشتغل بالسنة كيلا يفصل بين السنة والمكتوبة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في صفة الأذكار ص: ٣١٢-٣١٣ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۷/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

نماز کے بعد دعاء سے پہلے ”ایک منٹ کا مدرسہ“ نامی کتاب پڑھنا

سوال (۳۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں اِمام صاحب نے یہ عمل شروع کیا ہے کہ ظہر کی نماز پڑھانے کے بعد دعا سے قبل ”ایک منٹ کا مدرسہ“ نامی کتاب کی تعلیم کرتے ہیں، ایک آدھ منٹ میں اُس کا ایک درس پڑھ کر سناتے ہیں، اور لوگ چوں کہ یہ سمجھتے ہیں کہ دعا سے پہلے اُٹھ کر جانا نہیں چاہئے، اِس لئے بعض لوگ چاہنے کے باوجود نہیں جاتے، پھر اِمام صاحب دعا کرتے ہیں، اِمام

صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اگر دعا کے بعد تعلیم کی جائے تو لوگ سنتے نہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ اِمام صاحب کا یہ عمل شریعت کی روشنی میں کیسا ہے؟ اِس کا کوئی بہتر متبادل بھی بتلائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- واضح ہو کہ اِمام کے سلام پھیرنے کے بعد نماز مکمل ہوجاتی ہے، اور مقتدی کے لئے اِمام کی متابعت کا حکم باقی نہیں رہتا؛ لہٰذا عوام کا یہ سمجھنا کہ اِمام کی دعا سے پہلے صف سے اُٹھ کر جانا ناجائز ہے؛ یہ تصور غلط ہے۔ اور مسئولہ صورت میں ظہر کی نماز کے بعد کبھی کبھار ضرورت کے موافق دو چار منٹ میں کوئی وعظ ونصیحت کی بات کرنا منع نہیں ہے؛ لیکن اِسے مستقل معمول نہ بنایا جائے؛ کیوں کہ بسا اَوقات اِس کی وجہ سے مسبوقین کی نماز میں خلل پڑسکتا ہے یا بعض مقتدیوں کو ناگواری ہوسکتی ہے، اِس لئے اِس بارے میں احتیاط مناسب ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ فجر یا عصر کی نماز میں دعا کے بعد کتاب سنانے کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ اور اِمام صاحب مقتدیوں کی ایسی ذہن سازی کریں کہ وہ بشاشت سے کتاب سننے پر تیار ہوجائیں اور کسی کو کوئی اشکال نہ ہو۔

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه. (صحيح البخاري ١١٧/١ رقم: ٨٤٥)

وسياق سمرة ظاهره أنه كان يواظب على ذلک، قيل: والحكمة في استقبال المأمومين أن يعلمهم ما يحتاجون إليه، فعلى هذا يختص بمن كان في مثل حاله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم من قصد التعليم والموعظة. (فتح الباري، كتاب الأذان / باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم ٣٣٥/٢ دار المعرفة بيروت، ٥٣٠/٣ الرسالة العالمية ت: شعيب الأرنؤوط)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يتخولنا بالموعظة في الأيام كراهة السآمة علينا. (صحيح البخاري ١٥/١ رقم: ٦٩)

ویستفاد من الحدیث استحباب ترک المداومة في الجد في العمل الصالح خشیة الملال وإن کانت المواظبة مطلوبة. (فتح الباري، کتاب العلم / باب ما کان النبي یتخولهم بالموعظة ۱۶۳/۱ دار المعرفة بیروت)

قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد. (الدر المختار، کتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲۴۶/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مساجد میں فرض نمازوں کے بعد اعلان کرنا

سوال (۳۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مساجد میں دینی پروگراموں کے اعلانات کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ خاص طور سے فرض نمازوں کے بعد اعلان کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مساجد میں فرض نمازوں کے بعد مختصر انداز میں دینی وملی ضرورتوں کے اعلانات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً اصلاحی مواعظ، نماز جنازہ یا مدارس ومساجد وغیرہ کے لئے تعاون کا اعلان وغیرہ؛ لیکن یہ اعلان اتنا طویل نہ ہونا چاہئے کہ جس سے مسبوقین کی نماز میں خلل واقع ہو۔

ویکره التخطي للسوال بکل حال (الدر المختار) قال في النهر: والمختار أن السائل إن کان لایمر بین یدي المصلي ولا یتخطی الرقاب ولا یسأل إلحافا، بل لأمر لا بد منه فلا بأس بالسؤال والإعطاء. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب الجمعة، مطلب في الصدقة علی سؤال المسجد ۴۲/۳ زکریا)

لأنـه إعـانة عـلى أذى الناس حتى قيل هذا فلس لا يكفره سبعون فلسًا.

(رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ۵۹۷/۹ زكريا)

عـن الـمنذر بن جرير عن أبيه قال كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فـي صـدر الـنهار، قال: فجاء ه قوم حفاة عراة مجتابي النمّار أو العباء متقلدي السيـوف عـامتهـم مـن مـضر؛ بل كلهم من مضر فتمعر وجه رسول الله صلى الـله عليه وسلم لما رأى بهم من الفاقة، فدخل ثم خرج فأمر بلالا، فأذن وأقام فـصـلـى ثـم خـطب، فقال: يأيها الناس اتقوا ربكم الخ، والآية التي في الحشر واتـقوا الله ولتنظر نفس ما قدمت لغد الخ، تصدق رجل من ديناره من درهمه مـن ثـوبـه مـن صـاع بـره من صاع تمره حتى قال: ولو بشق تمرة، قال: فجاء رجـل مـن الأنـصـار بـصرة كادت كفه تعجز عنها بل قد عجزت الخ. (صحيح مسلم، كتاب الزكاة / باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة ۳۲۷/۱ رقم: ۱۰۱۷)

وفـي شرح النووي قوله: فصلى ثم خطب: فيه استحباب جمع الناس للأمور الـمهـمة ووعظهم وحثهم على مصالحهم وتحذيرهم من القبائح. (حاشية صحيح مسلم ۳۲۷/۱ نسخة هندية، المنهاج في شرح صحيح مسلم ص: ۱۴۶ بيت الأفكار الدولية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۴/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فیکٹری کے اندر لاک ڈاؤن کی وجہ سے تعدد جماعت کا حکم

سوال (۳۱۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موجودہ حالات میں لاک ڈاؤن اور حکومت کی طرف سے مساجد میں نماز پڑھنے کی عام اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ہم لوگ جس فیکٹری میں کام کرتے ہیں، اسی میں نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

اَب سوال یہ ہے کہ اسی کارخانے میں ایک ہی وقت میں دو الگ الگ جماعت کریں یا کچھ لوگ کارخانے میں جماعت کریں اور کچھ لوگوں کو مسجد میں بھیج دیا جائے، تو ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟ باحوالہ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- فیکٹری میں اگر باقاعدہ مسجد شرعی بنی ہوئی ہے تو اُس میں بیک وقت یا وقفہ وقفہ سے متعدد جماعتیں کرنا مکروہ ہے اور اگر مسجد شرعی نہیں ہے؛ بلکہ جماعت خانہ بنا رکھا ہے، تو اس میں حسبِ سہولت متعدد جماعتیں کی جاسکتی ہیں؛ تاہم وہاں بھی ایک جماعت بہتر ہے؛ تاکہ اَفراد کی کثرت کا ثواب حاصل ہو۔

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢٨٨/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ظہر قضا ہونے کے بعد صاحب ترتیب عصر کی جماعت کے وقت مسجد پہنچا

سوال (۳۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص صاحب ترتیب ہے، اس کی ظہر کی نماز چھوٹ گئی اب وہ عصر میں مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ عصر کی جماعت بالکل تیار تھی، تو اب یہ صاحب ترتیب شخص جماعت میں شریک ہو کر عصر پڑھے یا پہلے ظہر؟ اور اگر ظہر ادا کرنے کا حکم ہے تو وہ کہاں ادا کرے مسجد میں یا گھر میں؟ صحیح جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ صاحب ترتیب شخص کے لئے یہ لازم ہے

کہ وہ سر دست عصر کی جماعت میں شامل نہ ہو؛ بلکہ اَولاً ظہر کی نماز اَدا کرے، اُس کے بعد عصر کی نماز پڑھے۔ اَب رہا یہ سوال کہ وہ قضا شدہ ظہر مسجد میں پڑھے یا گھر میں؟ تو اِس بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر مسجد کے جماعت خانہ سے ہٹ کر کوئی الگ جگہ نہ ہو تو بہتر ہے کہ مسجد کے علاوہ گھر وغیرہ میں نماز اَدا کرے۔

لو تذكر في قت العصر أنه لم يصل الظهر وهو متمكن من أداء الظهر قبل تغير الشمس إلا أن عصره أو بعض عصره يقع بعد التغيير عندنا يلزمه الترتيب ولا يجوز أداء العصر قبل قضاء الظهر. (الفتاویٰ التاتارخانية / الفصل العشرون في قضاء الفائتة ٢/٤٤٥ رقم: ٢٩٢٤ زكريا)

وينبغي أن لا يطلع غيره على قضاءه؛ لأن التاخير معصية فلا يظهرها (الدر المختار) تقدم في باب الأذان أنه يكره قضاء الفائتة في المسجد، وعلله الشارح بما هنا من أن التاخير معصية فلا يظهرها، ظاهره أن الممنوع هو القضاء مع الاطلاع عليه، سواء كان في المسجد أو غيره. (رد المحتار، كتاب الصلاة / قبيل: باب سجود السهو ٢/٥٣٩ زكريا)

فإن لم يكن على باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجد خلف سارية من سواري المسجد و أشدها كراهة أن يصليها مخالطا للصف مخالفًا للجماعة ...... لكن فيما إذا كان للمسجد موضعان والإمام في أحدهما ذكر في المحيط أنه قيل لا يكره. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب إدراك الفريضة / مطلب: هل الإسائة دون الكراهة أو أفحش ٢/٥١١ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الحادي عشر في التطوع قبل الفرض و بحده الخ ٢/٣٠٤ رقم: ٢٥٠٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۴۸ / سال کی عمر میں گذشتہ قضاء نمازوں کا خیال آیا تو کیا کرے؟

سوال (۳۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کو تنبہ ہوا اور سات آٹھ سال سے نماز کی پابندی کررہا ہے، اس کی عمر تقریباً اڑتالیس سال ہے، اس لحاظ سے کافی نمازیں قضا ہیں، تو اب ان کی قضا کی کیا شکل ہوگی؟ اگر وہ نمازوں کا فدیہ ادا کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو کتنا ادا کرنا ہے؟ نیز قضا نمازوں کا حساب کس طرح لگایا جائے اور کب سے لگایا جائے، بالغ کتنی عمر سے مانا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- زندگی میں قضا شدہ نمازوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کا حکم نہیں ہے، بلکہ بہر حال قضا شدہ نمازوں کی ادائیگی لازم ہے، بریں بنا مسئولہ صورت میں زید کو چاہئے کہ پندرہ سال کی عمر کے بعد سے جب تک نمازیں نہیں پڑھی ہیں، حساب لگا کر ان نمازوں کی قضا کرنے کا اہتمام کرے اور اگر تاریخ وار ادا کرنے میں دشواری ہو تو ہر قضاء نماز پڑھتے وقت اس طرح نیت کرے کہ مثلاً قضاء شدہ ظہر میں سب سے پہلی یا سب سے آخری ظہر پڑھ رہا ہوں، تاہم اگر زندگی میں سب نمازیں نہ پڑھ سکے اور موت کا وقت آجائے، تو زید وصیت کرکے جائے کہ اس کے متروکہ مال میں سے حساب لگا کر مابقیہ نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے، اس کی اس وصیت کا نفاذ اصلاً تہائی مال میں ہوگا، البتہ اگر بالغ سمجھ دار وارثین زائد میں سے بھی فدیہ ادا کرنے پر راضی ہوں تو اس کی بھی گنجائش ہوگی۔

وفي القنية: ولا فدية في الصلاة حالة الحياة بخلاف الصوم. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۵۳۵/۲ زكريا)

قال الحنفية: من عليه فوائت كثيرة لا يدري عددها يجب عليه أن يقضي حتى يغلب على ظنه براءة ذمته وعليه أن يعين الزمن فينوي أول ظهر عليه أدرك وقته ولم يصله أو ينوي آخر ظهر عليه أدرك وقته ولم يصله

وذلک تسهيل عليه. (موسوعة الفقه الإسلامي والقضايا المعاصرة للزحيلي، الصلاة / قضاء الفوائت: خامسًا القضاء إن جهل عدد الفوائت ١٣٦/٢ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وبلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال ...... فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتىٰ. (تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الحجر / فصل بلوغ الغلام بالاحتلام ٢٢٥/٩)

إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصىٰ بأن تعطىٰ كفارة صلواته يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / قبيل الباب الثاني عشرفي سجود السهو ١٢٥/١ زكريا قديم)

ولا تجوز بما زاد على الثلث لقول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في حديث سعد بن أبي وقاص الثلث كثير – إلىٰ قولهٖ – إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار. (الهداية، كتاب الوصايا / باب في صفة الوصية ٦٥٤/٤-٦٥٥ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۸/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسبوق اور لاحق کے مسائل

لاحق و مسبوق کی نماز کی ترتیب

سوال (۳۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ۴؍رکعت والی نماز میں ایک رکعت کے بعد اِمام کے ساتھ شریک ہوا، اور شریک ہونے کے بعد ۲؍رکعت تک سوتا رہا، جب امام کی چوتھی رکعت ہوئی تو وہ بیدار ہوا، اب وہ اپنی نماز کس طرح پوری کرے گا؟ عام کتب فقہ میں - جس میں فتاویٰ شامی بھی داخل ہے - اس لاحق مسبوق کی نماز کی ترتیب اِس طرح بیان کی گئی ہے کہ وہ اولاً اپنی امام کے ساتھ چھوٹی ہوئی رکعتوں میں سے ہر رکعت میں قعدہ کرے گا، جب کہ بہشتی زیور میں اِس مسئلہ کو اِس طرح بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ لاحق مسبوق شخص اَولاً ایک رکعت قعدہ کے ساتھ پھر ۲؍رکعت ایک ساتھ پڑھ کر دوسری پر قعدہ کرے گا، اوراس کے بعد ایک رکعت بطور مسبوق پڑھے گا۔

مفتی صاحب سے اَدباً گذارش ہے کہ جزئیات واصول کی روشنی میں صحیح اور راجح مسئلہ کی طرف رہنمائی فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - زیر بحث مسئلہ میں بہشتی زیور میں لکھا گیا مسئلہ اُصول کے اعتبار سے زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے؛ اِس لئے کہ لاحق حکماً مقتدی کے درجہ میں ہے اور مقتدی کو امام کی متابعت لازم ہوتی ہے۔ بریں بنا جب وہ بطور لاحق اپنی چھوٹی ہوئی رکعات پڑھے گا تو پہلی رکعت کے بعد قعدہ کرے گا؛ کیوں کہ وہ امام کی دوسری رکعت ہے اور اپنی

دوسری رکعت میں قعدہ نہیں کرے گا؛ کیوں کہ وہ امام کی تیسری رکعت ہے، جس میں قعدہ نہیں ہوتا، پھر تیسری رکعت میں حسبِ ضابطہ قعدہ ہوگا؛ اِس لئے کہ یہ امام کی چوتھی رکعت ہے۔ حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ نے ''اِمداد الفتاویٰ'' میں اسی طرح کے ایک مسئلہ کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں بعض ثقہ ذرائع سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شرح منیہ کے اصل نسخہ میں عبارت اس طرح ہے:

ثم يصلی الأخرىٰ مما نام فيه و...... لا يقعد لأنه ثالثته. (إمداد الفتاویٰ جدید محشی، کتاب الصلاة / باب أحكام اللاحق والمسبوق ٤٠٧/٢ زكريا)

گہرائی سے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا نے جس نسخہ کا تذکرہ فرمایا ہے، سیاق وسباق کے اعتبار سے وہی صحیح ہونا چاہئے، اس لئے کہ مطبوعہ نسخہ میں پہلے **''لأنها ثانية''** اوراس کے بعد **''لأنها رابعة''** کے الفاظ ہیں اور **''ثالثة''** کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، جب کہ اگر حضرت والا کے ذکرکردہ نسخہ کے اعتبار سے **''ثانية''** کے بجائے **''ثالثة''** پڑھا جائے اور **''يقعد''** کے بجائے **''لا يقعد''** پڑھا جائے، تو عبارت پوری طرح درست ہوجاتی ہے، مطبوعہ نسخہ کی محولہ بالا عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

سبق بركعة من ذوات الأربع و نام في ركعتين يصلي أولا ما نام فيه ثم ما أدركه مع الإمام ثم ما سبق به فيصلي ركعة مما نام فيه مع الإمام ويقعد متابعة له؛ لأنها ثانية إمامه ثم يصلي الأخرىٰ مما نام فيه ويقعد؛ لأنها ثانية، ثم يصلي التي انتبه فيها ويقعد متابعة لإمامه لأنها رابعة. كل ذلک بغير قراءة؛ لأنه مقتد، ثم يصلي الركعة التي سبق بها بقراءة الفاتحة والسورة ويقعد لما مرَّ، والأصل أن اللاحق يصلي على ترتيب صلاة إمامه. (غنية المتملي شرح منية المصلي المعروف بـ: حلبي كبير ص: ٤٧٠ سهيل اكيڈمی لاهور)

اور ''خلاصۃ الفتاویٰ'' اور ''عالمگیریہ'' کی ایک عبارت سے بھی فی الجملہ بہشتی زیور کے مسئلہ

کی تائید ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

رجل سبق بركعة في صلاة هي من ذوات الأربع ونام خلف الإمام في الثلاث الباقية ثم انتبه يأتي بما عليه في حال نومه ولا يقرأ فيها ثم يقعد متابعة للإمام ثم يقوم ويصلي ركعة بقراءة ويقعد ويتم صلاته. (الفتاویٰ الهندية / قبيل الباب السادس في الحدث في الصلاة ۹۳/۱ قديم زكريا)

المسبوق يخالف اللاحق في القضاء في ستة أشياء. (خلاصة الفتاویٰ ۱۶۸/۱)

اورعلامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح منیہ اور شرح مجمع کے حوالہ سے وہی عبارت نقل فرمائی ہے جو اُوپر گذری، اوراس میں اگراس نسخہ کا اعتبار کیا جائے، جس کا ذکر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے فرمایا ہے تو بات واضح ہوجاتی ہے۔ (ملاحظہ کیجئے: فتاویٰ شامی، کتاب الصلوٰۃ/ باب الامامۃ ۳۴۶/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام کے ساتھ ایک رکعت ملی تو مسبوق کیسے نماز پوری کرے؟

سوال (۳۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فرض نماز کی چار رکعتوں میں سے امام صاحب کے ساتھ آخر کی ایک رکعت ملی، اب مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی تینوں رکعتوں کو کس طرح اَدا کرے گا؟ اِسی طرح مغرب کی دو رکعت نماز نکلنے کے بعد مسبوق اپنی دونوں رکعتوں کو کس طرح سے ادا کرے گا؟ مدلل اور تشفی بخش جواب دے کر ممنون فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر فرض کی چار رکعات میں سے صرف ایک رکعت ملی تو مسبوق جب اپنی نماز پوری کرے گا تو اپنی پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت ملائے گا،

اُس کے بعد قعدہ کرے گا، پھر قعدہ کے بعد والی رکعت میں فاتحہ اور سورت ملائے گا اور آخری رکعت میں سورت نہیں ملائے گا، صرف سورۂ فاتحہ پڑھے گا اور ان کے درمیان قعدہ بھی نہ ہوگا اور مغرب کی نماز میں اگر امام کے ساتھ صرف ایک رکعت ملی تو اس کی ادائیگی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ مسبوق اپنی پہلی رکعت پڑھ کر قعدہ کرے اور دونوں رکعتوں میں فاتحہ اور سورت ملانا واجب ہے۔

ولو أدرک مع الإمام رکعة من المغرب فإنه یقرأ في الرکعتین الفاتحة والسورة ویقعد في أولاهما؛ لأنها ثانیة ولو لم یقعد جاز استحسانًا ...... ولو أدرک رکعة من الرباعیة فعلیه أن یقضي رکعة ویقرأ فیها الفاتحة والسورة ویقعد لأنه یقضي آخر صلاته في حق القعدة وحینئذ فهي ثانیة ویقضي رکعة یقرأ فیها کذلک ولایقعد وفي الثالثة یتخیر والقراء ة أفضل. (حلبي کبیر / فصل في سجود السهو، مطلب: في احکام آخر للمسبوق ۴۱۷/۳ مکتبة دار العلوم دیوبند، ص: ۴۶۸-۴۶۹ سهیل اکیڈمي لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۲/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مسبوق نے چھوٹی ہوئی ۳؍ رکعتوں میں سے ۲؍ رکعت پڑھ کر قعدہ کیا

سوال (۳۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کی عشاء کی تین رکعت چھوٹ گئی اور جب اُس نے ان رکعتوں کو اَدا کیا تو ترتیب اِس طرح رکھی کہ اَولاً ایک ساتھ دو رکعت پڑھی، پھر تشہد کے بعد ایک رکعت پڑھی، تو اُس کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں بہتر تو یہی ہے کہ وہ مسبوق

اپنی ایک رکعت پڑھنے کے بعد قعدہ کرتا؛ تاکہ راجح ترتیب برقرار رہتی؛ تاہم دوسری رکعت کے بعد قعدہ کرنے سے بھی اُس کی نماز استحساناً درست ہوگئی، اور اُس پر اِعادہ اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، اور یہ سمجھا جائے گا کہ اَولاً اُس نے ابتدائی دو رکعت کی قضا کی ہے، اور بعد میں آخری رکعت کی قضا کی ہے۔

قال في شرح المنية: ولو لم يقعد جاز استحسانًا لا قياسًا ولم يلزمه سجود السهو لكون الركعة أولى من وجه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳٤۷/۲، غنية المتملي شرح منية المصلي، كتاب الصلاة / باب الإمامة ص: ٤٦۹ سهيل اكيڈمی لاهور)

وقال الرافعي: قوله لو لم يقعد جاز الخ، المراد بالجواز الصحة بلا إثم نظرا لكون الركعة التي صلاها أولىٰ من وجه. (تقريرات رافعي على رد المحتار ۷۷/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مدرک شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنے کو مسبوق سمجھ کر کھڑا ہوگیا

سوال (۳۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں امام کے پیچھے مدرک، امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنے آپ کو مسبوق سمجھ کر کھڑا ہوگیا:

(۱) کبھی بغیر سلام پھیرے کھڑا ہوگیا اور کھڑے ہوکر یاد آیا کہ میں مدرک ہوں؟

(۲) کبھی ایک طرف سلام پھیر کر کھڑا ہوگیا پھر یاد آیا کہ میں مدرک ہوں؟

(۳) کبھی دونوں طرف سلام پھیر لیا پھر دوسروں کو کھڑا ہوتے دیکھا تو اپنے آپ کو بھی مسبوق سمجھ کر کھڑا ہوگیا پھر کھڑے ہوکر یاد آیا کہ میں مدرک ہوں؟

ان تینوں شکلوں میں مدرک کی نماز کی تکمیل کا کیا طریقہ ہے؟ کیا کسی شکل میں سجدہ سہو بھی آئے گا، کیا اگر کھڑے ہوکر یاد آنے پر کھڑے کھڑے سلام پھیر دیا نماز ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں مدرک شخص نے اگر ایک طرف یا دونوں طرف سلام پھیر دیا ہے، اُس کے بعد کھڑا ہوا ہے تو اس کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئی؛ کیوں کہ سلام پھیرنے سے اس کی نماز مکمل ہوچکی ہے۔ اور اگر وہ سلام پھیرے بغیر کھڑا ہوگیا ہے تو اُسے چاہئے کہ واپس قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور پھر سجدۂ سہو کرکے نماز پوری کرے؛ لیکن اگر وہ قعدہ کی طرف نہیں لوٹا اور کھڑے کھڑے ہی سلام پھیر دیا، تو ترکِ سنت کے نقص کے ساتھ اُس کی نماز درست ہوجائے گی اور اِعادہ لازم نہ ہوگا۔

وإن قعد في الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد و سلم ولو سلم قائما صح وسجد للسهو في الصورتين لنقصان فرضه بتأخير السلام في الأولىٰ وتركه في الثانية (الدر المختار) وفي الشامي: (قوله عاد و سلم) أي عاد للجلوس، لما مر أن ما دون الركعة محل للرفض، وفيه إشارة إلى أنه لايعيد التشهد، وبه صرح في البحر، قال في الإمداد: والعود للتسليم جالساً سنة، لأن السنة التسليم جالساً والتسليم حالة القيام غير مشروع في الصلاة المطلقة بلا عذر؛ فيأتي به على الوجه المشروع؛ فلو سلم قائما لم تفسد صلاته وكان تاركا للسنة. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهور ۵۵۳/۲-۵۵٤ زكريا)

وإن قعد الجلوس الأخير قدر التشهد ثم قام ولو عمدًا وقرأ وركع عاد للجلوس؛ لأن ما دون الركعة بمحل الرفض وسلم فلو سلّم قائمًا صح وترك السنة؛ لأن السنة التسليم جالسا من غير إعادة التشهد لعدم بطلانه بالقيام. وقال الناطفي: يعيده (مراقي الفلاح) قوله (أن السنة التسليم جالسًا) أي في الصلاة

المطلقة من غير عذر ...... **وسجد للسهو لتاخير السلام (قوله وسجد للسهو) راجع للمسألتين، أما الأولىٰ وهي ما إذا عاد و سلم قبل أن يسجد الخ.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب سجود السهو: ٤٧٠ مكتبه فيصل)

ولو سهى بعد ما سلم تسليمة واحدة لم يجب عليه السهو؛ لأنه سهى بعد الخروج من الصلاة. (الفتاوىٰ الولوالجية، كتاب الطهارة / قبيل الفصل العاشر ١٠٤/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قعدۂ اخیرہ میں سوجانے والا مقتدی سلام کب پھیرے؟

سوال (۳۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں سوجائے اور امام صاحب تشہد وغیرہ سے فارغ ہوکر سلام پھیر دے، تو آیا اس صورت میں مذکورہ مقتدی شخص امام کے ساتھ سلام پھیرے گا (**متابعًا للإمام**) یا تشہد (جو کہ اس پر واجب ہے) پڑھ کر سلام پھیرے گا؟ با حوالہ جواب دے کر اِرسال کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں جو مقتدی قعدۂ اَخیرہ میں سوتا رہ گیا اور اُس نے تشہد نہیں پڑھا، وہ لاحق کے درجے میں ہے؛ لہٰذا اُسے چاہئے کہ وہ اِمام کے ساتھ سلام نہ پھیرے؛ بلکہ اپنا تشہد پڑھنے کے بعد ہی سلام پھیرے۔

ويبدأ بقضاء ما فاته عكس المسبوق، ثم يتابع إمامه إن أمكنه إدراكه، وإلا تابعه (الدر المختار) قوله: إن أمكنه إدراكه ففي شرح المنية: وحكمه أنه يقضي ما فاته أولاً، ثم يتابع الإمام إن لم يكن قد فرغ ...... **وهذا واجب لا**

شرط، حتی لو عکس یصح. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب الإمامة ۳٤٥/۲ زکریا، الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاۃ / الباب الخامس في الإمامة ۹۲/۱، بدائع الصنائع ٥٦۳/۱)

المستفاد: بخلاف سلامه أو قیامه لثالثة قبل تمام المؤتم التشهد؛ فإنه لا یتابعه بل یتمه لوجوبه، ولو لم یتم جاز (الدر المختار) قوله: لوجوبه أي لوجوب التشهد کما في الخانیة وغیرها، ومقتضاه سقوط وجوب المتابعة، کما سنذکره، وإلا لم ینتج المطلوب فافهم، قوله: ولو لم یتم جاز أي صح مع کراهة التحریم، کما أفاده ح، وهو مفاد ما في شرح المنیة حیث قال: والحاصل أن متابعة الإمام في الفرائض والواجبات من غیر تأخیر واجبة، فإن عارضها واجب لا ینبغي أن یفوته؛ بل یأتي به ثم یتابعه؛ لأنه الإتیان به لا یفوت المتابعة بالکلیة وإنما یؤخرها، والمتابعة مع قطعه تفوته بالکلیة، فکان تأخیر أحد الواجبین مع الإتیان بهما أولی من ترک أحدهما بالکلیة، بخلاف ما إذا عرضتها سنة لأن ترک السنة أولیٰ من تأخیر الواجب أھ. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب صفة الصلاۃ ۱۹۹/۲-۲۰۰ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسبوق نے امام کے ساتھ سجدۂ سہو کا سلام پھیر دیا

سوال (۳۲٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید جماعت میں شریک ہوا جب کہ ایک رکعت ہوچکی تھی گویا کہ وہ مسبوق ہے، امام کو سجدۂ سہو کی ضرورت پیش آئی جب امام نے سجدۂ سہو کے لئے سلام پھیرا تو اس مسبوق شخص نے سہواً سلام پھیر دیا ایسی صورت میں اُس مسبوق پر کیا الگ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ یا اِمام کے ساتھ والا سجدۂ سہو ہی کافی ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسبوق کو سجدۂ سہو کے سلام میں امام کی اقتداء نہیں کرنی چاہئے بلکہ بغیر سلام پھیرے امام کے ساتھ سجدۂ سہو کر لینا چاہئے؛ تاہم اگر اس نے سہواً سلام پھیر دیا تو نہ تو اس کی نماز فاسد ہوگی اور نہ الگ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا؛ اس لئے کہ ابھی وہ حالت اقتداء میں ہے اور مقتدی کے سہو سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

ثم المسبوق إنما يتابع الإمام في السهو دون السلام بل ينتظر الإمام حتى يسلم فيسجد فيتابعه في سجود السهو لا في سلامه وإن سلم فإن كان عامدا تفسد صلاته وإن كان ساهيا لاتفسد ولاسهو عليه لأنه مقتد وسهو المقتدي باطل فإذا سجد الإمام للسهو يتابعه في السجود ويتابعه في التشهد.

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في بيان من يجب عليه سجود السهو ومن لا يجب ٤٢٢/١ زكريا، ١٧٦/١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقتدی نے اِمام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنا سجدۂ سہو کرلیا

سوال (۳۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مقتدی نے کوئی موجب سجدۂ سہو عمل کرلیا پھر جب امام نے سلام پھیرا تو اس مقتدی نے ایک سلام پھیرنے کے بعد اپنا سجدۂ سہو کیا، اس کے بعد التحیات پڑھ کر دونوں سلام پھیرا تو اس مقتدی کی نماز درست ہوئی یا واجب الاعادہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اس مقتدی پر درحقیقت سجدۂ سہو واجب نہ تھا؛ کیوں کہ دورانِ اقتدا کسی موجب سہو غلطی کی وجہ سے مقتدی پر سجدۂ سہو واجب

نہیں ہوتا ہے؛ لیکن چوں کہ اُس نے اِمام کے ساتھ سلام پھیرلیا ہے اوراس کے بعد سجدۂ سہو کیا ہے تو سلام پھیرتے ہی وہ نماز سے خارج سمجھا جائے گا اور بعد میں سجدۂ سہو کرنے سے اس کی نماز پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۷/۴۵۴ ڈابھیل)

وإنما لم يلزم المأموم سهو نفسه؛ لأنه لو سجد وحده كان مخالفا لإمامه إن سجد قبل السلام، وإن أخره إلى ما بعد سلام الإمام يخرج من الصلاة بسلام الإمام؛ لأنه سلام عمد ممن لا سهو عليه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۱۷۷/۲ دار الكتاب ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسبوق اپنی نماز میں سورت ملانا بھول گیا

سوال (۳۲۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ظہر کی نماز میں مسبوق کی ایک رکعت چھوٹ گئی، اَب جب اُس نے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رکعت پڑھی تو سورت ملانا بھول گیا تو اُس کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں اس مسبوق پر ترک واجب سے سجدۂ سہو واجب ہے، اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی اور وقت کے اندر اندر اِعادہ کی تاکید زیادہ ہے۔

والمسبوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها وهو منفرد حتى يثني ويتعوذ ويقرأ ...... فيما يقضيه (الدر المختار) وفي الشامي: قوله: حتى يثني تفريع على قوله منفرد فيما يقضيه بعد فراغ إمامه فيأتي بالثناء والتعوذ؛ لأنه للقراءة ويقرأ؛ لأنه يقضي أول صلاته في حق القراءة ...... حتى لو ترك القراءة

فسدت. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٣٤٦/٢-٣٤٧ زكريا)

لها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا ...... وهي قراءة فاتحة الكتاب ...... وضم أقصر سورة كالكوثر. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٤٦/٢-١٤٩ زكريا)

ولو قرأ الفاتحة وحدها وترك السورة يجب عليه سجود السهو.

(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ١٢٦/١ دار إحياء التراث العربي بيروت، ١٨٦/١ مكتبة الاتحاد ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۶/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

○❖○

سنن ونوافل

سنت فجر کی تاکید کس حدیث سے ثابت ہے؟

سوال (۳۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں برصغیر میں نماز فجر میں ماشاء اللہ دو رکعت سنت مؤکدہ کا خاص اہتمام ہوتا ہے: یہاں تک کہ اگر امام کے ساتھ اگر سلام بھی مل جائے تو دو رکعت نماز پڑھ کر امام کے ساتھ تشہد میں شریک ہو جاتے ہیں، تو اس طرح کا اہتمام حدیث میں یا کسی نص میں ثابت ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- متعدد اَحادیثِ شریفہ میں فجر کی سنتوں کی بہت تاکید وارد ہے، اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوافل (وسنن) میں سب سے زیادہ فجر کی سنتوں کا اہتمام فرماتے تھے، اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً فقیہ الامت حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ انہوں نے فجر کی اقامت اور نماز کے شروع ہونے کے باوجود مسجد کے کسی گوشے میں فجر کی سنتیں ادا فرمائیں ہیں، مذکورہ آثارِ صحابہ کی بنا پر حضرات حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ اگر مسجد میں جماعت کی جگہ سے ہٹ کر سنت پڑھنے کا انتظام ہو تو اگر امام کے ساتھ تشہد ملنے کا بھی امکان ہو تو سنت کو ترک نہیں کیا جائے گا، بلکہ اولاً سنت پڑھ کر جماعت میں شامل ہوں گے، تاکہ دونوں فضیلتیں حاصل ہو سکیں؛ البتہ اگر جماعت سے ہٹ کر الگ سے کوئی جگہ نہ ہو یا بالکلیہ جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو، تو ایسی

صورت میں سنت نہیں پڑھی جائے گی؛ بلکہ اَولاً جماعت میں شامل ہوکر فرض نماز اَدا کریں گے، پھر اشراق کے وقت سنت پڑھیں گے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم على شيء من النوافل أشد منه تعاهدا على ركعتي الفجر. (صحيح البخاري، كتاب التهجد / باب تعاهد ركعتي الفجر ١٥٦/١ رقم: ١١٦٩)

عن عبد اللّٰه بن أبي موسىٰ قال: جاء نا ابن مسعود والإمام يصلي الصبح فصلى ركعتين إلى سارية ولم يكن صلى ركعتي الفجر، رواه الطبراني ورجاله موثقون. (مجمع الزوائد، كتاب الصلاة / باب إذا أقيمت الصلاة هل يصلى غيرها ٧٥/٢ رقم: ٢٣٩٢ مكتبة القاهرة، إعلاء السنن / باب جواز سنة الفجر عند شروع الإمام في الفريضة ١٠١/٧-١٠٨ دار الكتب العلمية بيروت)

وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل و إلا بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب، وقيل التشهد الخ، لايتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانا وإلا تركها (الدر المختار) وقد اتفقوا على إدراكه بإدراك التشهد فيأتي بالسنة اتفاقًا كما أوضحه في الشرنبلالية أيضًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / بحثًا باب إدراك الفريضة ٥١٠/٢-٥١١ زكريا)

وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضي قبل طلوع الشمس بالإجماع، وأما بعد طلوع الشمس فكذلك عندهما وقال محمد: أحب إلي أن يقضيها قبل الزوال. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب إدراك الفريضة ٥١٢/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۳/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

فجر کی سنتوں کے بعد مسجد میں تحیۃ المسجد پڑھنا

سوال (۳۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص گھر سے فجر کی سنتیں پڑھ کر جاتا ہے، اَب مسجد میں جانے کے بعد وہ تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ صحیح مسئلہ کیا ہے؟ اس کو پڑھنا چاہئے یا جماعت کے انتظار میں جا کر بیٹھ جانا چاہئے؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - فجر کی سنت پڑھنے کے بعد جب مسجد جائیں تو تحیۃ المسجد نہیں پڑھی جائے گی؛ اِس لئے کہ فجر کے وقت میں سنت کے علاوہ کوئی نفل پڑھنا مکروہ ہے، بس اِس وقت مسجد پہنچ کر ذکر واَذکار اور درود شریف پڑھنے میں مشغول رہنا چاہئے۔

إلا إذا دخل فیہ بعد الفجر أو العصر؛ فإنہ یسبح ویھلل ویصلي علی النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم فإنہ حینئذ یؤدي حق المسجد. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب الوتر والنوافل، مطلب: في تحیۃ المسجد ۲/۴۵۸ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۲/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

فجر کی قضا سنت میں نفل کی نیت ہوگی یا سنت کی؟

سوال (۳۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فجر کی سنتیں جو اشراق کے وقت قضا کی جائیں ان میں سنت کی نیت ہوگی یا نفل کی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اِس بارے میں اَئمہ کا اختلاف ہے، حضرت اِمام محمدؒ کے نزدیک یہ نماز سنت ہوگی؛ جب کہ شیخین یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور اِمام ابو یوسفؒ کے

نزدیک یہ نماز نفل ہوگی، بریں بنا بہتر یہ ہے کہ سنت کی نیت کی جائے۔

وقال محمد رحمه الله تعالىٰ أحب إلى أن يقضيها إلى الزوال كما في الدرر، قيل هذا قريب من الاتفاق؛ لأن قوله أحب إلي دليل على أنه لو لم يفعل لا لوم عليه. وقالا: لا يقضي، وإن قضى فلا بأس به كذا في الخبازية. ومنهم من حقق الخلاف وقال: الخلاف في أنه لو قضٰى كان نفلا مبتدأ أو سنة، كذا في العناية: يعني نفلا عندهما سنة عنده كما ذكره في الكافي. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب إدراك الفريضة ۱۲/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعوتی عمل اور مشورہ کی وجہ سے سنت مؤکدہ اور وتر کو مؤخر کرنا

سوال (۳۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تبلیغی جماعت کے ایک ساتھی کو دیکھا اُن کی عشاء کی جماعت چھوٹ گئی تھی، تو وہ ۴؍رکعت فرض انفرادی پڑھنے کے بعد دعوت وتعلیم اور استقبال کے کام میں لگ گئے، اُس کے بعد مشورہ میں شامل ہوگئے، میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ سنت اور وتر بھی پڑھ لیتے بعد میں مشورہ میں شامل ہوجاتے، تو اُنہوں نے کہا کہ بھائی اجتماعی عمل میں ثواب زیادہ ہے، وتر وسنت بعد میں پڑھ لوں گا، ابھی اس مشورہ میں حصہ لینا اور دعوت، تعلیم اور استقبال کے ساتھ کام کرنا زیادہ اہم ہے۔ تو مفتی صاحب آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایسا کرکے نماز کو پیچھے چھوڑ کر مشورہ کے کام کو زیادہ اہمیت اور ترجیح دینا درست ہے؟ اور اس میں ثواب زیادہ ہے، بندہ کی اصلاح فرمادیجئے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں عشاء کے بعد ۲؍رکعت سنت

مؤکدہ اَدا کرنے کے بعد مشورہ میں شریک ہونا چاہئے؛ البتہ وتر میں تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور دعوتی عمل اگرچہ اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے سنت مؤکدہ کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

ویکره تاخير السنة إلا بقدر اللّٰهم أنت السلام، قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال (الدر المختار) لما رواه مسلم والترمذي عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا يقعد إلا مقدار ما يقول: اللّٰهم أنت السلام الخ، وأما ما ورد من الأحاديث في الأذكار عقيب الصلاة فلا دلالة فيه على الإتيان بها قبل السنة؛ بل يحمل على الاتيان بها بعدها؛ لأن السنة من لواحق الفريضة وتوابعها ومكملاتها فلم يكن أجنبية عنها ...... حتى إذا صلى بعد الأوراد تقع سنة لا على وجه السنة، ولذا قالوا: لو تكلم بعد الفرض لا تسقط؛ لكن ثوابها أقل ...... حتى لو صلاها بعد الأوراد تقع سنة مؤداة؛ لكن لا في وقتها المسنون. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢/ ٢٤٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۷/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وتر کے بعد دو رکعت نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہوکر؟

سوال (۳۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وتر کے بعد دو رکعت نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہوکر؟ وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا صحیح اَحادیث سے ثابت ہے؛ لیکن نفل نماز کے عام اُصول کے مطابق اُمت

کے جو افراد قیام پر قادر ہوں، اُن کے لئے اِن دو رکعتوں کو کھڑے ہوکر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔ اور پیغمبر علیہ السلام کا اِن نفلوں کو بیٹھ کر پڑھنا یا تو ضعف کی وجہ سے تھا، یا اِس وجہ سے تھا کہ بطور خصوصیت آپ کے حق میں بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب بھی کھڑے ہوکر پڑھنے کے برابر تھا۔ بریں بنا بہتر یہی ہے کہ اِن نوافل کو کھڑے ہوکر پڑھا جائے۔ (مستفاد: اِمداد الفتاویٰ ۲/۳۱۱-۳۱۲ جدید زکریا)

عن أبي سلمة قال: سألت عائشة رضي اللّٰه عنها عن صلاة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقالت: كان يصلي ثلاث عشرة ركعة يصلي ثمان ركعات، ثم يوتر ثم يصلي ركعتين وهو جالس، فإذا أراد أن يركع قام فركع.

(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين / باب صلاة الليل الخ رقم: ۷۳۸)

عن عبد اللّٰه بن شقيق رضي اللّٰه عنه قال: قلت لعائشة: هل كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يصلي وهو قاعد؟ قالت: نعم بعد ما حطمه الناس.

(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها / باب جواز النافلة قائمًا وقاعدًا رقم: ۷۳۲)

وفي رواية عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنهما: قلت: حدثت يا رسول اللّٰه إنك قلت: صلاة الرجل قاعدًا على نصف الصلاة وأنت تصلي قاعدًا؟ قال: أجل! ولكني لست كأحد منكم. (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها / باب جواز النافلة قائمًا وقاعدًا رقم: ۷۳۵)

قال النووي: وأما قوله صلى اللّٰه عليه وسلم: لست كأحدٍ منكم فهو عند أصحابنا من خصائص النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فجعلت نافلته قاعدًا مع القدرة على القيام كنافلته قائمًا تشريفًا له. (حاشية النووي على صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين / باب جواز النافلة قاعدًا وقائمًا الخ ۱۵/۶ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

رکوع اورسجدہ میں ماثور دعائیں پڑھنا

سوال (۳۳۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر بندہ نماز میں ہے تو رکوع اور سجدے میں تسبیح کے ساتھ کوئی اور دعا مانگ سکتا ہے یا نہیں؟ نماز چاہے فرض ہو یا واجب یا سنت ونفل وغیرہ۔ قرآن واَحادیث شریفہ کی روشنی میں جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگرکوئی آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو، تو ہرطرح کی نماز میں رکوع اورسجدہ میں تسبیحاتِ مسنونہ کے بعد قرآن وحدیث میں وارد دعائیں پڑھ سکتا ہے (غیر وارد دعائیں نہ پڑھے) اوراگر اِمام ہواوردعائیں پڑھنے میں مقتدیوں کی ناگواری کا اندیشہ ہوتو اُنہیں نہ پڑھے؛ بلکہ صرف تسبیحات پراکتفاء کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶۱۴/۵-۶۱۶ ڈابھیل)

عن مطرف بن عبد اللّٰه بن الشخير أن عائشة رضي اللّٰه عنها نبأته أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقول في ركوعه وسجوده: "سبوح قدوس رب الملائكة والروح". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب ما يقال في الركوع والسجود ۱/۱۹۲ رقم: ٤٨٧)

وفي البخاري: سبحنک اللّٰهم ربنا وبحمدک، اللّٰهم اغفرلي. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب الدعاء في الركوع ۱/۱۱۳ رقم: ٧٩٤)

قال العلامة الحصكفي: وكذا لا يأتي في ركوعه وسجوده بغير التسبيح على المذهب وما ورد محمول على النفل (الدر المختار) وقال: على أنه إن ثبت في المكتوبة فليكن في حالة الانفراد أو الجماعة والمأمومون محصورون لا يتثقلون بذلک كما نص عليه الشافعية. ولا ضرر في التزامه وإن لم يصرح به مشايخنا؛ فإن القواعد الشرعية لا تنبو عنه، كيف والصلاة

والتسبيح والتكبير والقراءة كما ثبت في السنة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/۲۱۳ زكريا، ۱/۵۰٦ كراچى) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۳/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

تراویح میں اتنی جلدی قرآن کریم پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آئیں

سوال (۳۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآنِ کریم کو تراویح کی نماز میں اتنی تیز پڑھنا کہ سننے والوں کو ''یــعــلــمــون'' اور ''تــعــلــمــون'' کے علاوہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، جب کہ قرآن میں ہم پڑھتے ہیں کہ سورۂ مزمل کی آیت: ۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو''؛ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تراویح میں حفاظ کرام پانچ پانچ چھ چھ پارہ اتنی تیز پڑھتے ہیں کہ کبھی کبھی تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ قرآن پڑھا جارہا ہے یا کچھ اور کیا قرآن کو اتنی تیزی سے پڑھنا جائز ہے کیا اتنی تیز قرآن پڑھنا گناہ نہیں اور پانچ چھ اور تین چار پارے تراویح میں پڑھنا کہاں تک صحیح ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - تراویح میں قرآنِ کریم کو اِس قدر تیز پڑھنا کہ آیات اور حروف کٹ جائیں اور سننے والوں کو کچھ سمجھ میں نہ آئے، یہ قرآنِ کریم کی سخت بے حرمتی اور ناجائز ہے، اِس لئے حفاظ کرام پر لازم ہے کہ وہ اتنی تیز قرآنِ کریم نہ پڑھا کریں؛ بلکہ اِس طرح پڑھیں کہ سارے حروف اپنے مخارج سے اَدا ہوں۔ واضح ہو کہ تراویح میں زیادہ پارے پڑھنا منع نہیں ہے؛ بلکہ صحیح پڑھنا ضروری ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ [المزمل: ٤]

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: لا تنثروه نثر الرمل ولا تهذوه هذّ

الشعر قفوا عند عجائبه وحركوا به القلوب. (تفسير ابن كثير [سورة المزمل: ٤] ٥٥٩/٤ دار السلام الرياض، ٢٦٢/٨ دارالكتب العلمية بيروت)

ويجتنب المنكرات هذرمة القراءة وترك تعوذ وتسمية وطمأنينة وتسبيح و استراحة. (الدر المختار/ باب الوتر والنوافل ٤٩٩/٢ زكريا، ٤٧/٢ كراچی، مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في التراويح ٤١٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ترویحہ میں ''سبحان الملک القدوس'' پڑھنا

سوال (۳۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں تراویح کی نماز کے دوران ہر ترویحہ میں دعاء **''سبحان الملک القدوس''** الخ لوگ پڑھتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ دعا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر حدیث سے ثابت ہے تو حدیث کس درجہ کی ہے؟ اور اِس کا التزام کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - نماز تراویح کے دوران ترویحہ میں ''سبحانک الملک القدوس الخ'' والی دعا پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے؛ البتہ بعض فقہاء سے منقول ہے؛ لہٰذا جس طرح اُس وقت دیگر اَذکار یا انفرادی اَعمال کی اِجازت ہے، اِسی طرح بطورِ ذکر یہ دعا بھی پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن اِس کو لازم وضروری نہ سمجھا جائے، اور اگر کوئی نہ پڑھے تو اُس پر نکیر نہ کی جائے اور اِس بارے میں تشدد بالکل روا نہیں ہے۔

يجلس ندبًا بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة والوتر ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادىٰ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٩٦/٢-٤٩٧ زكريا)

قوله: ”بين تسبيح“ قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات ”سبحان ذي الملک والملكوت“ الخ. كما في منهج العباد. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٦/٢ كراچی)

ثم هم مخيرون في حالة الجلوس إن شاء وا سبحوا وإن شاؤا قرؤوا القرآن، وإن شاء وا صلوا أربع ركعات فرادىٰ وإن شاء وا قعدوا ساكتين. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ١٨٠/١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۲/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

وتر اور قنوت کے مسائل

وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے ثنا پڑھ دی

سوال (۳۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وتر کی تیسری رکعت میں کھڑے ہوتے ہی سورۂ فاتحہ سے پہلے ثنا پڑھ دی، پھر فاتحہ پڑھی تو کیا سجدۂ سہو واجب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اِس بارے میں اگر چہ فقہی عبارت مختلف ہیں؛ لیکن راجح یہی ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے ثنا پڑھنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

ولو تشهد في قيامه قبل قراءة الفاتحة فلا سهو عليه وبعدها يلزمه سجود السهو وهو الأصح؛ لأن بعد الفاتحة محل قراءة السورة، فإذا تشهد فيه فقد أخر الواجب وقبلها محل الثناء. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ۱/۱۸۶ مكتبة الاتحاد ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۴۳/۷/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وتر میں دعائے قنوت چھوٹ جائے تو کیا کرے؟

سوال (۳۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عشاء کی وتر نماز میں دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے اور براہِ راست رکوع کرلے، تو کیا

سجدۂ سہو کرنا ضروری ہوگا؟ اگر یہ بات سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے، تو اُس کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تشفی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- وتر میں دعائے قنوت ترک کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے، اگر سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے کہ دعائے قنوت چھوٹ گئی ہے تو اپنی جگہ سے اٹھنے اور سینہ قبلہ سے پھیرنے سے قبل سجدۂ سہو کرکے نماز مکمل کرسکتے ہیں؛ لیکن اگر اپنی جگہ سے اٹھ جائیں تو اب سجدۂ سہو معتبر نہ ہوگا بلکہ نماز لوٹانی ہوگی۔

إن ترک القنوت ساهيًا ثم تذکر بعد ما سجد، لا يعود إلى القيام في هذه الصورة ولا يقنت بل يمضي في صلاته ويسجد للسهو في آخره. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الصلاة / سجود السهو ۲/۳۹۸ زکريا)

ويسجد للسهو ما لم يتحول عن القبلة أو يتکلم لبطلان التحريمة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة / باب سجود السهو ۲/۵۵۸ زکريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۷/۷/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قنوتِ نازلہ کب تک پڑھنا چاہئے؟

سوال (۳۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے ضلع بارہ بنکی میں بہت سی جگہوں پر جب سے ملک میں لاک ڈاؤن کے بعد حالات خراب ہوئے ہیں، قنوت نازلہ پڑھی جارہی ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا قنوتِ نازلہ پڑھنے کی کوئی مدت اَحادیث میں وارد ہے کہ کب تک پڑھتے رہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سنگین حالات اور خوف ودہشت کے ماحول میں

فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنا ثابت ہے اور معتدل اور اَمن والی حالت میں قنوتِ نازلہ نہیں پڑھی جائے گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بیر معونہ'' کے سانحہ پر ایک مہینہ تک قنوتِ نازلہ پڑھی ہے، اِس لئے سنگین حالات میں ہی قنوتِ نازلہ کا اہتمام کیا جائے۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم شهرًا بعد الرکوع في صلاة الصبح یدعو علی رعل وذکوان. (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب استحباب القنوت في جمیع الصلاة إذا نزلت بالمسلمین نازلة ۲۳۷/۱ رقم: ٦٧٧)

ولا یقنت لغیره إلا لنازلة (الدر المختار) قال في الصحاح النازلة: الشدیدة من شدائد الدهر ولا شک أن الطاعون من أشد النوازل. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب: في القنوت للنازلة ٤٤٨/٢ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۳/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

قنوتِ نازلہ میں جملے آگے پیچھے ہوگئے

سوال (۳۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھ رہے تھے کہ بھول سے بیچ میں کچھ جملے آگے پیچھے ہوگئے ہیں؛ جیسا کہ: **''اللّٰهم أعز الإسلام والمسلمین''** کے بعد **''الذین یصدون عن سبیلک''** پڑھا، جب کہ اُس کے بعد **''أعز الإسلام''** کے بعد **''وألف بین قلوبهم''** ہے، تو ایسی صورت میں نماز میں تو کوئی کمی واقع نہ ہوگی؟ اگر کمی واقع ہو تو اُس کو واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں اگر قنوتِ نازلہ میں ''اللّٰهم

أعـز الإسلام والمسلمين" کے فوراً بعد بلا سانس توڑے ہوئے ملا کر "الـذين يصدون عـن سبيـلک" کا جملہ پڑھا ہے، تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اِعادہ واجب ہوگا؛ لیکن اگر "اللّٰهم أعـز الإسلام والمسلمين" پڑھ کر وقف کر دیا اور پھر اگلے سانس میں "الذين يصدون عن سبيلک" پڑھا تو نماز درست ہوگی، واجب الاعادہ نہیں۔

لو ذكر آية مكان آية إن وقف وقفا تاما ثم ابتدأ بآية أخرىٰ أو بعض آية لا تفسد كما قرأ: "اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ" ووقف، ثم قال: "اُوْلٰٓئِکَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ" لا تفسد. أما إذا لم يقف ووصل إن لم يغير المعنى …… لا تفسد أما إذا غير المعنى بأن قرأ: إن الذين آمنوا و عملوا الصالحات اولـئک هم شر البرية" تفسد عند عامة علمائنا وهو الصحيح. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الخامس في زلة القاري ۱/۸۰-۸۱ زكريا)

القسم الثاني أن يكون يخالف البدل المبدل من حيث المعنى …… إن كان اختلافًا متباعدًا نحو أن يقرأ: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾ فجرىٰ على لسانه "الشيطان" …… في الظهيرية قال: والصحيح عندي إذا وقف ثم انتقل لا تفسد صلاته وإن وصل تفسد، وفي الخانية: والصحيح هو الفساد الخ. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / باب زلة القاري، ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل ۲/۹۶ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۴/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قنوتِ نازلہ میں آمین کے بجائے بے شک کہہ دیا

سوال (۳۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام صاحب قنوتِ نازلہ میں دعائیں پڑھ رہے تھے، تو جب اِمام نے پڑھا: "فـإنک

تقضي ولا يقضى عليک“ تو مقتدی نے کہا ”بے شک“ اسی طرح ”إنه لا يعز من عاديت“ پھر بھی اُس نے بے شک کہا، تو مقتدی کی نماز کا کیا حکم ہے

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - قنوتِ نازلہ کے الفاظ: ”فإنک تقضي ولا يقضى عليک“ کے جواب میں مقتدی نے بے شک کے جو الفاظ کہے ہیں، اگر اُس کی عادت خارج نماز بھی ایسے مواقع پر ”بے شک“ کہنے کی ہیں تو اُس کی نماز فاسد ہوگئی اور اگر اتفاقاً یہ الفاظ زبان سے نکل گئے اور عادت نہ تھی تو نماز فاسد نہ ہوئی۔

وإذا جرى على لسانه ”نعم“ فإن كان ذلک عادة له يجري على لسانه في غير الصلاة فسدت صلاته، وإن لم يكن عادة له لا تفسد، وإن قال بالفارسية ”آرے“ فهو بمنزلة قوله ”نعم“ إن كان ذلک عادة له تفسد صلاته وإلا فلا.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الخامس ما يفسد الصلاة وما لا يفسد ۲۲۷/۲ رقم: ۲۲٤۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مقتدی کے قنوتِ نازلہ پڑھنے پر اِمام کا آمین کہنا

سوال (۳۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِمام صاحب فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھ رہے تھے، پڑھتے پڑھتے بھول گئے، تو پیچھے سے ایک مقتدی نے قنوتِ نازلہ جہراً پڑھنا شروع کردی، اور جب تک وہ قنوت پڑھتا رہا، اِمام صاحب اُس پر آمین کہتے رہے، اُس کے بعد سجدے میں چلے گئے، تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب اِمام کو قنوتِ نازلہ کے

درمیان سہو ہوا تھا تو اُسے چاہئے تھا کہ اسی وقت وہ سجدہ میں چلا جاتا؛ لیکن اُس نے سجدہ میں نہ جاکر حسبِ تحریرِ سوال مقتدی کے قنوت نازلہ پڑھنے تک انتظار کیا اور بیچ میں آمین بھی کہتا رہا، تو اِس میں ظاہری طور پر مقتدی کی متابعت پائی گئی ہے، جو اُصولاً قلب موضوع ہے؛ لہٰذا یہ نماز فاسد ہوگئی اور اِس کا اِعادہ لازم ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إنما جعل الإمام لیؤتم بہ، فإذا صلی قائمًا فصلوا قیامًا، فإذا رکع فارکعوا وإذا رفع فارفعوا، وإذا قال: سمع اللّٰہ لمن حمدہ فقولوا: ربنا ولک الحمد، وإذا صلی جالسًا فصلوا جلوسًا أجمعون. (صحیح البخاري / کتاب الأذان ۱/۹۵ رقم: ٦٨٩)

ولو تابعہ الإمام ینقلب الأصل تبعًا فلا یجوز؛ لأنہ متبوع وہذا قلب الموضوع. (البنایۃ مع الہدایۃ، کتاب الصلاۃ / باب سجود السہو ۲/٦۱۷ المکتبۃ النعیمیۃ دیوبند)

إذا قال الإمام مقارنًا للانتقال: سمع اللّٰہ لمن حمدہ، یقول المقتدي مقارنًا لہ: ربنا لک الحمد، فلو قال الإمام بعد ذلک لوقع قولہ بعد قول المقتدي فینقلب المتبوع تابعًا، والتابع متبوعًا، ومراعاۃ التبعیۃ في جمیع أجزاء الصلاۃ واجبۃ بقدر الإمکان. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ فصل في بیان حکم التکبیر أیام التشریق ۱/٤٩٠ زکریا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۷/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

قنوتِ نازلہ میں مقتدی کی زبان سے بلا اِرادہ (ﷺ) نکل گیا

سوال (۳۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قنوتِ نازلہ میں جب امام نے ”صلی اللّٰہ علیہ وسلم“ پڑھا تو مقتدی کے زبان سے بھی بلا اِرادہ ”صلی اللّٰہ علیہ وسلم“ نکل گیا، تو مقتدی کی نماز درست ہے یا فاسد ہوگئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں اگر اِمام کے جواب کے اِرادہ کے بغیر محض تعظیم کے طور پر مقتدی کی زبان سے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے کلمات نکلے ہیں، تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۵۶۹/۳)

سمع اسم اللّٰہ تعالی فقال: ''جل جلاله'' أو النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم فصلی علیه، أو قراء ۃ الإمام فقال: صدق اللّٰہ ورسوله تفسد إن قصد جوابه الخ (الدر المختار) وتحته في الشامیة: واستفید أنه لو لم یقصد الجواب بل قصد الثناء والتعظیم لا تفسد؛ لأن نفس تعظیم اللّٰہ تعالی والصلاۃ علی نبیه صلی اللّٰہ علیه وسلم لا ینافي الصلاۃ. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب ما یفسد الصلاۃ وما یکره فیها ۳۸۰/۲ زکریا)

ولو صلی علی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم في الصلاۃ إن لم یکن جوابًا لغیره لا تفسد صلاته، وإن سمع اسم النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال جوابًا له تفسد صلاته، ولو قرأ رجل ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ وصلی علیه رجل في الصلاۃ لا تفسد صلاته، وکذا لو قرأ ذکر الشیطان فقال وهو في الصلاۃ: ''لعنة اللّٰہ علیه'' لا تفسد صلاته. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاۃ / الفصل الأول فیما یفسدها ۹۹/۱ زکریا)

أو سمع اسم النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال: ''صلی اللّٰہ علیه وسلم'' …… وإن لم یرد به الجواب؛ بل قصد ثناء وصلاۃ علی سبیل الاستیناف لا تفسد صلاته. (حلبي کبیر ص: ٤٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۶/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

قنوتِ نازلہ میں کسی ظالم کا نام لے کر بددعا کرنا

سوال (۳۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قنوتِ نازلہ میں کسی شخص کا نام لے کر بددعا کرنا مثلاً: ''مودی'' یا ''یوگی'' کا نام لینا صحیح ہے یا نہیں؟ اِس سے نماز فاسد تو نہ ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- قنوتِ نازلہ میں متعین طور پر کسی ظالم کا نام لینے سے اگرچہ نماز فاسد نہ ہوگی؛ لیکن یہ طریقہ بہتر نہیں ہے، بہتر یہی ہے کہ متعین شخص کا نام لئے بغیر مطلقاً ظالموں پر بددعا کی جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/۴۹۴ مکتبہ اِمدادیہ ملتان)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يدعو على أحد أو يدعو لأحدٍ قنت بعد الركوع، فربّما قال إذا قال: "سمع الله لمن حمده اللّهم: ربنا لک الحمد، اللّهم أنج الوليد بن الوليد، وسلمة بن هشام، وعياش بن أبي ربيعة، اللّهم اشدد وطأتک على مضر، واجعلها سنين كسني يوسف". يجهر بذلک، وكان يقول في بعض صلاته في صلاة الفجر: "اللّهم العن فلانًا وفلانًا". لأحياء من العرب حتى أنزل الله: ﴿لَيْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ الآية. (صحيح البخاري، كتاب التفسير [سورة آل عمران] / باب ليس لك من الأمر شيء رقم: ٤٥٦٠)

قال الخطابي رحمه الله: فيه دليل على أن الدعاء لقوم بأسمائهم لا يقطع الصلاة، وأن الدعاء على الكفار والظلمة لا يفسدها. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب القنوت ١٧٩/٣)

عن سمرة بن جندب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تلاعنوا بلعنة الله ولا بغضبه ولا بالنار. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في اللعنة رقم: ١٩٧٦)

وقال الطيبي: فقوله: لا تلاعنوا من باب عموم المجاز؛ لأنه في بعض أفراده حقيقة وفي بعضه مجاز، وهذا مختص بمعين؛ لأنه يجوز اللعن بالوصف الأعم كقوله: لعنه اللّٰه على الكافرين، أو بالأخص كقوله: لعنة اللّٰه على اليهود أو على كافر معين مات على الكفر كفرعون وأبي جهل. (تحفة الأحوذي، أبواب النكاح / باب ما جاء في اللعنة ٦/ ٩٤ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا يلعن معين وتجوز على طائفة مثل المشركين أو الكافرين أو المرتدين أو الفلاسفة ولا يلعن رجل خاصة إلا من علم كونه محل اللعنة بالشرع كالقادياني. (العرف الشذي شرح سنن الترمذي ٣/ ٣٣٠ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال (۳۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وتر کی نماز میں دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو ہمیں پڑھنے کا معمول بنانا چاہئے یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- قنوت کے معنی دعا کے آتے ہیں اور مطلقاً کوئی بھی دعا پڑھنے سے قنوت کا وجوب ادا ہوجاتا ہے؛ تاہم خاص طور پر احادیث شریفہ میں دعائے قنوت کے نام سے دو طرح کے کلمات منقول ہیں، اولاً وہ کلمات جو "**اللّٰهم إنا نستعينك**" سے شروع ہوتے ہیں (جو حنفیہ کے یہاں معمول بہا ہیں) دوسرے وہ کلمات جو "**اللّٰهم**

اهدني فيمن هديت" سے شروع کرہو کر "وصلى الله على النبي محمد" پر ختم ہوتے ہیں، اور بعض فقہاءِ احناف نے یہ فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ وتر میں ان دونوں کلمات ماثورہ کو جمع کرلیا جائے؛ لہٰذا جب جمع کیا جائے گا تو درود کے کلمات کو اولیٰ کہا گیا ہے؛ لیکن اس پر ایسا اصرار مناسب نہیں کہ نہ پڑھنے والے پر نکیر کی جائے، کیوں کہ بغیر درود والے کلمات بھی قنوت میں منقول ہیں اور بالاتفاق درود شریف دعائے قنوت کا لازمی جزء نہیں ہے۔

عن إبراهيم قال: ليس في قنوت الوتر شيء موقت، إنما هو دعاء واستغفار. (المصنف لابن أبي شيبة ٥١٩/٤ رقم: ٦٩٦٦)

قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء (الدرالمختار) أي القنوت الواجب يحصل بأي دعاء كان وأما خصوص اللهم إنا نستعينك فسنة فقط، حتى لو أتى بغيره جاز إجماعًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٦٣/٢ زكريا)

وهل يصلي في آخر القنوت على النبي صلى الله عليه وسلم أم لا؟ قال الفقيه أبو الليث: يصلي؛ لأنها من جنس الدعاء ...... قال ابن الهمام: ولا ينبغي أن يعدل عن هذا القول. (حلبي كبير: ٤٢٢ سهيل اكيڈمی لاهور)

عن الحسن بن علي قال: علمني رسول الله صلى الله هؤلاء الكلمات في الوتر قال: قل "اللّٰهم اهدني فيمن هديت وبارک لي فيما أعطيت وتولني فيمن توليت وقني شر ما قضيت فإنک تقضي ولا يقضى عليک وإنه لا يذل من واليت تباركت ربنا وتعاليت وصلى الله على النبي محمد. (سنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار / باب الدعاء في الوتر ١٩٥/١ رقم: ١٧٤٣)

وفي حديث مرسل عن خالد بن أبي عمران قال: بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو على مضر إذ جاءه جبرئيل عليه السلام فأومأ إليه أن أسكت فسكت فقال يا محمد! إن الله لم يبعثک سبابًا ولا لعانًا وإنما بعثک

رحـمة ولم يبعثک عذابًا ليس لک من الأمر شيء أو يتوب عليهم أو يعذبهم فـإنهـم ظـالـمـون قال ثم علمه هذا القنوت: اللّٰهم إنا نستعينک ونستغفرک ونـؤمـن بک ونـخـضـع لک ونخلع ونترک من يكفرک، اللّٰهم إياک نعبد ولک نـصـلـي ونسـجـد وإليک نسعىٰ ونـحـفد نرجو رحمتک ونخاف عذابک الجد إن عذابک بالكافر ملحق. (المراسل لأبي داؤد ص:٨ رقم: ٨٩، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢٩٨/٢ رقم: ٣١٤٢ دار الكتب العلمية بيروت)

ثـم ذكـر اختلاف الألفاظ الواردة في اللّٰهم إنا نستعينک الخ، ثم ذكر أن الأولـىٰ أن يـضـم إليه: اللّٰهم اهدني الخ. (رد الـمـحـتـار، كتـاب الـصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٢/٢ زكريا، فتاوىٰ رشيديه: ٣٧٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے مسائل

کیا تین جمعہ چھوڑنے والا منافق ہوجاتا ہے؟

سوال (۳۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی آدمی ۳؍ جمعہ چھوڑ دے تو کیا وہ منافق ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - بلا عذر لگاتار تین جمعہ چھوڑنے پر اَحادیثِ شریفہ میں سخت وعید وارد ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی اَذان سننے کے باوجود تین جمعہ میں نمازِ جمعہ کے لئے حاضر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل پر مہر لگادیتے ہیں اور اُس کا دل منافق کے دل کی طرح فرمادیتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ بلا عذر جمعہ ترک کرنا منافقوں والا عمل ہے، ہر مسلمان کو اِس سے احتراز کرنا چاہئے۔ اور جہاں شرائط متحقق ہوں وہاں جمعہ ضرور پڑھنا چاہئے؛ تاہم جو شخص دل سے جمعہ کی فرضیت کا یقین رکھتا ہو اور غفلت یا لاپرواہی کی وجہ سے جمعہ چھوڑ دے تو اُسے حقیقت میں کافر یا منافق نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ وہ صرف عملی طور پر نفاق میں مبتلا ہوگا۔

عن محمد بن عبد الرحمن بن زرارة رضي اللّٰه عنه قال: سمعت عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه ولم أر رجلا منا به شبيهًا قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من سمع النداء يوم الجمعة فلم يأتها ثم سمعه فلم يأتها ثم سمعه ولم يأتها طبع اللّٰه على قلبه، وجعل قلبه قلب منافق. رواه البيهقي

(الترغيب والترهيب للمنذري، كتاب الجمعة / الترغيب في صلاة ا لجمعة والسعي إليها الخ ١/٥٣٦ رقم: ١٠٩٦ دار ابن كثير، شعب الإيمان للبيهقي، الصلاة / فضل الجمعة ٤/٤١٨ رقم: ٢٧٤٥ مكتبة الرشد رياض) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۲/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حکومت کی طرف سے مساجد پر پابندیوں کے زمانہ میں جمعہ کیسے پڑھیں؟

سوال (۳۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چائنا کے جن شہروں میں ''کرونا وائرس'' کی بیماری پھیلی ہوئی ہے، وہاں حکومتی سطح پر ہر طرح کے مذہبی وغیر مذہبی اجتماعات پر پابندی لگادی گئی ہے، اِسی ضمن میں مساجد میں پنج وقتہ اور جمعہ کی نماز بھی حکومت کی طرف سے ممنوع ہے، اور مساجد کے دروازوں پر تالے ڈال دئے گئے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ ایسے شہروں کے رہنے والے مسلمان جمعہ کے دن فریضہ کس طرح اَدا کریں گے؟ صحیح جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- برتقدیر صحتِ سوال اگر مذکورہ شہروں کے مسلمانوں کے لئے مسجد کے علاوہ بھی کسی جگہ حسبِ شرائط جمعہ قائم کرنے کی صورت نہ ہو تو اُن پر جمعہ کے بجائے اپنے اپنے طور پر ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہوگا؛ اِس لئے کہ حکومت کی طرف سے پابندی بھی من جملہ موانع جمعہ میں داخل ہے۔

ويشترط لصحتها سبعة أشياء ...... والسابع الإذن العام (الدر المختار) وتحته في الشامية: أي أن يأذن للناس إذنًا عامًّا بأن لا يمنع أحدًا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلى فيه وهذا مراد من فسر الإذن

العام بالاشتهار. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ۵/۳-۲۵ زكريا)

وشرط لافتراضها تسعةٌ تختص بها ...... وعدم حبس وعدم خوف (الدر المختار) وفي الشامي: وعدم خوف أي من سلطان أو لص. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ۲٦/۳-۲۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۷/۱۴۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک مسجد میں جمعہ کی متعدد جماعتیں

سوال (۳۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ہی جامع مسجد میں جماعتِ ثانیہ اور ثالثہ کرنا فقہاء کرام نے تو مکروہ فرمایا ہے؛ جب کہ ہمارے یہاں ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے تین تین جماعتیں ہو رہی ہیں: پہلی جماعت ایک بجے، دوسری جماعت ڈیڑھ بجے اور تیسری جماعت ایک بج کر پچاس منٹ پر، الگ اِمام ہیں اور یہ چار پانچ سالوں سے چلی آرہی ہیں اور یہاں کئی مساجد کا یہی حال ہے، ایک ایک جماعت میں تقریباً ایک ڈیڑھ ہزار لوگ ہوتے ہیں اور ہر جماعت میں مسجد بھر جاتی ہے۔ اس وقت کچھ علماء کرام کا کہنا ہے کہ جماعت ثانیہ اور ثالثہ بالکل بند کردی جائے اور صرف ایک ہی جماعت ہو اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جیسے ہے ویسے رہنے دو، دو تین جماعت ہونے دو؛ کیوں کہ اِس میں بھلے مکروہ ہے، مگر مسجد کا فائدہ ہے، چندہ زیادہ ہوتا ہے؛ لہٰذا حضرت مفتی صاحب آپ بتائیں اِس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - بے شک اصل حکم یہی ہے کہ ایک مسجد میں جمعہ کی نماز ایک ہی مرتبہ ہونی چاہئے اور محض چندہ میں اِضافے کی خاطر تکرار جماعت کا اہتمام نہیں کرنا چاہئے؛ البتہ اگر محلّہ کے سب اَفراد مسجد میں نہ سما سکیں تو اَولاً کوشش کی جائے کہ اُن کے

لئے مسجد کے علاوہ کسی میدان یا ہال وغیرہ میں جمعہ کا انتظام ہو؛ لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو سکے اور بڑی تعداد میں لوگوں کے جمعہ سے محروم ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر عارضی طور پر (جب تک متبادل انتظام نہ ہو) ایک مسجد میں وقفہ کے ساتھ الگ الگ جماعتیں کرنے کی گنجائش ہوگی؛ کیوں کہ اِس صورت میں تکرار کے ممنوع ہونے کی علت یعنی تقلیل جماعت متحقق نہیں ہے، اور ہر جماعت کا اِمام اور مقتدی الگ ہونے چاہئیں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۴۲۱، فتاویٰ عثمانی ۱/۵۵۲)

لأن في تكرار الجماعة تقليلها بأن كل واحد لا يخاف فوت الجماعة فيكون مكروهًا. (إعلاء السنن / باب كراهة تكرار الجماعة في مسجد المحلة ۲۷۹/٤ إدارة القرآن كراتشي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کورونا کی وجہ سے جمعہ کی جماعت کے تکرار کا حکم

سوال (۳۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر کولکاتا ''کیننگ اسٹریٹ'' کی مسجد میں ''کورونا وائرس'' کے زمانے میں جس وقت مسجد میں محدود آدمی کو لیا جاتا تھا اور فاصلہ (دوری) بنا کر نماز اَدا کرتے تھے، ایسے وقت میں کسی مفتی صاحب کی اِجازت سے جمعہ کی دو جماعت شروع کی گئی اور یہ سلسلہ چلتا رہا؛ حتیٰ کہ وہ وقت بھی آ گیا کہ جو پابندیاں تھیں وہ ختم کر دی گئی، مثلاً مسجد میں محدود آدمی کو لیا جانا، فاصلہ سے نماز اَدا کرنا، اس کے باوجود جمعہ کی دو جماعت کا سلسلہ باقی رہا، کچھ لوگوں نے آواز بلند کی کہ مسجد کی پابندیاں ختم ہوگئی؛ لہٰذا ایک جماعت کی جائے تو آواز اُٹھانے والوں کے منہ کو بند کرنے کے لئے یہ بات کہی گئی کہ قرب وجوار کی مساجد میں جو روڈ (سڑک) پر نماز پڑھتے تھے، اس وقت لوگ روڈ (سڑک) پر نماز نہیں پڑھتے ہیں، اِس وجہ سے بھیڑ زیادہ ہو جاتی ہے؛ لہٰذا دو

جماعتوں کا سلسلہ باقی رہے گا، یہ سلسلہ باقی رہا، پھر کرونا کی دوسری لہر آئی اور مارکیٹ بند ہوگئی تو پھر حسب معمول ایک جماعت ہونے لگی اور ایک جماعت مارکیٹ کھلنے تک ہوتی رہی۔

لیکن کچھ لوگوں کو مسجد میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے دوسری جماعت پھر سے شروع ہوگئی، ایک جماعت میں تقریباً ایک ہزار افراد نماز ادا کر رہے تھے، اس میں سے پچاس یا سو لوگوں کو جگہ نہیں مل سکی، اس کی وجہ سے دوسری جماعت قائم کی گئی اور موجودہ وقت میں صورت حال یہ ہے کہ دونوں جماعت میں مسجد مکمل بھر جاتی ہے، تو کیا ایسی صورت میں جمعہ کی دو جماعت صحیح ہے؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح رہنمائی فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جمعہ کی اَدائیگی کے لئے جماعت شرط ہے، اگر نمازیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوجائے کہ وہ مسجد میں نہ سماسکیں تو جن مساجد میں جمعہ قائم نہیں ہورہا ہے وہاں بھی جمعہ کی نماز شروع کردی جائے، اگر سب مسجدوں میں جمعہ پہلے سے جاری ہے تو کسی بڑے گھر یا شادی ہال وغیرہ میں اذنِ عام کی شرط کے ساتھ جمعہ قائم کیا جائے اور ساتھ میں نئی مسجد کی تعمیر یا پرانی مسجد کی توسیع کی کوشش جاری رکھی جائے اور بہر حال حتی الامکان تکرارِ جماعت سے گریز کیا جائے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۴۶۱)

المستفاد: لأن تکرار الجماعة یؤدي إلی تقلیل الجماعة. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة / تکرار الجماعة في المسجد ۱/ ۳۸۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۳/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بڑی آبادی کی متعدد مساجد میں نمازِ جمعہ

سوال (۳۵۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اور بکر دونوں ایک گاؤں میں رہتے ہیں اور وہاں کے باشندوں کی تعداد تقریباً پانچ

ہزار ہے؛ جن میں سے اٹھارہ سو کے قریب بالغ ہیں اور باقی اس کے علاوہ ہیں، اتنی آبادی میں چھ مسجد ہیں، جن میں سے چار مسجدوں میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے اور ہر مسجد میں چالیس سے زیادہ لوگ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، تو زید کہتا ہے کہ صرف ایک مسجد میں نماز جمعہ صحیح ہوگی اور باقی میں صحیح نہ ہوگی اور بکر کہتا ہے کہ چاروں مسجدوں میں نماز جمعہ ادا کرنا صحیح ہے، برائے کرم مدلل اور صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:- اگر ضرورت ہو تو بڑی آبادی کی متعدد مساجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مذکورہ گاؤں کی چاروں مساجد میں جمعہ کی نماز بلاشبہ درست ہے۔

وتؤدى في مصر بمواضع كثيرة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ۱۵/۳ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شہر سے متصل بڑی آبادی میں جمعہ کا حکم

سوال (۳۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جامع مسجد مرادیہ ۳ر کلومیٹر دوری پر ''بروالا مجھرا، رامپور دوراہا'' جہاں جامع مسجد کی اذان کی آواز بھی آتی ہے، تقریباً ۲۰ر ہزار سے زائد آبادی ہے، لگ بھگ ۱۴ر مساجد ہیں اور ایک بڑا مدرسہ ہے جہاں کثیر تعداد میں لڑکے رہتے ہیں، خرید وفروخت کی سہولیات موجود ہیں، یہاں پر کچھ مساجد میں جمعہ ہوتا ہے، اور کچھ میں ظہر اور جمعہ دونوں جس کی وجہ سے عوام الناس میں کافی انتشار ہو رہا ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

(۱) کیا یہاں پر جمعہ فرض نہیں ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

(۲) جمعہ نہ ہونے کی صورت میں ظہر اور جمعہ دونوں کی ادائیگی کیسی ہے؟

(۳) اوراب تک جولوگ محض جمعہ پڑھ رہے تھے کیا ان پر ظہر کی قضاء کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟ جواب مدلل فرما کرعنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:- سوال میں جس آبادی کا تذکرہ ہے، یہ بجائے خود بڑی آبادی ہونے کے ساتھ ساتھ اس وقت شہر مرادآباد کے ایک محلّہ میں شمار ہوتی ہے؛ لہٰذا وہاں کے رہنے والے مسلمانوں پر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز باجماعت پڑھنا جائز ہے، اس لئے وہاں کے سب لوگوں کو سبھی مساجد میں صرف جمعہ ہی کی نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور جو لوگ اب تک جمعہ پڑھتے آئے ہیں وہی حق پر ہیں، ان پر ظہر کی قضا کا کوئی حکم نہیں ہے اور فقہاء کے کلام میں جہاں احتیاط الظہر کی بات لکھی گئی ہے، تو اولاً وہ حکم عوام کے لئے نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ صرف ایسی جگہ کے لئے ہے جہاں اِقامت جمعہ کی شرائط میں کوئی شک وشبہ پایا جائے اور مسئولہ صورت میں ایسی شک وشبہ کی بات نہیں پائی جاتی ہے؛ اِس لئے وہاں احتیاط الظہر کی بھی اِجازت نہ ہوگی۔

تقع فرضًا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٦/٣ زكريا)

وتؤدىٰ في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذاهب وعليه الفتوىٰ. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ١٥/٣ زكريا)

قال الشامي بحثًا: نعم إن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهارًا والكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلک أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم. (رد المحتار، كتاب الصلاة / الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة: بيان فرضية الجمعة ١٧/٣ زكريا)

إذا وجدت شرائط الجمعة فالفرض هو الجمعة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۵٤٥ رقم: ۳۲٥۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۳/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرادآباد سے متصل تاج پور میں قیامِ جمعہ

سوال (۳۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جامع مسجد مرادآباد سے ۳/ کلومیٹر دور ایک بستی ہے (تاج پور) جہاں جامع مسجد کی اذان کی بھی آواز آتی ہے، ۲/ ہزار سے زائد لوگ یہاں رہتے ہیں اور ۱۳/۱۴ مساجد بھی اس علاقے میں موجود ہیں، خرید وفروخت کی سہولیات موجود ہیں اور پاس میں بازار بھی لگتا ہے اور ایک بڑا مدرسہ بھی ہے، یہاں کی بعض مساجد میں صرف جمعہ ہوتا ہے اور بعض مساجد ایسی ہیں کہ جہاں کے لوگ جمعہ بھی پڑھتے ہیں اور ظہر بھی پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے عوام الناس میں انتشار پیدا ہو رہا ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ علاقے میں جمعہ فرض ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں نے صرف جمعہ ادا کی ہے ان کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) مذکورہ بستی کی آبادی شہر مرادآباد سے متصل ہوچکی ہے اس لئے اس بستی (تاج پور) کے رہنے والے لوگوں پر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز فرض ہے اور اُس کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور جو لوگ وہاں صرف جمعہ پڑھتے آئے ہیں وہی حق پر ہیں۔

من كان مقيمًا في أطراف المصر ليس بينه و بين المصر فرجة؛ بل الأبنية متصلة إليه فعليه الجمعة. (شرح كبيري / فصل في صلاة الجمعة ص: ٥٥٢ المكتبة الأشرفية ديوبند، ۳/۱۰۰ مكتبة دار العلوم ديوبند)

تقع فرضًا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٦/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۴/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

آبادی کی مسجد قریب ہوتے ہوئے مدرسہ کی مسجد میں جمعہ قائم کرنا

سوال (۳۵۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ میں ایک مسجد ہے جو طلبہ کے لئے بنائی گئی ہے جس کے پاس آبادی بہت کم ہے اور اس میں کوئی نماز بھی پڑھنے نہیں آتا سوائے دو چار لوگوں کے جو دوسری مسجد کے نمازی ہیں کبھی کبھی یہاں آتے ہیں۔

مدرسہ سے کچھ ہی فاصلے پر ایک دوسری مسجد ہے، جس کے ذمہ دار اور اس مدرسہ کے ذمہ دار ایک ہی ہیں، مدرسہ میں جب مسجد تعمیر کی گئی تھی تو جمعہ نہیں رکھا گیا تھا دوسری مسجد کے قریب ہونے اور دونوں کے ایک ہی ذمہ دار ہونے کی وجہ سے۔

مدرسہ سے کچھ فاصلے پر جو دوسری مسجد ہے اس کی تین منزلیں ہیں، بستی کے تمام لوگ نماز جمعہ وہیں پڑھتے ہیں، تمام لوگوں کے جمعہ پڑھنے کے باوجود جمعہ کے بھی تیسری منزل خالی رہتی ہے۔

لیکن دو تین لوگ اپنی دوکانیں بند نہ کرنے کی وجہ سے مدرسہ والی مسجد میں نماز جمعہ قائم کرانا چاہتا ہیں اپنی سہولت کی وجہ سے کہ جمعہ کے وقت بھی ان کی دوکانیں کھلی رہیں۔

ایسی صورت میں مدرسہ والی مسجد میں جب کہ دوسری مسجد بالکل قریب ہے اور جمعہ کے دن خالی رہتی ہے اور دونوں مسجدوں کے ذمہ دار بھی ایک ہیں، دو تین لوگوں کی سہولت کی وجہ سے شرعاً جمعہ قائم کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جمعہ کی نماز میں اجتماعیت مطلوب ہے، اِس لئے بہتر یہی ہے کہ مسئولہ صورت میں ایک ہی مسجد میں نماز جمعہ اَدا کی جائے؛ تاہم اگر کسی مصلحت کے پیش نظر مدرسہ والی مسجد میں حسبِ شرائط جمعہ اَدا کرلیا جائے تو وہ بھی درست اور اَدا ہو جائے گا۔

عن عمر رضي اللّٰه عنه أنه كتب إلى أبو موسىٰ وإلى عمرو بن العاص وإلى سعد بن أبي وقاص أن يتخذ مسجدًا جامعًا ومسجدًا للقبائل فإذا كان يوم الجمعة انضموا إلى المسجد الجامع فشهدوا الجمعة. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة / باب تعدد الجمعة في مصر واحد ۹۰/۸ رقم: ۲۰۸٤)

ولا بأس بالجمعة في موضعين أوثلاثة في مصر واحد عند محمد الخ وفي التفريد: والأفضل هو الجامع الواحد إذا لم يكن عذر وضرورة. (الفتاوىٰ التاتارخانية / الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة، النوع الثاني في بيان باب شرائط الجمعة ۵۵۰/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۳/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مسجد سے آدھا کلومیٹر قریبی مصلیٰ میں نمازِ جمعہ کا حکم؟

سوال (۳۵۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دہلی جہانگیر یہ پوری جی بلاک دھولی گھاٹ میں ایک مصلیٰ واقع ہے جو تقریباً آٹھ نو سال سے قائم ہے، مصلیٰ میں پانچ وقت کی نماز ہوتی ہے، اُس کے لئے ایک امام بھی مقرر ہے جو مکتب میں پڑھاتے ہیں، مصلیٰ کے اردگرد تقریباً ایک سو گھر ہیں، جو کہ مسلمان ہیں باقی، دیگر مذاہب کے لوگ کافی تعداد میں ہیں، جب سے لاک ڈاؤن لگا ہے، یہاں پر جمعہ کا سلسلہ بھی جاری ہے،

مصلیٰ سے تقریباً آدھا کلو میٹر پرسی بلاک اور ڈی بلاک میں مسجد ہے اور وہاں جمعہ ہوتا ہے وہ دونوں مساجد بھر جاتی ہیں، تو کیا اس مصلیٰ میں نماز جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا پھر دوسری مسجد میں ہی نماز جمعہ ادا کریں، مذکورہ مصلیٰ میں مسجد کی طرح ہی سارا نظام ہے، مصلیٰ دومنزلہ ہے تقریباً دوسو لوگ نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں، تیسری منزل کا لینٹر ڈالنا باقی ہے، جہانگیر پوری دہلی کے بیچ میں واقع ہے ضرورت کے سامان بھی آسانی سے مل جاتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مذکورہ مصلیٰ میں نماز جمعہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ ایک آبادی میں متعدد جگہ جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے اور اُس کے لئے باقاعدہ مسجد شرعی ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ حسب شرائط دوسری جگہ بھی نماز جمعہ قائم کی جاسکتی ہے۔

وتؤدى في مصر بمواضع كثيرة. (تنوير الأبصار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۱۵/۳)

لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى وفيها وال وحاكم جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنو. (حلبي كبير/ فصل في صلاة الجمعة ص: ۱۵۵ لاهور سهيل اكيڈمی، ۹۸/۳ مكتبه دار العلوم ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۲/۳/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

وسیع مسجد کے ہوتے ہوئے قدیم چھوٹی مسجد میں جمعہ بند کرنا

سوال (۳۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے محلّہ کی ایک قدیم مسجد ہے، جس میں پنج وقتہ نماز کے علاوہ ۲۶/ سال سے جمعہ و عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے، چار صفیں نیچے اور پانچ صفیں اوپر ہیں، جس میں تقریباً ۸۰/ ۹۰/ نمازی ہوتے ہیں، قریب میں دو مسجدیں اور ہیں، ان میں بھی نماز پنج وقتہ کے علاوہ جمعہ وعیدین

کی نماز ہوتی ہے، ایک دونو جوان اس قدیم مسجد میں جمعہ وعیدین کی نماز بند کرانا چاہتے ہیں، تو ان جوانوں کا جمعہ وعیدین بند کرانا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- صورت مسئولہ میں اگر قدیم مسجد میں جمعہ وعیدین کی نمازیں بند کرنے میں نمازیوں کے لئے کوئی تنگی نہ پیش آئے اور اُس کے قریب کی مسجدیں وسیع ہوں تو بہتر یہی ہے کہ اس چھوٹی مسجد میں جمعہ وعیدین کا سلسلہ بند کرکے قریبی وسیع مساجد میں یہ سلسلہ جاری رکھا جائے؛ تاہم اس معاملے میں مسجد کی کمیٹی اور عام نمازیوں کی رضامندی ضروری ہے؛ تاکہ کوئی انتشار نہ ہو۔

وتؤدی الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة وهو الأصح. (الفتاویٰ الهندية / الباب السادس عشر في صلاة الجمعة ١٤٥/١ زكريا)

وتؤدی في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقًا (الدر المختار) وسواء كان التعدد في مسجدين أو أكثر. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ١٥/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لاک ڈاؤن کے بعد بھی چھوٹی مسجد میں جمعہ جاری رکھنا

سوال (۳۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد خضراء محلّہ بروالان مرادآباد میں قائم ہے، اس مسجد میں پانچوں نمازیں مسلسل ہورہی تھیں؛ البتہ جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی، جامع مسجد کے قریب ہونے کی وجہ سے، لاک ڈاؤن میں تمام مساجد بند ہوگئی تھیں، جون میں پھر حالات بہتر ہونے پر مسجد خضراء میں نماز جمعہ قائم ہونے لگی تھی، اس دوران جامع مسجد بند تھی؛ لیکن اب جامع مسجد کھل گئی ہے تو اب مسجد خضراء میں

پنجوقتہ نماز میں تقریباً ۴۰؍لوگ اور نماز جمعہ میں ۷۰؍لوگ جمع ہوجاتے ہیں، تو کیا اب مسجد خضراء میں نماز جمعہ اَدا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- نمازِ جمعہ میں اجتماعیت شریعت میں مطلوب ہے؛ اِس لئے مسئولہ صورت میں بہتر یہی ہے کہ مذکورہ مسجد میں نماز جمعہ موقوف کرکے سب لوگ قریب میں واقع جامع مسجد میں نمازِ جمعہ اَدا کریں؛ تاہم اگر کسی مصلحت سے اُس مسجد میں بھی جمعہ جاری رکھیں تو اِس کی بھی گنجائش ہے۔

عن عمر رضي اللّٰہ عنه أنه كتب إلى أبي موسیٰ وإلى عمرو بن العاص وإلى سعد بن أبي وقاص رضي اللّٰہ عنهم أن يتخذ مسجدًا جامعًا ومسجدًا للقبائل فإذا كان يوم الجمعة انضموا إلى المسجد الجامع فشهدوا الجمعة.

(إعلاء السنن / باب تعدد الجمعة في مصر واحد ۸۹/۸-۹۰ رقم: ۲۰۸۳ دار الكتب العلمية)

وتؤدى الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالیٰ وهو الأصح. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب السادس في صلاة الجمعة ۱/۱۴۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲؍۷؍۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈھائی ہزار سے زائد آبادی والے گاؤں میں جمعہ کا حکم

سوال (۳۵۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ضلع پلول تحصیل ہتھین کے گاؤں منگورا کا میں تین مسجدیں ہیں، بڑی مسجد وسیع وقدیم ہے، جس میں پورا گاؤں اگر نماز کے لئے آجائے تو پر ہونے کے قریب ہوتی ہے، گاؤں کے کل مردم شماری ۲۶۷۰ ہے، گاؤں کے چھ سات محلے ہیں، دو تین کالونی تو گاؤں میں جگہ کی قلت کی وجہ سے تقریباً پانچ منٹ کی دوری پر آباد ہیں، گاؤں میں ایک مدرسہ اور پرائمری اسکول ہے، ۲۰؍

۲۲؍مختلف چیزوں کی دوکانیں ہیں، جن میں ڈاکٹر اور حکیم کی دوکان بھی موجود ہے، ۲؍مرغی فارم بھی ہیں اور اینٹ بنانے کا بھٹہ بھی ہے اور بیکری اور دودھ کا کاروبار بھی ہے، گاؤں میں برتن بنانے کی اور بال بنانے کی دوکان بھی ہے اور ہمارا قدیم گاؤں ہے، پہلے عید اور جمعہ کی نماز بھی ہوتی تھی، جمعہ کی نماز بند کردی گئی اور عید کی نماز بدستور جاری ہے، جب کہ گاؤں میں غلہ کی اتنی مقدار پیدا ہو جاتی ہے کہ گاؤں کو فروخت کرنا پڑتا ہے، گاؤں میں عیدگاہ بھی ہے، مفتی وعالم بھی موجود ہیں، کیا اس صورت میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریرِ سوال جب کہ مذکورہ گاؤں ''منگورا کا'' میں روزمرہ کی ضرورت کی اشیاء بآسانی دستیاب ہیں اور آبادی بھی ڈھائی ہزار سے زائد ہے، تو اس جگہ کو قریۂ کبیرہ کے درجہ میں رکھ کر وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہوگا۔ (مستفاد از: اِمداد الفتاویٰ ۱/۶۲۲، فتاویٰ محمودیہ ۸/۱۰۲-۱۰۳ ڈابھیل)

وعبارة القهستاني: تقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٦/٣ زكريا)

عن أبي حنيفة – رحمه اللّٰه تعالىٰ –: أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته أو علمه وعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٦/٣ زكريا)

فلو الولاة كفارًا يجوز للمسلين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيًا بتراضي المسلمين. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ١٤/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۳۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

۲۵/سو افراد پر مشتمل گاؤں میں جمعہ کا حکم

سوال (۳۵۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں سعید آباد ضلع بجنور تحصیل چاند پور میں ۱۰/سال سے زائد سے جمعہ وعیدین کی نماز ہورہی ہے، ہمارے گاؤں کی آبادی اِس وقت ۲۴۵۰ ہے، ہمارے گاؤں کی سڑکیں صحیح ہیں، پورے گاؤں میں RCC سڑک ہے، ضروریات کا تقریباً سبھی سامان ملتا ہے، دیکھنے میں ایسا نہیں لگتا ہے کہ جیسے جنگل ہو، دن میں دوبار ''روڈویز'' بس جاتی ہے اور ہمارے گاؤں میں ۱۳/سو ووٹر ہے، یہ گاؤں بجنور سے ۲۱/کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور چاند پور سے تقریباً ۱۹/کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

آج سے تقریباً ۱۰/سال قبل شہر بجنور کے ایک مفتی صاحب نے جمعہ کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، اور اُن مفتی صاحب کا گاؤں میں آنا جانا تھا اگرچہ کم تھا۔

اور ایک دوسرے مفتی صاحب نے جو گاؤں سے ۲/کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں رہتے ہیں، اُنھوں نے جمعہ کے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا اور یہ دونوں صاحب آج بھی زندہ ہیں، تو گاؤں والوں میں سے بعض لوگوں نے جمعہ کے جواز کے فتویٰ پر عمل کیا اور جمعہ پڑھنے لگے؛ جب کہ دوسرے بعض حضرات نے عدم جواز کے فتویٰ پر عمل کیا، وہ لوگ جمعہ نہیں پڑھتے، اور اَیامِ قربانی میں عید کی نماز سے پہلے ہی قربانی کر لیتے ہیں، یعنی جس مسجد میں جمعہ ہوتا ہے عید کی نماز بھی ہوتی ہے، تو جو لوگ جمعہ نہیں پڑھتے وہ عید کی نماز سے پہلے قربانی کر لیتے ہیں اور جو جمعہ پڑھتے ہیں وہ عید کی نماز کے بعد قربانی کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) اُس گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جائز نہیں ہے تو کیا اُس جمعہ کو بند کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر جائز نہیں ہے تو جو لوگ نماز جمعہ پڑھتے آرہے ہیں، وہ ظہر کا اِعادہ کریں گے یا نہیں؟ اور جن حضرات کا انتقال ہوگیا اُن کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

(۴) اگر جائز ہے تو جو لوگ عید کی نماز سے پہلے قربانی کرتے ہیں اُن کی قربانی صحیح ہوگی یا نہیں؛ حالاں کہ وہ جمعہ کی نماز کے جواز کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی جمعہ پڑھتے ہیں؟

برائے مہربانی مدلل ومحقق جواب مرحمت فرمائیں؛ تاکہ لوگ اختلاف وانتشار سے بچ جائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر یہ گاؤں عرف میں بڑا گاؤں سمجھا جاتا ہے اور وہاں بسہولت روز مرہ کی ضروریات دستیاب ہیں، اور آبادی بھی ڈھائی ہزار کے قریب ہے؛ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو یہ گاؤں قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہوگا، اور یہاں جمعہ وعیدین کا قیام درست ہوگا، اور عید کی نماز سے قبل قربانی کرنا درست نہ ہوگا۔ یہاں کے لوگوں کو عید کے بعد قربانی کرنی چاہئے اور شرعی معاملہ میں اختلاف وافتراق سے باز آنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۵/۵۷، کتاب المسائل ۱/۴۵۵)

وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق وفيما ذكرنا إشارة إلى أنها لا تجوز في الصغيرة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۳/۷ زكريا)

لا يجوز لأهل الأمصار الذبح حتى يصلي الإمام العيد. (الهداية / كتاب الأضحية ٤/٤٢٩ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۴۱/۱۱/۲۹ھ

چھوٹی بستی میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال (۳۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چھوٹی بستی میں جہاں ۱۵ ر گھر مسلم ہیں، وہاں نماز جمعہ کا قیام ہوسکتا ہے، فی الحال نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے؛ جب کہ اِس سے قبل وہاں کے لوگ اپنی بستی سے ایک کلومیٹر کی دوری پر بڑی بستی کی بڑی مسجد میں نماز پڑھتے تھے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جس چھوٹی بستی میں جمعہ کی شرائط نہ پائی جائیں وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے اور اس بستی کے رہنے والوں کے لئے جمعہ کے دن دوسری بڑی بستی میں جاکر جمعہ پڑھنا بھی ضروری نہیں؛ البتہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے بڑی بستی میں جاکر جمعہ اَدا کرلے تو اُس کی نماز بھی اَدا ہوجائے گی۔

عن حذیفة قال: لیس علی أهل القریٰ جمعة إنما الجمعة علی أهل الأمصار. (المصنف لابن أبي شیبة ٤٦/٤ رقم: ٥١٠٠)

وفاقدها أي هذه الشروط وبعضها إن اختار العزیمة وصلاها وهو مکلف عاقل وقعت فرضًا من الوقت. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب الجمعة ٢٩/٣ زکریا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۲/۸/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

اکثر ضروریاتِ زندگی پائے جانے والے گاؤں میں قیامِ جمعہ

سوال (۳۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں نوسریا ضلع چورو راجستھان کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں ۸۰۰/ مکان، ۵۵/ گلیاں، کپڑا اور کیرانہ کی ۲۲/ دوکانیں، ایک بڑا سرکاری اسپتال، ۷/ ڈاکٹر دسویں تک کا ایک اسکول، گرام پنچایت کا دفتر، ایک چھوٹا بینک، ۱۷۰۰/ سے زیادہ ووٹر ہیں، ایک ریلوے اسٹیشن، قرب وجوار کے گاؤں والے اس گاؤں سے ہی اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں شرعاً جمعہ قائم کرنے کی اِجازت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- حسبِ تحریر سوال اس گاؤں میں اکثر ضروریاتِ

زندگی مہیا ہیں اور معتد بہ آبادی بھی ہے؛ اس لئے یہ قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہے اور وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے۔

تقع فرضًا في القصبات والقریٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٦/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۱۱/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاؤں میں جمعہ نہ ہونے کے خیال سے ظہر پڑھ لی

سوال (۳۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے جمعہ کے دن یہ سمجھتے ہوئے کہ اس گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا، ظہر کی نماز پڑھ لی، مسجد میں معلوم ہونے پر جمعہ کی جماعت میں بھی شریک ہوگیا، تو اس کی کون سی نماز معتبر ہوگی، جمعہ یا ظہر؟ اور دوسری نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں جب مذکورہ شخص نے قریۂ کبیرہ میں جمعہ کی نماز میں شرکت کرلی تو استحساناً یہی جمعہ کی نماز اُس کے حق میں فرض نماز ہوگی اور اس نے لاعلمی کی وجہ سے پہلے جو ظہر کی نیت سے نماز پڑھی تھی وہ نفل سمجھی جائے گی۔

ولو أن مسافرًا صلى الظهر ركعتين ثم قدم المصر وصلى مع الإمام الجمعة فإن الجمعة له فريضة استحسانًا الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة / السفر يوم الجمعة ٥٨٣/٢ زكريا)

وعلى هذا يخرج المعذور إذا صلى الظهر في بيته ثم شهد الجمعة وصلاها مع الإمام أنه يرتفض ظهره ويصير تطوعًا وفرضه الجمعة في قول أصحابنا الثلاثة؛ لأن القادر مأمور بإسقاط الظهر بالجمعة وقد قدر، فإذا

أدی انعقدت جمعته فرضًا ولا تنعقد فرضًا إلا بعد ارتفاض الظهر؛ لأن اجتماع فرضي الوقت لا يتصور. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / كيفية فرض الجمعة ۵۸۰/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۳/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس گاؤں میں جمعہ کی شرائط نہ پائی جائیں وہاں عید کی نماز پڑھنا

سوال (۳۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں پائے جاتے ہیں؛ لیکن وہاں ۲۵؍ سال سے عید کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے، کیا اس صورت میں عیدین کی نماز صحیح ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو جمعہ پڑھنے کے لئے ہیں؛ لہٰذا جہاں جمعہ کی صحت کی شرائط نہ پائے جائیں وہاں عیدین کی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا، پس ایسے گاؤں میں عیدین کی نماز موقوف کردی جائے اور اگر گاؤں والوں کو نماز پڑھنے کا شوق ہو تو کسی قریبی شہر یا بڑی آبادی میں جاکر نماز عید پڑھا کریں۔

عن علي رضي اللّٰہ عنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع، قال معمر يعني بالتشريق يوم الفطر والأضحى الخروج إلى الجبانة. (المصنف لعبد الرزاق ۳۰۱/۳ رقم: ۵۷۱۹)

أن جميع شرائط الجمعة وجوبًا وصحة شرائط للعبد. (منحة الخالق مع البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ۲۷۷/۲ رشيديه)

صلاة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ۲۷۷/۲ رشيديه)

إقامتها في الرسانيق تكره كراهة تحريم. (البناية، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ۹۸/۳ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴؍۱؍۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی حیدرآباد میں جمعہ کا حکم

سوال (۳۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی حیدرآباد کے ہوسٹل میں کوئی مسجد نہیں ہے، چھوٹے چھوٹے ہال ہیں، پانچ وقت کی نماز اسی میں ہوتی ہے اور جمعہ کی نماز تعداد کی کثرت کی بنا پر ایک بڑے ہال (جو گیم ہال کے نام سے موسوم ہے) اس میں ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس گیم ہال میں جمعہ نہ بھی ہوتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اس حال میں جو یونیورسٹی کے اندر ہے جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ طلباء کی تعداد تقریباً دو ڈھائی ہزار ہے، صحیح جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں اگر یونیورسٹی شہر کی حدود میں داخل ہے اور سب مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھنے کی عام اِجازت ہے، تو یونیورسٹی کے ہال میں جمعہ کی نماز پڑھنا درست ہے؛ کیوں کہ جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے۔

وفي الدر المختار مع الشامي: ويشترط لصحتها سبعة أشياء، الأول: المصر الخ ...... السابع: الإذن العام. (الدر المختار ۲٤/۲-۲٥ زكريا)

لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرىٰ وفيها وال وحاكم جازت الجمعة بنو المسجد أو لم يبنوا. (حلبي كبير ٥٥١/۱ سهيل اكيڈمي لاهور)

وكما يجوز أداء الجمعة في المصر يجوز أداؤها في فناء المصر.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب السادس عشر في صلاة الجمعة ١٤٥/١)

وتؤدى في مصر بمواضع كثيرة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ١٥/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

تہاڑ جیل میں قیام جمعہ کا شرعی حکم

سوال (۳۶۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تہاڑ جیل، ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں واقع ہے، جس میں مقید مسلم قیدی جیل کے اندر قیام جمعہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں متردد ہیں۔ نیز بروز جمعہ عدمِ قیام جمعہ کی صورت میں ظہر کی نماز باجماعت اَدائیگی یا انفرادی اَدائیگی کی بابت مسئلہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

صورتِ حال اس طرح ہے کہ یہاں جیل میں مختلف وارڈ ہوتے ہیں اور جیل انتظامیہ کی طرف سے دوسرے وارڈ میں جانے کی قانوناً اجازت نہیں ہے، روزانہ دوپہر ۱۲/ بجے جملہ قیدیوں کو اپنے اپنے کمروں یا بیرکوں میں بند کردیا جاتا ہے اور تین بجے کھول دیا جاتا ہے، کیا ایسی صورت میں تین بجے اپنے اپنے وارڈ میں موجود قیدی نماز جمعہ اَدا کرسکتے ہیں؟ جب کہ قانوناً ایک دوسرے کے وارڈ میں جانے کی اجازت نہیں ہے، ہاں صرف اس بلاک یا وارڈ کے لوگوں کو نماز پڑھنے کی اِجازت ہے۔

یہاں کچھ غیر مقلد حضرات کہتے ہیں کہ ہم جمعہ قائم کرسکتے ہیں، احناف اذنِ عام کے نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ کے قیام کے عدمِ جواز کے قائل ہیں، تو وہ لوگ قرآن وحدیث کے دلائل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ برائے مہربانی مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس تہاڑ جیل میں جو کہ دہلی میں واقع ہے، یہاں سے اسیرانِ تہاڑ نے بروز جمعہ نماز ظہر کی اَدائیگی کے بارے میں ایک استفتاء دارالعلوم دیوبند اِرسال کیا تھا، جس کے جواب میں دارالعلوم دیوبند نے فتویٰ دیا تھا کہ بروز جمعہ جیل میں نماز ظہر با جماعت اَدا کرنا مکروہ ہے؛ لہٰذا تنہا تنہا نماز اَدا کرنی چاہئے؛ جب کہ ایک دوسرے مفتی صاحب نے فرمایا کہ جیل کے اندر جمعہ کے دن نماز ظہر با جماعت اَدا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ حالاں کہ اَسیرانِ تہاڑ باجماعت ظہر اَدا کر رہے ہیں۔

برائے کرم از روئے شریعت کیا حکم ہے؟ کیا واقعی بروز جمعہ نماز ظہر با جماعت مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ یا بلا کراہت جائز ہے؟ بیان فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- تفصیلی سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ تہاڑ جیل میں تمام قیدیوں کو اپنے اختیار سے کسی ایک جگہ نماز جمعہ پڑھنے کی اِجازت نہیں ہے؛ نیز اذنِ عام کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے جیل میں اپنی بیرکوں میں جمعہ قائم کرنا درست نہ ہوگا۔

والإذن العام أي أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدًا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلى فيه. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب الجمعة ۲۵/۳ زکریا)

اَب سوال یہ ہے کہ یہ قیدی اب جمعہ کے دن ظہر کی نماز تنہا پڑھیں گے یا جماعت کے ساتھ پڑھیں گے، تو اس بارے میں فقہی عبارات سے قیدیوں اور معذورین کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی جماعت کرنے کے مطلقاً مکروہ تحریمی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

وکره تحريمًا لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة. (الدر المختار، کتاب الصلاة / باب الجمعة ۳۲/۳-۳۳ زکریا)

ويكره أن يصلي المعذورون الظهر بجماعة يوم الجمعة في المصر وكذا أهل السجن لما فيه من الإخلال بالجمعة إذ هي جامعة للجماعات (الهداية) **وقال في فتح القدير: هذا الوجه هو مبنى على عدم جواز تعدد الجمعة في المصر الواحد، وعلى الرواية المختارة عند السرخسي وغيره من جواز تعددها فوجهه أنه ربما يتطرق غير المعذور إلى الاقتداء بهم وأيضًا فيه صورة معارضة الجمعة فيه بإقامة غيرها.** (الهداية مع فتح القدير ۶۲/۲ أشرفية)

اور دار العلوم دیوبند کے محولہ فتویٰ کی بنیاد یہی ہے؛ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ اِس کراہت کی فقہاء نے فی الجملہ تین علتیں بیان کی ہیں:

(۱) تقلیل الجماعۃ:- یعنی جمعہ کی نماز میں نمازیوں کی تعداد کم ہونا۔

(۲) صورۃ المعارضۃ:- یعنی جمعہ کے مقابلے میں الگ سے ظہر پڑھنے میں ایک تعارض کی سی شکل سامنے آئے گی۔

(۳) قیدیوں کا اپنے اختیار سے نزاع کو ختم کر کے قید سے چھٹکارا حاصل کرنے کی قدرت رکھنا۔

وكره تحريمًا لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصور المعارضة. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۳۲/۳ زكريا)

وكذا أهل السجن لما فيه من الإخلال بالجمعة إذ هي جامعة للجماعات. (الهداية مع فتح القدير ۶۲/۲)

بخلاف المسجونين؛ لأنهم إذا كانوا ظلمة قدروا على إرضاء الخصوم وإن كانوا مظلومين أمكنهم الاستغاثة وكان عليهم حضور الجمعة. (الجوهرة النيرة ۱۳۱/۱)

وفي رد المحتار: إن كان ظالمًا قدر على إرضاء خصمه وإلا أمكنه الاستغاثة. قال الخير الرملي وفي زماننا لا مغيث للمظلوم والغلبة للظالمين فمن عارضهم بحق أهلكوه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۳۲/۳ زكريا)

اُن میں سے پہلی تعلیل کے بارے میں صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ یہ تعدد جمعہ کی کراہت والی روایت پر مبنی ہے۔

قال في فتح القدير: هذا الوجه وهو مبني عدم جواز تعدد الجمعة في المصر الواحد وعلى الرواية المختارة عند السرخسي وغيره من جواز تعددها. (فتح القدير، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ٦٥/٢ دار الفكر بيروت)

جب کہ آج کل تعدد جمعہ کے جواز والی روایت پر عام فتویٰ ہے اور جیل میں ظہر باجماعت پڑھنے سے جمعہ کی اجتماعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا؛ لہٰذا یہ علتِ کراہت قیدیوں کے حق میں مفقود ہے۔

اور رہ گئی معارضہ کی صورت تو اُس کا بھی قیدیوں کے حق میں پایا جانا محل تردد ہے؛ کیوں کہ جیل میں اگر ظہر باجماعت پڑھی جائے تو اس سے جیل کے باہر جمعہ کی نماز سے کوئی تعارض لازم نہیں آتا۔

اور تیسری علت یعنی قیدیوں کا اپنی رہائی پر خود قادر ہونا، یہ بھی جیل کے اندر موجودہ نظام کے اعتبار سے قیدیوں کے لئے متصور نہیں ہے؛ کیوں کہ جو شخص ایک مرتبہ جیل میں چلا جاتا ہے تو اُس کی رہائی کے لئے سرکاری طور پر ایک طویل کارروائی کرنی پڑتی ہے، جس میں قیدی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے؛ اِس لئے قیدیوں کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کو مکروہ تحریمی قرار دینا محل نظر ہے، زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کہہ سکتے ہیں؛ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے جمعہ فوت کردینے والے شہریوں کے لئے ظہر پڑھنے کو صرف مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے اور وجہ یہی بیان کی ہے کہ یہاں کراہت تحریمی کی علتیں نہیں پائی جارہی ہیں۔

قال الشامي: الظاهر أن الكراهة هنا تنزيهية لعدم التقليل والمعارضة المذكورين. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۳/۳۳ زكريا)

اَب اِس تفصیل کی روشنی میں مسئولہ صورت میں تہاڑ جیل کے قیدیوں کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز اگرچہ اکیلے اکیلے پڑھنا زیادہ بہتر ہے؛ لیکن اگر جماعت سے پڑھیں تو اُسے مکروہ تحریمی قرار نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ صرف مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ کہا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۶/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ میں باقاعدہ خطیب وامام الگ الگ ہونے کا نظام بنانا

سوال (۳۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے جامعہ صفہ سیتاپور یوپی (جس میں دارالعلوم دیوبند کے مطابق درس نظامی کی تعلیم ہے) میں کچھ طلبہ نابالغ ہیں اور کچھ بالغ ہیں، سب کے سب حافظ قرآن ہیں، ان کو تقریباً چار سو احادیث زبانی یاد ہیں، جو روز افزوں سبقاً سبقاً بڑھ رہی ہیں، اور کچھ عربی بول چال پر بھی قادر ہیں، نیز چند عربی خطبات زبانی یاد ہیں اور کئی مساجد میں یہ طلبہ کرام خطبۂ جمعہ بھی پڑھ چکے ہیں؛ لیکن نماز امام صاحب نے ہی پڑھائی ہے، عوام کو اس سے بہت خوشی ہوئی اور دلجوئی کے لئے اُنہوں نے انعامات سے بھی نوازا، اس عمل سے طلبہ کرام کے عزائم اور حوصلوں کو بھی بڑی جولانی ملی؛ لیکن کچھ علماء کو اس پر اطمینان نہیں ہے، اُن کا کہنا ہے کہ ان طلبہ کا خطبۂ جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے، اِمام ہی خطبۂ جمعہ پڑھے اور وہی نماز پڑھائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جمعہ میں جو شخص خطبہ پڑھے، اُسی کو نماز جمعہ کی امامت کرنی چاہئے؛ لہٰذا باقاعدگی کے ساتھ خطیب اور اِمام کے الگ الگ ہونے کا نظام بنانا بالکل پسندیدہ نہیں ہے اور بہرحال مسجد کے مقررہ اِمام کی

رضامندی کے بغیر طالب علم یا کسی اور شخص کو خطابت یا اِمامت کا اقدام نہیں کرنا چاہئے، اس میں انتشار اور فتنہ کا اندیشہ ہے۔

لا ینبغي أن یصلي غیر الخطیب؛ لأنهما کشيء واحد (الدر المختار) أي الخطبة والصلاۃ کشيءٍ واحد لکونهما شرطًا ومشروطًا ولا تحقق للمشروط بدون شرطه فالمناسب أن یکون فاعلهما واحدًا. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب الجمعة ۳۹/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بوقت خطبہ دوزانو بیٹھنا ضروری ہے؟

سوال (۳٦٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا جمعہ کا خطبہ سنتے ہوئے دوزانو بیٹھنا ضروری ہے، ایک مفتی صاحب اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ خطبہ داخل نماز ہے؛ اس لئے ہیئت نمازِ ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- خطبہ سنتے وقت بحالت تشہد بیٹھنا صرف مستحب ہے، کوئی ضروری اور لازم نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کسی عذر سے یا استراحت کی خاطر دوسری ہیئت پر بیٹھے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اور بعض لوگ پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھ کر بیٹھتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور خطبہ نماز میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ نماز الگ ایک مستقل عمل ہے۔

إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبیًا أو متربعًا أو کما تیسر؛ لأنه لیس بصلاۃ عملا وحقیقةً کما في المضمرات. ویستحب أن یقعد فیها کما یقعد في الصلاۃ، کذا في معراج الدرایة. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاۃ / الباب السادس عشر في صلاۃ الجمعة ۱۴۸/۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے خطبے کے دوران قضا شدہ نماز یاد آئی

سوال (۳٦۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صاحب ترتیب شخص کو اگر دورانِ خطبہ اپنی چھوٹی ہوئی فجر کی نماز یاد آجائے تو وہ کیا کرے، خطبہ چھوڑ کر فوت شدہ نماز اَدا کرے یا خطبہ وجمعہ کے بعد فجر کی نماز اَدا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں صاحب ترتیب شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ خطبہ جمعہ چھوڑ کر اولاً اپنی قضا شدہ فجر کی نماز ادا کرے اور اگر وہ مسجد میں ایسی جگہ بیٹھا ہو جہاں دورانِ خطبہ نماز پڑھنے کی وجہ سے حاضرین میں تشویش پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ وہ صف سے اٹھ کر کسی ملحق کمرے یا آڑ کی جگہ پر جا کر قضا نماز پڑھے تاکہ کوئی انتشار کی بات پیش نہ آئے۔

فلو تذكر أنه لم يصل الفجر يصليها ولو كان الإمام يخطب. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۲/۵۲۳ زكريا)

وقد مر أنه لو تذكر الفجر عند خطبة الجمعة يصليها مع أن الصلاة حينئذ مكروهة بل في التاتارخانية أنه يصليها عندهما وإن خاف فوت الجمعة مع الإمام ثم يصلي الظهر وقال محمد: يصلي الجمعة ثم يقضي الفجر فلم يجعلا فوت الجمعة عذرا في ترك الترتيب و محمد جعله عذرًا فكذلك هنا. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۲/۵۲۵ زكريا)

وإذا تذكره الرجل في صلاة الجمعة أنه لم يصل الفجر إن كان بحال لو اشتغل بالفجر يفوته الوقت والجمعة جميعًا؛ فإنه يمضي على الجمعة ثم يصلي الفجر بعدها وإن لم يخف فوتهما جميعا يقضي الفجر، ثم يدخل مع الإمام وإن كان يخاف فوت الجمعة ولا يخاف فوت الوقت فإن عند أبي

حنيفة وأبي يوسف يصلى الفجر ثم يصلي الظهر في وقت الظهر وقال محمد يصلي الجمعة ثم يقضي الفجر بعدها فأبو حنيفة وأبو يوسف لم يجعلا فوت الجمعة عذرا لترك الترتيب ومحمد جعله عذرًا. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني والعشرون في قضاء الفائتة ٤٤٤/٢ رقم: ٢٩٢١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبۂ جمعہ کے دوران ڈبہ گھما کر چندہ کرنا

سوال (٣٦٨): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبۂ جمعہ کے دوران مسجد کے لئے ڈبہ گھما کر چندہ کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: - خطبۂ جمعہ کے دوران نمازیوں کو پوری طرح خطیب اور خطبہ کی طرف متوجہ رہ کر خطبہ سننے کا حکم ہے، اب اس وقت اگر چندہ کے لئے ڈبہ گھمایا جائے گا تو ضرور خطبہ میں خلل واقع ہوگا؛ اِس لئے دورانِ خطبہ ڈبہ گھمانا درست نہیں ہے؛ البتہ نماز کے بعد دعا سے پہلے مختصر وقت میں اگر چندہ کرلیا جائے جیسا کہ بہت سی مساجد میں معمول ہے تو اس میں حرج نہیں۔

عن ابن شهاب قال أخبرني سعيد بن المسيب أن أبا هريرة رضي اللّٰه عنه أخبره أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة أنصت والإمام يخطب فقد لغوت. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة / باب الأنصات يوم الجمعة والإمام يخطب ١٢٧/١ رقم: ٩٣٤)

وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها أي في الخطبة، خلاصة وغيرها فيحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيحا أو رد سلام أو أمر بمعروف، بل يجب عليه أن يستمع ويسكت. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٣٥/٣ زكريا، ١٥٩/٢ كراچی)

إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام وقالا: لا بأس إذا خرج الإمام قبل أن يخطب الخ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب السادس عشر في الجمعة ١٤٧/١ زكريا قديم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ خطبہ اِمام صاحب کا وضوٹوٹ گیا

سوال (۳۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، دورانِ خطبہ وضوٹوٹ گیا، مگر وہ خطبہ دیتے ہی رہے اور خطبہ کے بعد وضو کرکے نماز پڑھائی تو جمعہ درست ہوا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں دورانِ خطبہ جس وقت امام صاحب کو حدث لاحق ہوا تھا، اُسی وقت انہیں خطبہ موقوف کرکے وضو کے لئے چلا جانا چاہئے تھا؛ اِس لئے کہ بحالت حدث خطبہ دینا مکروہ ہے؛ تاہم جب کہ اُنہوں نے خطبہ جاری رکھا اور خطبہ کے بعد وضو کرکے نماز پڑھائی تو بھی نماز اَدا ہوگئی۔

أما سننها فخمسة عشر، أحدها: الطهارة حتى كرهت للمحدث والجنب الخ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب السادس عشرفي صلاة الجمعة ٢٠٧/١ زكريا جديد، ١٤٧/١ اتحاد قديم)

لو خطب محدثًا أو جنبًا جاز ويأثم الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٢٤/٣ زكريا)

ولو خطب محدثًا أو جنبًا ثم توضأ أو اغتسل وصلى جاز. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ٢٥٨/٢ زكريا)

ومنها الطهارة في حالة الخطبة فهي سنة عندنا وليست بشرط حتى أن الإمام إذا خطب وهو جنب أو محدث فإنه يعتبر شرطاً لجواز الجمعة ...... ولأنها من باب الذكر والمحدث والجنب لايمنعان من ذكر الله تعالىٰ.

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / أما سنن الخطبة ۲۶۳/۱ کراچی، ۱۹۶/۲ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

بے وضو نمازِ جمعہ پڑھانے کا شک ہوگیا

سوال (۳۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے جمعہ کی نماز پڑھائی، گھر آنے کے بعد زید کو شک ہوا کہ نمازِ جمعہ بغیر وضو کے پڑھا دی ہے؛ کیوں کہ اسے وضو کرنا یاد نہیں آرہا ہے، اس واقعہ کو ایک عرصہ ہوگیا، اب یہ بھی یاد نہیں کہ کس جمعہ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا، ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - محض شک کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اگر کسی وجہ سے بے وضو نماز پڑھانے کا گمان غالب ہوجائے تو اس مسجد میں یہ اعلان کرادیا جائے کہ فلاں جمعہ کی نماز بے خیالی میں بلا وضو پڑھا دی گئی ہے، نمازی اس کی جگہ ظہر کی قضا کرلیں۔

وغالب الظن عندهم ملحق باليقين وهو الذي يبتني عليه الأحكام يعرف ذلك من تصفح كلامهم في الأبواب، صرحوا في نواقض الوضوء بأن الغالب كالمتحقق. (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك / الفائدة الثانية ۲۲۳/۱ مكتبه الحرمين داكا ۶۳/۱۰ دار الكتب العلمية بيروت)

ولـو بـطـلـت الجمعة بوجه ما كان عليه إعادة الظهر. (المحيط البرهاني / الفصل الخامس والعشرون صلاة الجمعة / نوع آخر في الرجل يصلي الظهر يوم الجمعة ٤٦٨/٢ رقم: ٢٢١١ إدارة القرآن كراتشي ٨٨/٢ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۸/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

جمعہ مبارک کہنا

سوال (۳۷۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ مبارک کہنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - جمعہ کے دن کی فضیلت متعدد صحیح احادیث میں وارد ہے، اس لئے جمعہ مبارک کہنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: خير يـوم طـلـعـت فيـه الشـمس يوم الجمعة: فيه خلق آدم، وفيه أدخل الجنة وفيه أخرج منها ولا تقوم الساعة إلا في يوم الجمعة. (صحيح مسلم، كتاب الجمعة / باب فضل يوم الجمعة ٢٨٢/١ رقم: ٨٥٤، سنن الترمذي ١١٠/١ رقم: ٤٨٨ دار السلام الرياض)

عـن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: التـمسـوا السـاعة التي ترجى في يوم الجمعة بعد العصر إلى غيبوبة الشمس. (سنن الترمذي ١١١/١ رقم: ٤٨٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۶/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

عیدین کے مسائل

عیدین کی نماز عیدگاہ میں ہو یا مسجدوں میں ہو؟

سوال (۳۷۲):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں سات مسجدیں ہیں اور ایک عیدگاہ ہے، عیدگاہ میں نماز عید ہوتی ہے؛ لیکن چھوٹی ہونے کی وجہ سے مسجدوں میں بھی نماز عید ہوتی ہے، شرعی اعتبار سے اس کا کیا حکم ہے؟

پورے گاؤں کی نماز عید ایک ہی جگہ سنت مؤکدہ ہے یا اگر پورے گاؤں کے لوگ ایک جگہ متفق نہ ہوں اور آپس میں اختلاف ہو جائے تو کیا گاؤں والے دو جگہ نماز ادا کرسکتے ہیں؟ شرعی اعتبار سے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اصل سنت یہ ہے کہ سب گاؤں والے ایسی عیدگاہ میں نماز ادا کریں جو آبادی سے باہر بنائی گئی ہو تاہم اگر عیدگاہ چھوٹی ہو تو مسجد میں بھی نماز عید ادا ہوسکتی ہے؛ لیکن کوشش کی جائے کہ کم سے کم عید کی نماز ہو تاکہ اجتماعیت باقی رہے۔

ایک بڑی آبادی میں ایک سے زائد جگہ بھی نمازِ عید ہوسکتی ہے؛ لیکن حتی الامکان ایک ہی جگہ آبادی سے باہر عیدگاہ میں پڑھنے کی کوشش کی جائے تاکہ سب لوگ اس سنت پر عمل کریں۔

والخروج إلی الجبانة لصلاة العید سنة وإن وسعهم المسجد الجامع.

(رد المحتار / مطلب یطلق المستحب علی السنة وبالعکس ۳/۴۹ زکریا)

واستدل به علی استحباب الخروج إلی الصحراء لصلاة العید وأن

ذلک أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم علی ذلک مع فضل مسجده. (فتح الباري / باب الخروج إلی المصلیٰ بغیر ممبر ۴۵۰/۲ دار المعرفة بیروت)

مستفاد: والذي یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أو لا ثم ما هو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة یصرف إلیهم قدر کفایتهم. (البحر الرائق / کتاب الوقف ۲۱۳/۵ کراچی، ۲۳۰/۵ دار الکتب الإسلامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۲/۱۴۳۹ھ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

رنجش کی وجہ سے عیدگاہ میں عیدین کی جماعت ثانیہ کرنا

سوال (۳۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عیدگاہ میں آپسی اختلاف کی وجہ سے بلا عذر شرعی عیدیں کی نماز دو الگ الگ جماعت سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - نمازِ عید اسلام میں اجتماعیت کا ایک اہم مظہر ہے؛ لہٰذا سب لوگوں کو متفق ہوکر ایک اِمام کے پیچھے ہی نماز عید اَدا کرنی چاہئے، محض آپسی اختلاف کی وجہ سے ایک عیدگاہ میں جماعت عید کا تکرار درست نہیں ہے۔

ویکره تکرار الجماعة أي تحریمًا. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب الإمامة ۲۸۸/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۸/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاؤں میں دو عیدگاہ ہوگئیں

سوال (۳۷۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے گاؤں میں آج سے بیس سال قبل گاؤں کے تمام لوگ عیدین کی نماز ایک عیدگاہ میں ادا کرتے تھے؛ لیکن اس عیدگاہ میں ایک طرف مسجد بنائی گئی جس کی وجہ سے وہ تنگ ہوگئی اور یہ عیدگاہ کی زمین ایک ہی خاندان کے لوگوں کی ہے، جب جگہ تنگ ہوگئی تو گاؤں کے دوسرے خاندان کے لوگوں نے ان لوگوں سے مزید جگہ کے لئے مطالبہ کیا تو فریق اول کے لوگوں نے کہا کہ ہم اپنے خاندان کے لوگوں سے مشورہ کرکے بتائیں گے؛ لیکن جواب دینے سے قبل گاؤں کے لوگوں نے فریق ثانی کے ساتھ مل کر عیدگاہ کے لئے فریق ثانی کی زمین میں ایک جگہ منتخب کر لی اور گاؤں کے لوگوں کی زیادہ تعداد فریق ثانی کی زمین میں بنی ہوئی عیدگاہ میں عیدین کی نماز ادا کرتی ہے، آج تک فریق اول اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی سابق عیدگاہ میں نماز ادا کر رہے ہیں، گویا کہ عیدین کی نماز دو جگہ پر ہوتی ہے اور فریق اول کا کہنا ہے کہ فریق ثانی کے لوگوں نے میرے خلاف پارٹی بندی کی بنیاد پر دوسری جگہ پر عیدگاہ بنائی ہے اور فریق ثانی کا کہنا ہے کہ ہم لوگوں نے جگہ کے تنگ ہونے کی بنیاد پر دوسری جگہ تجویز کی ہے۔

فریق ثانی کے لوگوں نے جس جگہ پر عیدگاہ کی بنیاد رکھی ہے وہیں پر کچھ فاصلہ پر غیر قوم کا مندر وغیرہ ہے، عیدگاہ کے دائیں طرف اور عیدگاہ کے مشرقی حصہ میں غیر قوم کے مردوں کو دفن کیا گیا تھا، عیدگاہ کے منتخب ہونے سے قبل اب وہ زمین مسلمانوں کے حصہ میں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ تمام وجوہات کی بنیاد پر فریق اول کا کہنا ہے کہ فریق ثانی کے اس منتخب عیدگاہ میں عیدین کی نماز ادا کرنا جائز نہیں؟ تو کیا فریق اول کا یہ کہنا درست ہے کہ عیدین کی نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جس گاؤں میں اِقامتِ جمعہ کی شرائط پائی جاتی

ہوں یعنی وہ قریۂ کبیرہ ہوتو بہتر تو یہی ہے کہ وہاں کے سب مسلمان متفق ہوکر ایک ہی عیدگاہ میں نمازِ عید ادا کیا کریں تا کہ اجتماعیت قائم رہے؛ لیکن حسب تحریر سوال جب کہ مذکورہ گاؤں میں دو عیدگاہ بن چکی ہیں تو دونوں جگہ نماز پڑھنا درست ہے اور ان دونوں میں جو عیدگاہ آبادی سے باہر ہوگی اس میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا؛ کیوں کہ عید کی نماز آبادی سے باہر میدان میں پڑھنا مسنون ہے۔

تجب صلاتها على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المقدمة. (الدر المختار مع رد المحتار ۴۵/۳-۴۶)

وتصح صلاة العيدين بما تصح به الجمعة إلا الخطبة فإنها في العيدين تفعل بعد الصلاة وفي الجمعة قبل الصلاة وقوله: وتصح صلاة العيدين بما تصح به الجمعة إشارة إلى المصر والسلطان والإذن العام. (الفتاویٰ التاتارخانية / الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين ۶۰۸/۲ رقم: ۳۴۱۹)

عن أبي عبد الرحمن قال: قال علي رضي الله عنه: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحىٰ إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبي شيبة ۴۳۹/۱ رقم: ۵۰۵۹ دار الكتب العلمية بيروت)

يجوز إقامتها في المصر وفنائه في موضعين فأكثر. (حلبي كبير / فروع الخروج إلى المصلى ص: ۵۷۲ سهيل اكيڈمي لاهور)

والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب العيدين ۴۹/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۴/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

اِمام کا عیدین میں خطبہ کے بعد دعا کرانے پر اِصرار کرنا

سوال (۳۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے شہر الہ آباد قصبہ ہنڈیا محلّہ منشی گنج بازار میں واقع مسجد شرقی میں عیدین کی نماز میں امام مسجد خطبہ کے بعد دعا کراتے ہیں۔ تو دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ اِمام مسجد کا عیدین کی نماز میں خطبہ کے بعد دعا کرانا درست ہے یا نہیں؟ اُسی مسجد میں ایک عالم صاحب موجود تھے اُنہوں نے اِمام مسجد کو توجہ دلائی کہ عیدین کی نماز میں خطبہ کے بعد دعا کا ثبوت نہیں ملتا؛ لہٰذا نماز کے فوراً بعد دعا کرالی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ مزید عالم صاحب نے کہا کہ خطبہ کے بعد دعا کرانا خلافِ سنت ہے، اور اَسلاف واکابر کے معمول کے بھی خلاف ہے، تو اِمام صاحب نے جواباً ارشاد فرمایا کہ کافی عرصہ سے یہی معمول چلا آرہا ہے اَب اگر نماز کے فوراً بعد دعا کرالی جائے گی تو لوگ اعتراض کریں گے کہ پہلے تو خطبہ کے بعد دعا کراتے تھے، اور اب نماز کے بعد کرا رہے ہیں، تو اِمام صاحب کا یہ کہہ کر انکار کر دینا کہ لوگ کیا کہیں گے؟ اور اسی معمول کو بدستور باقی رکھنا کس حد تک درست ہے؟ شرعی نقطۂ نظر سے وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- عیدین میں نماز کے بعد دعا ہونی چاہئے، خطبہ کے بعد الگ سے دعا کا سلف سے ثبوت نہیں ہے، اِس لئے مسئولہ صورت میں حکمتِ عملی کے ساتھ معمول درست کر لینا چاہئے اور غیر ثابت بات پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ (مستفاد: اِمداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیہ ۲/۵۷۲ زکریا)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى صلاة فريضةً فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني ١٨/٢٥٩ رقم: ٦٤٧ مكتبة ابن تيمية القاهرة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۵/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

○❖○

سجدۂ تلاوت

ایک نماز کا سجدۂ تلاوت دوسری نماز میں تلاوت کے بعد کرنا

سوال (۳۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے ایک جگہ نفل نماز میں آیت سجدہ پڑھی؛ لیکن سجدہ نہیں کیا، سلام کے بعد دو رکعت اور پڑھیں اور اُن میں وہی آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرلیا، تو یہ سجدہ گذشتہ نفل میں پڑھی گئی آیت سجدہ کی طرف سے کافی ہوجائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - کسی نماز میں پڑھی گئی آیت سجدہ کا واجب سجدہ اسی نماز میں کرنا ضروری ہوتا ہے، اس نماز کے ختم ہونے کے بعد اس سجدے کی تلافی نہیں ہو سکتی، پس مسئولہ صورت میں بعد میں پڑھی گئی ۲؍ رکعتوں میں جو آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدۂ تلاوت کیا گیا ہے، وہ اسی دوسری نماز کی طرف سے سمجھا جائے گا، اس کا پہلی نماز سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

ولو قرأ آية السجدة في الصلاة، ولم يسجد، حتى سلم؛ فقرأها مرة أخرىٰ، سجد سجدة واحدة، وسقطت عنه الأولىٰ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثالث عشر في سجود التلاوة ۲۶۱/۲ زکریا)

كل سجدة وجبت في الصلاة، ولم تؤد فيها، سقطت، أي: لم يبق السجود لها مشروعًا لفوات محله. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ۵۸۵/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمام کے سجدۂ تلاوت پر بعض مقتدی رکوع میں چلے گئے

سوال (۳۷۷):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک اِمام نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ الم سجدہ پڑھی تو جب سجدے کی آیت آئی تو کچھ مقتدی سجدے میں چلے گئے، کچھ رکوع میں چلے گئے اور پھر اِمام جب دوبارہ کھڑا ہوا تو اُس کے ساتھ جو سجدے میں گئے تھے، وہ واپس آگئے اور جو رکوع میں گئے تھے اُن میں سے کچھ دوبارہ کھڑے ہوگئے اور کچھ سجدے میں چلے گئے، پھر اِمام کی تلاوت کی آواز سنی تو وہ سجدے سے پھر قیام کی حالت میں آگئے اور بقیہ نماز اِمام کے ساتھ پوری کردی۔ تو مذکورہ جن مقتدیوں نے اِمام کے ساتھ سجدۂ تلاوت نہیں کیا اُن کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ اُن پر سجدۂ تلاوت واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- (۱) جن مقتدیوں نے رکوع کے بعد سجدہ کیا اور پھر اِمام کے ساتھ قیام کی حالت میں لوٹ آئے، اُن کا سجدۂ تلاوت بھی اَدا ہوگیا اور نماز میں کوئی خرابی بھی نہیں آئی۔

(۲) اور جو مقتدی رکوع کے بعد سجدہ کئے بغیر قیام کی طرف لوٹ گئے اُن کا سجدۂ تلاوت اَدا نہیں ہوا؛ لیکن نماز بھی فاسد نہیں ہوئی، اَب وہ اِمام کے ساتھ نماز مکمل کرلیں۔ اور اگر ممکن ہو تو درمیان میں سجدۂ تلاوت بھی کرلیں، بالفرض اگر سجدۂ تلاوت نہیں کیا تو بھی اُن کی نماز درست ہوجائے گی، بعد میں سجدۂ تلاوت کی قضا اُن پر لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۵۴۷، فتاویٰ عثمانی ۱/۴۹۶-۴۹۷)

ولو قرأ الإمام السجدة فظن القوم أنه ركع فبعضهم ركع وبعضهم ركع وسجد سجدة وبعضهم ركع وسجد سجدتين، فمن ركع ولم يسجد يرفض ركوعه ويسجد للتلاوة، ومن ركع وسجد فصلاته تامة وسجدته تجزئه عن

سـجـدة التلاوة. ومن ركع وسجد سجدتين فصلاته فاسدة؛ لأنه انفرد بركعة واحـدة تـامة. وذكـر فـي الـخـلاصة فـي مسـألة الكتاب: لا تفسد صلاته هو الـصـحيح بناء على أن زيادة سجدة واحدة ساهيًا أو سجدتين لا تفسد صلاته بـالإجـمـاع وإن كـان عمدًا فكذلک، وإن ذكر في الجامع الصغير أنه يفسد عـنـد محمد وذلک ليس بصحيح ذكره الصدر الشهيد في المبسوط. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ۲/ ۲۱۵ دار الكتاب ديوبند)

إذا قـرأ الإمام آية السجدة وبعض القوم في الرحبة، فكبر الإمام للسجدة وحسـب مـن كـان فـي الـرحبة أنـه كـبـر لـلـركـوع فركعوا، ثم قام الإمام من السـجـدة فكبر فظن القوم أنه رفع رأسه من الركوع فكبروا ورفعوا رؤوسهم إن لـم يـزيدوا على ذلک لم تفسد صلاتهم. (الـفـتـاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثالث عشر: في سجود التلاوة ۱/ ۱۹٤ مكتبة الاتحاد ديوبند، ۱/ ۱۳٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۹/۷/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بڑے کمرے یا بڑی مسجد میں ایک ہی آیتِ سجدہ مختلف جگہوں پر پڑھنا

سوال (۳۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بڑے کمرہ کی الگ الگ جگہوں میں ایک ہی سجدہ کی آیت مکرر پڑھی جائے تو جتنی بار آیت پڑھی جائے گی اتنی ہی بار سجدہ واجب ہوگا یا ایک سجدہ؟ اور مسجد کبیر میں ایک ہی آیت سجدہ کو الگ الگ جگہوں پر پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- بڑا کمرہ اور مسجد کبیر مکان واحد کے حکم میں ہے،

اِس لئے اگر وہاں ایک ہی آیت سجدہ الگ الگ جگہوں پر مکرر پڑھی جائے تو ایک ہی مرتبہ سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔

ولو قرأها في زوايا المسجد الجامع يكفيه سجدة واحدة وكذلك حكم البيت والدار. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / سجدة التلاوة ٤٧١/٢ زكريا)

ولا يتبدل بزوايا البيت الصغير والمسجد ولو كان كبيرًا. (الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني سجدة التلاوة / هل يتكرر السجدة بتكرر التلاوة ١١٨/٢ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۵/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا سجدۂ تلاوت کے چھوٹ جانے کا فدیہ اَدا کرنا پڑے گا

سوال (۳۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص پر بہت سارے سجدۂ تلاوت باقی ہیں، اگر وہ تلافی کرنا چاہتا ہے تو اس کی تعداد شمار کرے پھر سجدہ کرے یا پھر یونہی سجدہ کرتا رہے؛ یہاں تک کہ اس کا دل مطمئن ہوجائے تو تلافی کی کیا صورت ہوگی، اگر اس درمیان (تلافی سے قبل) اس کی وفات ہوجائے تو پھر تلافی کی کیا صورت ہوگی؟ کیا نماز کی طرح اس کا فدیہ اَدا کرنا پڑے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - اگر واجب سجدۂ تلاوت کی تعداد یاد نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اندازہ سے ایک تعداد مقرر کرلے اور اس عدد کے مطابق سجدہ کرلے اور اگر وفات تک سجدے نہ کرسکا تو وارثین اگر چاہیں تو ہر سجدے کے بدلے میں ایک نماز کا فدیہ ادا کردیں؛ لیکن ایسا کرنا صحیح قول کے مطابق واجب نہیں ہے۔

وهي على التراخي على المختار ويكره تأخيرها تنزيها ويكفيه أن

يسجد عدد ما عليه بلا تعيين ويكون مؤديا. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ۲/۵۸۳)

ولو وجب عليه سجدة التلاوة فلم يسجدها حتى مات يعطى لكل سجدة منوين من الحنطة كما في الصلاة والصحيح أنه لا يجب. (الفتاویٰ التاتارخانية / الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة ۲/۴۸۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۳۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

مسافر کی نماز

قصر کا حکم کس وقت سے لاگو ہوگا؟

سوال (۳۸۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید دہلی کا رہنے والا ہے اور مرادآباد کے ایک مدرسہ میں زیر تعلیم ہے، وہ کسی کام سے نظام الدین (دہلی) جاتا ہے، جہاں سے اس کے گھر کا فاصلہ ۱۸؍ کلومیٹر ہے، اُس کے بعد اگلے دن وہ ذاکرنگر دہلی جاتا ہے اور ذاکرنگر سے زید کا گھر بھجن پورہ ۲۱؍ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور زید کو ذاکرنگر سے مرادآباد کو واپس آنا ہے، اپنے گھر نہیں جانا ہے، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ زید ذاکرنگر میں جو نماز اَدا کرے گا اس میں اِتمام کرے گا یا قصر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - بھجن پورہ، نظام الدین اور ذاکرنگر سب شہر دہلی کے الگ الگ محلے اور علاقے ہیں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں زید اپنے محلے بھجن پورہ سے ذاکرنگر جانے سے مسافر نہ ہوگا؛ بلکہ اس پر قصر کا حکم اس وقت سے لاگو ہوگا جب وہ دلی کی حدود سے نکل کر نوئیڈا یا غازی آباد کی حدود میں داخل ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴؍۷۳)

وأشار إلی أنہ یشترط مفارقۃ ما کان من توابع موضع الإقامۃ کربض المصر وہو ما حول المدینۃ من بیوت ومساکن فإنہ في حکم المصر، وکذا القری المتصلۃ بالربض في الصحیح. (رد المحتار ۲/۵۹۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۲/۵/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵؍کلومیٹر کو سفر شرعی شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

سوال (۳۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ضلع الہ آباد قصبہ مئو آئمہ کے ایک مدرسہ میں مدرس ہوں، دوا کی خاطر میں مئوائمہ سے سلطان پور کا سفر کرتا ہوں جو مئوائمہ سے تقریباً ۶۰؍کلومیٹر دور ہے اور سلطان پور سے میرا گھر ۳۰؍کلو میٹر ہے، پھر جب میں سلطان پور سے اپنے گھر کے لئے روانہ ہوتا ہوں تو تقریباً ۱۵؍کلومیٹر اسی راستہ سے میرا گذر ہوتا ہے جس سے میں سلطان پور آیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ ۱۵؍کلومیٹر کو سفر شرعی میں شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ اور میں مسافر ہوں گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا منتہائے سفر سلطان پور ہے جو مئوائمہ سے مسافت سفر پر نہیں ہے، پھر وہاں سے واپسی میں آپ کا اپنے وطن اصلی جانے کا ارادہ ہے، وہ بھی سلطان پور سے مسافت سفر پر نہیں ہے، اِسی طرح وطن سے واپسی میں مئوائمہ تک بھی سفر کی مسافت نہیں بیٹھتی؛ لہٰذا آپ سلطان پور آتے جاتے وقت کہیں بھی مسافر نہ ہوں گے، ہر جگہ اِتمام کریں گے۔

من خرج من عمارة موضع أقامته قاصدًا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها (تنوير الأبصار) وقال في الشامي: قوله قاصدًا ...... أي أنه خرج ولم يقصد أو قصد ولم يخرج لا يكون مسافرًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٢/ ٦٠٠ زكريا)

مصر له طريقان أحدهما مسيرة يوم والآخر مسيرة ثلاثة أيام ولياليها إن أخذ في الطريق الذي هو مسيرة يوم لا يقصر، وإن أخذ في الطريق الذي هو مسيرة ثلاثة أيام ولياليها قصر الصلاة. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٢/ ٤٩٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وطن اصلی کے اِرد گرد سفر

سوال (۳۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنے گھر سے چلا اپنے ضلع میں گھومتے گھومتے ۸۷؍کلومیٹر سفر طے کرلیا، اب نماز کا وقت آگیا تو زید قصر کرے گا یا نہیں؟ جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اُس کے سفر کی آخری منزل کیا ہے؟ پس اگر وطن سے آخری منزل تک کی مسافت ساڑھے بیاسی کلومیٹر یا اُس سے زائد ہے تو وہ مسافر شمار ہوگا، اور اگر اُس سے کم ہے تو وہ مقیم ہوگا۔ اِسی طرح اگر سفر کی نیت کے بغیر گھومتا رہے تو بھی وہ مقیم ہی رہے گا، مسافر نہ ہوگا۔

وذكر الاسبيجابي: المقيم إذا قصد مصرًا من الأمصار وهو ما دون مسيرة ثلاثة أيام لا يكون مسافرًا ...... فالحاصل أن تعتبر المدة من أي طريق أخذ فيه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب المسافر ۱۳۰/۲ كوئٹه)

ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ۶۰۱/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۹/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قصر نماز پڑھتے ہوئے وطن اصلی کی حد سے گذرنا

سوال (۳۸۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جس کا قصبہ کانٹھ ہے، وہ ساہن پور سے بذریعہ ٹرین لکھنؤ جارہا ہے، اُس نے جاتے ہوئے کانٹھ سے پہلے سہس پور میں ۲؍رکعت قصر ظہر کی نیت سے باندھی، ٹرین تیز رفتار تھی، ابھی وہ ۲؍رکعت پوری نہ کرپایا تھا کہ ٹرین کانٹھ کے حدود سے گذرنے لگی اور رکی بھی نہیں، پھر

چند لمحوں میں آبادی سے باہر نکل گئی، جب کہ اُس نمازی نے ابھی سلام بھی نہ پھیرا تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ شخص نماز پوری پڑھے گا یا قصر کرے گا؟ یا اُس کے لئے کوئی اور حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں چوں کہ مذکورہ مسافر شخص ۲؍رکعت پوری کرنے سے پہلے ہی اپنے وطن کی حدود میں داخل ہوگیا ہے، تو اُس پر اِتمام لازم ہوگا؛ اگرچہ محض گذرنا ہی پایا جائے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے وطن کے اسٹیشن پر کھڑی گاڑی میں ۴؍رکعت والی نماز کی نیت باندھے، پھر وہ گاڑی چل پڑے، تو اُس پر ہر حال میں ۴؍رکعت کی تکمیل ضروری ہوتی ہے؛ اگرچہ ٹرین ۲؍رکعت سے پہلے آبادی کی حدود سے نکل جائے۔

وإذا دخل المسافر مصره أتم الصلاة وإن لم ينو الإقامة فيه، سواء دخله بنية الاختيار أو دخله لقضاء الحاجة، كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ١٤٢/١ زكريا)

وأما لو أحرم قاصرًا فبلغت سفينته دار إقامته فإنه يتمّ، ولو شرع في الصلاة في دار الإقامة فسارت سفينة، فليس له القصر. (الأشباه والنظائر / القاعدة الثانية: إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام ص: ٣١٨ زكريا)

ولو كان مسافرًا وشرع في الصلاة في السفينة خارج المصر فجرت السفينة حتى دخل المصر يتم أربعًا؛ لأنه صار مقيمًا بدخوله مصره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل ٢٢ صلاة السفر ٥٢٦/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۴۱/۶/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

کیا وطنِ اصلی متعدد ہوسکتے ہیں؟

سوال (۳۸۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے یہاں جموں اور سری نگر کے درمیان ۳۰۰ رکلومیٹر کا فاصلہ ہے اور بہت سے لوگوں کے گھر دونوں شہروں میں ہیں، مثلاً ایک شخص سری نگر کا باشندہ ہے اور جموں میں بھی اُس نے گھر بنا رکھا ہے اور اُس کے بچے جموں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور وہ خود بھی گاہے گاہے مہینہ یا پندرہ دن میں جموں آتا جاتا رہتا ہے۔ نیز تعطیلات کے دوران دو ماہ تک بھی جموں میں قیام رہتا ہے، اب دونوں شہر یکساں طور پر اُس کے لئے وطن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب یہ شخص جموں میں قیام کے دوران نماز قصر کرے گا یا اِتمام؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- فقہاء نے لکھا ہے کہ وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں، لہٰذا جو شخص اپنے آبائی وطن کے علاوہ کسی دوسرے مقام کو بھی وطن بنانے کی نیت کرلے تو وہ دونوں جگہ پوری نماز پڑھے گا۔ بریں بنا جن حضرات نے مسئولہ صورت میں جموں کو مستقل وطن بنا رکھا ہے یا جو لوگ اہل خانہ کے ساتھ مستقل طور پر جائے ملازمت میں رہتے ہیں، وہ سب اتمام کریں گے۔

ثم الوطن الأصلي يجوز أن يكون واحدًا أو أكثر من ذلك. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل: بيان ما يصير المسافر به مقيمًا ۱/ ۲۸۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۱/۱۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جائے ملازمت میں ذاتی مکان خرید لینے سے قصر واتمام کا حکم

سوال (۳۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں پور قاضی کا باشندہ ہوں جو میرا وطن اصلی ہے اور جمنا نگر میں کاروبار کرتا ہوں، جس کی وجہ سے وہاں میں نے ایک مکان خرید لیا تھا جو اَب کرایہ پر دے رکھا ہے اور فی الحال میں چاند پور رہتا ہوں اور یہیں کاروبار کرتا ہوں جو کہ پور قاضی سے مسافت سفر پر ہے، اور جمنا نگر میں

مکان فی الحال کرایہ پر دے رکھا ہے اور وہ بھی پور قاضی سے مسافت سفر پر ہے، اَب چاند پور میں ۲-۳/ سال سے رہ رہا ہوں اور ۲-۳/ سال تک رہوں گا؛ لیکن چاند پور میں ۱۰-۱۲/ دن اکثر قیام کرتا ہوں، صرف ایک دو بار ۱۵/ دن قیام کیا ہے، تو کیا مجھے چاند پور میں قصر کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اور جمنا نگر میں جو مکان ہے اگر وہاں جانے کا ارادہ ہو تو کیا وہاں بھی قصر کرنا پڑے گا، فی الحال میرے بیوی بچے بھی پور قاضی میں رہتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: - مسئولہ صورت میں چونکہ آپ نے جمنا نگر کا قیام ترک کر دیا ہے اور وہاں کا مملوکہ مکان کرایے پر دے رکھا ہے تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کا وہاں قیام کا ارادہ نہیں ہے؛ اسی طرح چاند پور میں بھی کاروبار کی نیت سے عارضی قیام ہے، یہاں بھی مستقل قیام کی نیت نہیں ہے؛ جیسا کہ سوال سے واضح ہے، بریں بنا جمنا نگر یا چاند پور میں جب تک آپ پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کی نیت نہیں کریں گے، اس وقت تک نماز قصر کرنی ہوگی، صرف وطن اصلی پور قاضی میں آپ مطلقاً اتمام کریں گے۔

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: إذا كنت مسافرًا فوطنت نفسك على إقامة خمسة عشر يوما، فأتمم الصلاة وإن كنت لا تدري فاقصر، قال محمدؒ: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفةؒ. (كتاب الآثار للإمام محمدؒ / باب الصلاة في السفر ٤٨٩/١ رقم: ١٨٨ دار الكتب العلمية بيروت، ص: ١٩٧ دار النوادر الكويت)

من خرج من عمارة موضع إقامته ...... قاصدًا ...... مسيرة ثلاثة أيام ولياليها ...... صلى الفرض الرباعي ركعتين حتى يدخل موضع مقامه ...... أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع واحد فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه أي في نصف شهر. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٥٩٩/٢-٦٠٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا اپنے میکے اور سسرال میں پوری نماز پڑھے گی یا قصر کرے گی؟

سوال (۳۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شوہر کے انتقال کے بعد یا طلاق کے بعد عورت اپنی سسرال میں پوری نماز پڑھے گی یا قصر کرے گی؟ اور پھر جب عورت اپنے میکے آجائے تو یہ میکہ عورت کے لئے دوبارہ وطن اصلی کے حکم میں ہوجائے گا اور عورت یہاں پوری نماز پڑھے گی یا اس وقت بھی قصر کرے گی؟ جیسا کہ اپنے مرحوم شوہر کی زندگی میں کرتی تھی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں اگر شوہر کے انتقال کے بعد اسی گھر میں بچوں کے ساتھ مستقل رہنے کا اِرادہ ہے تو وہ حسبِ سابق وہاں پوری نماز پڑھتی رہے گی۔ اور اگر آئندہ وہاں رہنے کا اِرادہ نہیں ہے تو عدت گذارنے کے بعد جب میکے آجائے گی تو شوہر کا گھر اُس کا وطن نہیں رہے گا؛ بلکہ میکہ ہی دوبارہ وطن اصلی بن جائے گا اور وہ میکے میں پوری نماز پڑھے گی۔

الأوطان ثلاثة الخ، فالأصلي هو مولد الإنسان أو موضع تأهل به ومن قصده التعيش لا الارتحال عنه. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ص: ٥٤٤ سهيل اكيڈمی لاهور)

الوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرىٰ اتخذها دارًا وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ۲۳۹/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱/۱۴۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والد وطن عارضی میں رہتے ہوں تو بالغ لڑکے کیلئے کیا حکم ہے؟

سوال (۳۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکے کے والد وطنِ اصلی چھوڑ کر دوسرے شہر میں کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، اگر یہ لڑکا اس شہر میں جائے اور پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ ہو تو کیا وہ مقیم ہوگا یا مسافر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس بالغ لڑکے نے والدین جہاں قیام پذیر ہیں، اس شہر کو وطن اصلی یا وطن تأہل (بیوی بچوں کے ساتھ قیام کی جگہ) بنانے کا عزم کیا ہے یا نہیں؟ اگر عزم کرلیا ہے تو یہاں آنے پر حسب قاعدہ اتمام کرے گا اور اگر عزم نہیں کیا ہے؛ جیسا کہ سوال سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے تو ایسی صورت میں محض والدین کے قیام پذیر ہونے سے وہ شہر اس کے لئے وطن اصلی کے درجہ میں نہ ہوگا اور جب تک پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کا ارادہ نہ ہو تو وہ وہاں پر قصر کرے گا۔

فلو كان له أبوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنا له إلا إذا عزم على القرار فيه، وترك الوطن الذي كان له قبله، شرح المنية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة ٢/٦١٤ زكريا)

أما لو كان له أبوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنًا له وبان حكمه عن أبويه. (خلاصة الفتاوىٰ / قبيل: الفصل الثالث والعشرين ١/٢٠٤)

أما لو كان له أبوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنا له ...... ولو عزم من له أبوان في بلد على القرار فيه و ترك الوطن الذي كان له قبله يكون وطنًا له. (حلبي كبير / فصل في صلاة المسافر ص: ٥٤٤ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۷/۱۴۴۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: احقر محمد احسان غفرلہ

دارالاقامہ میں مقیم طلبہ کا مسافتِ شرعی سے کم سفر کرنے پر نماز کا حکم

سوال (۳۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو طلبہ مدارس میں رہتے ہیں وہ جمعرات یا جمعہ کی چھٹی میں اگر مسافت شرعی سے کم کا سفر کریں تو وہاں پر وہ اتمام کریں گے یا قصر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- جو طالب علم مدرسہ میں پندرہ دن کی نیت سے قیام کر چکا ہے، اس کے لئے مدرسہ وطن اقامت کے درجہ میں ہوگا، اب اگر وہ یہاں سے مسافت سفر سے کم میں کہیں جائے گا تو وہ مسلسل پوری نماز پڑھے گا، قصر نہ کرے گا۔

ويبطل وطن الإقامة بمثله وبالوطن الأصلي وبإنشاء السفر. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٢/ ٦١٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۶/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ سفر لاعلمی میں پوری نماز پڑھ لی؟

سوال (۳۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جانکاری نہ ہونے کی وجہ سے بے شمار نمازیں سفر کی حالت میں قصر کے بجائے پوری پڑھی گئی ہیں، اُن کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں بحالت سفر جو پوری نمازیں پڑھی گئی ہیں، اگر اُن میں قعدۂ اولیٰ اَدا کیا ہے تو فریضہ بکراہت اَدا ہوگیا، اَب آگے اِعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولىٰ تم فرضه ولكنه أساء. (الدر

المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب صلاۃ المسافر ۲/۶۰۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۳/۷/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر نے اپنے کو مقیم سمجھتے ہوئے چار رکعت پڑھادی

سوال (۳۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محمد عالم گیر صاحب کورانگا ماٹیہ گاؤں سے جرجاریہ گاؤں میں بغرض شرکت محفل وعظ میں جانا ہے جو تقریباً ۶۷/ کلومیٹر دوری پر ہے، مگر وہ پہلے رانگا ماٹیہ سے اگرتلا ہوائی اڈہ مس گیا، وہاں باہر سے آنے والا مہمان کو ساتھ لے کر پھر جرجاریہ میں آیا، رانگا ماٹیہ سے اگرتلا ہوائی اڈہ ۶۰/ کلو میٹر اور وہاں سے جرجاریہ ۷۵/ کلومیٹر دوری پر ہے، اور بعد محفل واپسی میں ان کو راست جرجاریہ سے رانگا ماٹیہ جانا ہے (۶۷/ کلومیٹر پر) یہ تفصیل پہلے سے طے شدہ ہے اور ان کو بھی معلوم ہے۔

محفل وعظ میں محمد عالم گیر صاحب نے نماز عشاء کی امامت کی ہے اور چار رکعت پوری پڑھائی، بعد نماز زید کہتا ہے مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی اور بکر کہتا ہے کہ نماز ہوگئی؛ کیوں کہ رانگا ماٹیہ سے جرجاریہ تک مسافت مکمل نہیں ہوئی، از روئے شرع کن کا قول صحیح ہے؟ اور محمد عالمگیر صاحب کو اب کیا کرنا ہے؟ امید ہے کہ مدلل جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور ہوں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں محمد عالم گیر عالم صاحب نے رانگا ماٹیہ سے جرجاریہ کا جس راستے سے سفر کیا ہے اس سے مسافت پوری ہو جاتی ہے؛ لہٰذا جرجاریہ پہنچنے پر وہ مسافر ہوں گے، اور اس حالت میں انہوں نے عشاء کی نماز بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھادی ہے جس کی وجہ سے مقتدیوں کا فرض ادا نہیں ہوا، ان پر نماز کا اعادہ لازم ہے اور اس بارے میں زید کی بات درست ہے اور بکر کا قول صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ سفر کے مسائل میں واپسی کی مسافت معتبر نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ منزل مقصود تک پہنچنے میں جس مسافت کو اختیار کیا

گیا ہے اسی کا اعتبار ہوتا ہے اور اس کے اعتبار سے رانگا ماٹیہ سے جرجاریہ کی مسافت ۱۳۵؍کلو میٹر بیٹھ رہی ہے جو مقررہ مسافت تقریباً ۸۳؍کلو میٹر سے زائد ہے۔

ولو لموضع طريقان أحدهما مدة السفر ...... والآخر أقل، قصر في الأول لا الثاني. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٦٠٣/٢ زكريا)

وتعتبر المدة من أي طريق أخذ فيه. (الفتاوىٰ الهندية / الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ١٣٨/١ زكريا، ١٩٩/١ جديد)

فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٦١٢/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۴۰/۵/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر اِمام نے قعدۂ اولیٰ کے ساتھ ۴؍رکعت پڑھادی

سوال (۳۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسافر اِمام نے عشاء کی نماز مکمل پڑھادی، قعدۂ اولیٰ کیا مگر سجدۂ سہو نہیں کیا، اَب نماز کا کیا حکم ہے؟ سنت اور وتر پڑھ چکے تھے، اُن کا بھی اِعادہ ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- مسئولہ صورت میں جن مقیم مقتدیوں نے مسافر اِمام کے پیچھے مکمل نماز پڑھی ہے اُن مقتدیوں کی نماز فرض اَدا نہیں ہوئی؛ لہٰذا اُن پر نماز عشاء کا اِعادہ لازم ہے؛ البتہ وتر کا اِعادہ لازم نہ ہوگا، اور وقت گذرنے کے بعد سنت کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں ہے اور خود اِمام صاحب کی نماز اگرچہ بطور فرض اَدا ہوگئی ہے؛ لیکن سجدۂ سہو نہ کرنے کی وجہ سے واجب الاعادہ ہے۔

فإن صلى أربعا وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأته والأخريان نافلة،

ويصير مسيئًا لتاخير السلام وإن لم يقعد في الثانية قدرها بطلت، كذا في الهداية. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ١٣٩/١ زكريا، رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٦٠٩/٢ زكريا، البحر الرائق ١٣٠/٢ كراچی)

فلم أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٦١٢/٢ زكريا)

إن من صلى العشاء على غير وضوء وهو لا يعلم، ثم توضأ فأوتر ثم تذكر أعاد صلاة العشاء بالاتفاق، ولا يعيد الوتر في قول أبي حنيفة، وعندهما يعيد. ووجه البناء على هذا الأصل أنه لما كان واجبًا عند أبي حنيفة كان أصلا بنفسه في حق الوقت لا تبعًا للعشاء ...... إلا أن تقديم أحدهما على الآخر واجب حالة التذكر، فعند النسيان يسقط. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في بيان وقته ٢٢٦/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وقت العشاء والوتر منه إلى الصبح؛ ولكن لا يصح أن يقدم عليها الوتر إلا ناسيًا لوجوب الترتيب؛ لأنهما فرضان عند الإمام. (الدر المختار / كتاب الصلاة ١٨/٢ زكريا، ٢٤١/١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۱۱/۱۴۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حنفی مسافر کا شافعی المسلک مسافر امام کی اقتدا کرنا

سوال (۳۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر شافعی المسلک مسافر کوئی چار رکعت والی نماز پڑھاتا ہے اور وہ اس میں اتمام کرتا ہے یعنی مکمل چار رکعت پڑھاتا ہے جو اس کے مسلک کے مطابق افضل بھی ہے تو کیا اس کے پیچھے حنفی المسلک مقیم مقتدیوں کی نماز ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:- اگر نماز پڑھنے سے پہلے ہی یہ بات معلوم ہو جائے کہ شافعی المسلک امام مسافر ہے اور وہ چار رکعت نماز پڑھانے والا ہے تو حنفی مقتدی ایسے امام کی اقتداء نہ کرے؛ لیکن اگر پہلے سے معلوم نہیں تھا اور مذکورہ شافعی مسافر کی اقتداء میں چار رکعت نماز ادا کرنے کے بعد علم ہوا تو یہ نماز درست مان لی جائے گی؛ کیوں کہ مسلک شافعی میں مسافر کے لئے پوری چار رکعت پڑھنا فرض ہی میں داخل ہے اور حنفیہ کے ائمہ میں سے علامہ ہندوانیؒ کے نزدیک اختلافی مسائل میں امام کی نیت معتبر ہوتی ہے، پس ضرورۃً اس قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے تاہم دیگر مفتیان سے بھی استصواب کرلیا جائے۔

مستفاد: وقال ابن الشحنة أحمد اللّٰه: فالحاصل أن قاضي خان قال في فتاویٰ: لا يجوز الاقتداء بمن يقطع الوتر وكذا في الفوائد الظهيرية لأن المقتدی يریٰ أن إمامه خرج عن الصلاة بسلامه ومبنى الخلاف على أن المعتبر رأى المقتدى أو رأى الإمام وعلى الثاني يتخرج كلام الرازي وهو قول الهندواني وجماعة وفي النهاية: أنه أقيس. (شرح منظومة ابن وهبان لابن الشحنة، كتاب الصلاة / بيان الاقتداء في الوتر بمن يراه سنة ١٧٩/١-١٧٨ أكاديمية شيخ الإسلام ديوبند)

قلت وهذا بناء على أن العبرة لرأى المقتدى وهو الأصح وقيل لرأي الإمام وعليه جماعة، قال في النهاية: وهو أقيس وعليه فيصح الاقتداء وإن كان لا يحتاط. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة، مطلب: في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟ ٣٠٢/٢ زكريا)

وقال الشافعي: فرضه الأربع والقصر رخصة أي فرض المسافر أربع ركعات.
(البناية، كتاب الصلاة / فرض المسافر في الرباعية ٩/٣ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳؍۴؍۱۴۳۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جیل میں قیدی حضرات نماز میں قصر کریں یا اِتمام؟

سوال (۳۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں بجنور جیل میں بعض مسلم قیدی دوسرے دور دراز اضلاع کے ہیں، ان میں بعض قیدی وہ ہیں جو کئی سال جیل میں رہیں گے، بعض وہ ہیں جن کا کچھ پتہ نہیں، کب ضمانت ہو جائے اور چلے جائیں اور بہت سارے قیدی ضلع بجنور ہی کے ہیں، اِمامت کے لئے کوئی بھی قیدی نماز پڑھا سکتا ہے کیا مقیم مسافر باشرع کی رعایت یہاں بھی وہی ہوگی جو جیل سے باہر ہوتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

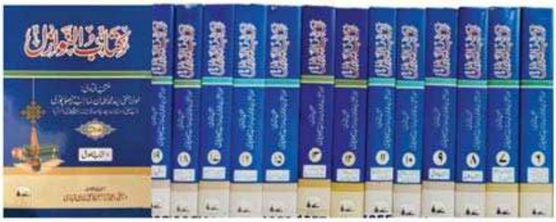
الجواب وباللّٰہ التوفیق:- قصر واِتمام کے مسائل میں جیل کے اندر اور باہر کے درمیان کوئی فرق نہیں، پس جو قیدی مسافت سفر سے لاکر کسی جیل میں رکھے جائیں اور وہ اپنے جرم کی نوعیت دیکھ کر اندازہ لگالیں کہ ۱۵؍دن سے پہلے رہائی نہ ہو پائے گی تو یہ لوگ جیل میں مقیم ہوں گے اور پوری نماز پڑھیں گے۔ اور اگر مقدمہ کی نوعیت ایسی ہو کہ ۲-۴؍دن میں ہی ضمانت اور رہائی ممکن ہو اور رہائی کی کوشش جاری ہو، تو ایسی صورت میں وہ مسافر سمجھے جائیں گے، اور قیدیوں میں جو زیادہ دین دار اور مسائل سے واقف ہو تو اُسے اِمام بنانا بہتر ہوگا۔

ووطن سفر وقد سمي وطن الإقامة وهو البلد الذي ينوي المسافر الإقامة فيه خمسة عشر يومًا. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ۱٤۲/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۷/۱۴۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

❑❖❑

ایک بیش قیمت فقہی تحقیقی اور علمی سوغات



کتاب النوازل ۱۹/ جلدیں

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

تحقیق و مراجعت

مفتی محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری

استاذ جامعہ قاسم العلوم الاسلامیہ مرادآباد

فقہ وفتاویٰ کا مدلل ومحقق مرقعہ گلدستہ تقریباً ۸۵۰۰/ سوال و جواب پر مشتمل ہے، جو گذشتہ ۲۵ سالوں میں حضرت مفتی صاحب کے قلم گوہر بار سے مدرسہ شاہی مرادآباد کے مؤقر دارالافتاء سے صادر ہوئے ہیں۔ فتاویٰ کا یہ مجموعہ ملک وبیرون ملک کے تقریباً ان سبھی دارالافتاء میں نہایت قابل اعتماد مصادر میں سمجھا جاتا ہے، جو مسلک احناف علماء دیوبند سے منسلک ہیں۔ فتاویٰ کی زبان نہایت آسان اور اسلوب دل نشیں ہے اور ہر فتویٰ معتبر حوالہ جات اور بیشتر مسائل احادیث وآثار سے مزین ہیں۔

فللہ الحمدو الشکر

ناشر:

مکتبۃ التذکیر دیوبند

نزد چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند

Mob. No. 9058602750 - 6395313266